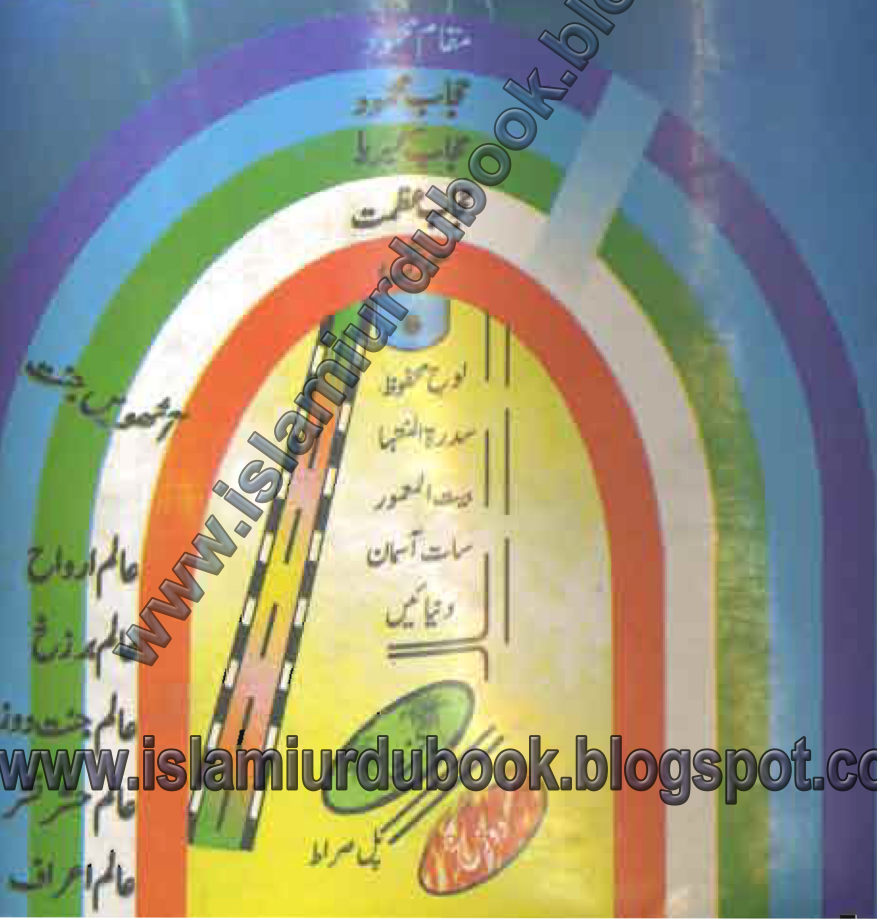
شرح لوح و قلم

خواجہ شمس الدین عظیمی



شرح

لوح و قلم

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ

شارح : خواجہ شمس الدین عظیمی

میں یہ کتاب

پیغمبرِ اسلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے حکم سے لکھ رہا ہوں ......

مجھے یہ حکم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی ذات سے بطریقِ

اُویسیہ ملا ہے

(قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ)

اشاعت ---------- اکتوبر ۲۰۰۳ء

تعداد ---------- ۱۰۰۰

ہدیہ ---------- 175/-

پرنٹرز ---------- العین پرنٹرز ناظم آباد

کمپوزنگ ---------- اقبال لیزر کمپوزنگ ناظم آباد کراچی

پبلشر ---------- الکتاب پبلیکیشنز

فون: 021-6622784

"گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود" کے مصداق حاملِ علمِ لدنی، واقفِ اسرارِ کن فیکون، مرشدِ کریم، ابدالِ حق، حسن اخریٰ محمد عظیم برخیا، حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ خود حضور بابا صاحب کے روحانی تصرف سے میرے ذہن کی اسکرین پر نقش ہوتا رہا .... اور پھر یہ الہامی تحریر حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کی مبارک زبان اور اس عاجز کے قلم سے کاغذ پر منتقل ہو کر کتاب "لوح و قلم" بن گئی۔

میرے پاس یہ روحانی علوم نوعِ انسان اور نوعِ جنات کے لئے ایک ورثہ ہیں۔ میں یہ امانت بڑے بوڑھوں، انسان اور جنات کی موجودہ اور آنے والی نسل کے سپرد کرتا ہوں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

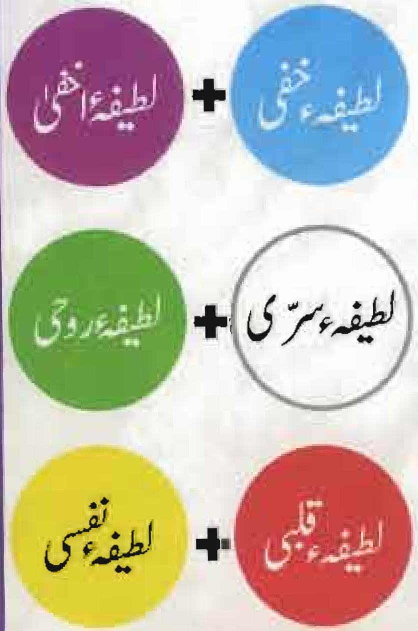
(لوح و قلم صفحہ نمبر ۳)

فہرست مضامین

www.islamiurdubook.blogspot.com

www.islamiurdubook.blogspot.com

انّی جاعِل فِی الارضِ خَلیفة



کائنات کی معلومات کا ریکارڈ

نور مطلق — نسمۂ مطلق
ثابتہ — روح اعظم

زندگی کی تشکیل کے احکامات

نور مفرد — نسمۂ مفرد
اعیان — روح انسانی

انفرادی اعمال کا ریکارڈ

نسمۂ مرکب — جویّہ
روح حیوانی

ایک کتاب المبین۔

ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوح محفوظ۔ ایک لوح محفوظ میں اسی ہزار حظیرے۔

ایک حظیرے میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام۔

ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔

ہر سورج (STAR) کے گرد نو (۹)، بارہ (۱۲) یا تیرہ (۱۳) سیارے گردش کرتے ہیں۔

پہلا لطیفہ جس کو اخفیٰ کا نام دیا گیا ہے ہر انسان کے اندر نقطۂ واحدہ ہے۔

یہی وہ نقطہ ہے جو اللہ کا گھر ہے جس میں اللہ بستا ہے۔

جس نقطہ کے اوپر براہ راست اللہ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے یہی وہ نقطہ ہے جس کے اندر داخل ہو جانے سے انسان کائنات میں جاری و ساری نظام میں داخل ہو جاتا ہے اور کائنات کے اوپر اس کی حاکمیت قائم ہو جاتی ہے۔

یہی وہ نقطہ ہے جس میں داخل ہونے کے بعد اللہ کا یہ ارشاد سمجھ میں آتا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب کا سب مسخر کر دیا۔



www.islamiurdubook.blogspot.com

لطیفہ اخفیٰ اور لطیفہ خفی کے دائرہ کو روحِ اعظم، نورِ مطلق، نسمہ مطلق، ثابتہ کہتے ہیں۔ لطیفہ اخفیٰ کا مقام سر کے درمیان ہے لطیفہ اخفیٰ کا رنگ بنفشی ہے۔ لطیفہ خفی کا رنگ نیلا ہے لطیفہ خفی کا مقام دونوں ابروؤں کے درمیان پیشانی پر ہے۔ روحِ اعظم (خفی + اخفیٰ) کو نہرِ تسوید ہر لمحہ سیراب کرتی ہے، روحِ اعظم سے واقف بندہ اللہ تعالیٰ کی تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے لطیفہ اخفیٰ میں علم الٰہی کی تجلی، اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں اور اسرار و رموز کا ریکارڈ ہوتا ہے انہیں لطیفہ خفی کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ سالک اپنے پیر و مرشد کی نظر کرم اور تفہیم کی طرز پر روحِ اعظم کی تحریکات کا مطالعہ کرتا ہے۔

لطیفہ اخفیٰ + لطیفہ خفی = روحِ اعظم، نورِ مطلق، نسمہ مطلق یا ثابتہ

لطیفہ سرّی اور لطیفہ روحی کے دائرہ کو روحِ انسانی، نورِ مرکب، نسمہ مفرد، اعیان (عین) کہتے ہیں لطیفہ سرّی کا مقام سینے کے دائیں طرف ہے، لطیفہ سرّی کا رنگ سفید ہے، لطیفہ سرّی میں فرد کے متعلق احکامات لوحِ محفوظ کے تمثّلات کی شکل میں محفوظ ہوتے ہیں، لطیفہ سرّی متحرک ہونے پر بندے کی نظر عالم مثال پر پڑتی ہے، لطیفہ روحی کا رنگ سبز ہے، لطیفہ روحی سے متعارف بندے کو عالم اعراف کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔ روحِ انسانی (لطیفہ سرّی + لطیفہ روحی) کو نہرِ تجرید ہر لمحہ سیراب کرتی ہے۔ لوحِ محفوظ کے اوپر نوری ریکارڈ لطیفہ روحی کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے۔

لطیفہ سرّی + لطیفہ روحی = روحِ انسانی، نسمہ مفرد، عین

لطیفہ قلبی اور لطیفہ نفسی کے دائرہ کو روحِ حیوانی نسمہ مرکب، جویہ کہتے ہیں۔ لطیفہ قلبی کا مقام دل ہے لطیفہ قلبی کا رنگ سرخ ہے۔ لطیفہ قلبی میں انسان اپنے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے ان اعمال کو لطیفہ نفسی کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے، لطیفہ قلبی متحرک ہونے سے انسان جنّات سے متعارف ہو جاتا ہے لطیفہ قلبی کو نہرِ تشہید سیراب کرتی ہے، لطیفہ نفسی کا مقام ناف سے ذرا نیچے ہے۔
لطیفہ نفسی کو نہرِ تظہیر سیراب کرتی ہے۔ مراقبہ کے ذریعے لطیفہ نفسی کی روشنیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

لطیفہ نفسی + لطیفہ قلبی = روحِ حیوانی، نسمہ مرکب، جویہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

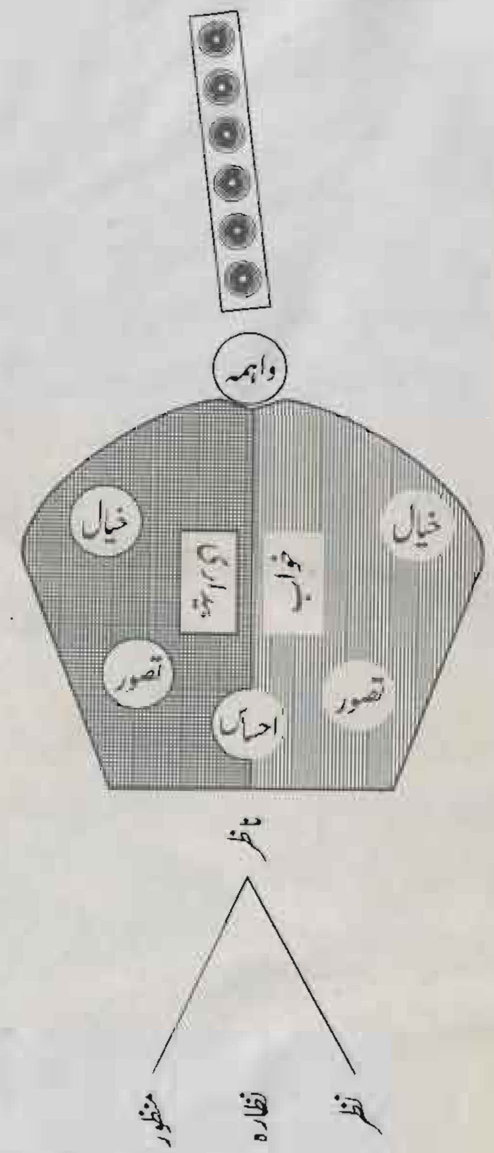
لیکچر ۱

علم حضوری، علم حصولی

یہ بات ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ ہم جس علم کو سیکھ رہے ہیں اس کی نوعیت علم حضوری کی ہے۔ علم حضوری وہ علم ہے جو ہمیں غیب کی دنیا میں داخل کر کے غیب سے متعارف کراتا ہے۔ علم حضوری وہ علم ہے جس کی حیثیت براہ راست ایک اطلاع کی ہے۔ یعنی علم حضوری سیکھنے والے بندے کے اندر لاشعوری تحریکات عمل میں آجاتی ہیں۔ لاشعوری تحریکات عمل میں آجانے سے مراد یہ ہے کہ حافظہ کے اوپر ان باتوں کا جو بیان کی جا رہی ہیں ایک نقش ابھرتا ہے۔ مثلاً اگر علم حضوری سکھانے والا کوئی استاد کبوتر کہتا ہے تو حافظہ کی سطح پر یا ذہن کی اسکرین پر کبوتر کا ایک خاکہ بنتا ہے اور جب الفاظ کے اندر گہرائی پیدا ہوتی ہے تو دماغ کے اندر فی الواقع کبوتر اپنے پورے خدوخال کے ساتھ بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح جب استاد کسی سیارے یا ستارے کا تذکرہ کرتا ہے تو حافظے کی اسکرین پر روشن اور دمکتا ہوا ستارہ محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح روحانی استاد جب جنت کا تذکرہ کرتا ہے تو جنت سے متعلق جو اطلاعات ہمیں مل چکی ہیں ان اطلاعات کی ایک فلم دماغ کے اندر ڈسپلے (Display) ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ذہن کے اندر یہ بات ہمیں نقش نظر آتی ہے کہ جنت ایک باغ ہے جس میں رنگ رنگ خوبصورت پھول ہیں۔ آبشاریں ہیں۔ دودھ کی طرح سفید اور شہد کی طرح میٹھے پانی کی نہریں ہیں اور وہاں ایسے خوبصورت مناظر ہیں جن کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

خواب اور بیداری



یہ علم حضوری کی مختصر تعریف ہے۔

علم حضوری اور علم حصولی میں فرق یہ ہے کہ جب کوئی استاد اپنے کسی شاگرد کو تصویر بنانا سکھاتا ہے تو گراف کے اوپر تصویر بنا دیتا ہے اور بتا دیتا ہے کہ اتنے خانوں کو اس طرح کاٹ دیا جائے تو آنکھ بن جاتی ہے اور اتنی تعداد میں خانوں کے اوپر پینسل پھیر دی جائے تو ناک بن جاتی ہے اور گراف کے اندر چھوٹے چھوٹے خانوں کو اس طرح ترتیب سے کاٹا جائے تو کان بن جاتا ہے۔ شاگرد جتنے ذوق و شوق سے استاد کی رہنمائی میں ان خانوں کے اندر تصویر کشی کرتا ہے اسی مناسبت سے وہ فنکار بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس علم حضوری ہمیں بتاتا ہے کہ ہر انسان کے اندر تصویر بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہر انسان کے اندر کرسی بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہر انسان کے اندر کرتا قمیض سینے کی صلاحیت موجود ہے۔ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ شاگرد کے اندر موجود لوہار درزی بڑھئی مصور بننے کی صلاحیت کو متحرک کر دیتا ہے اور جیسے جیسے شاگرد اس صلاحیت سے استفادہ کرتا ہے اپنے فن میں مہارت حاصل کر لیتا ہے۔

اب ہم اس بات کو ذرا اور وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

دنیا میں جو کچھ موجود ہے یا آئندہ ہونے والا ہے یا گزر چکا ہے۔ وہ سب خیالات کے اوپر رواں دواں ہے۔ اگر ہمیں کسی چیز کے بارے میں کوئی اطلاع ملتی ہے بالالفاظ دیگر اس چیز کا خیال آتا ہے تو وہ چیز ہمارے لئے موجود ہے اور اگر ہمیں اپنے اندر سے کسی چیز کے بارے میں اطلاع نہیں ملتی یا کسی چیز کے بارے میں خیال نہیں آتا تو وہ چیز ہمارے لئے موجود نہیں ہے۔ جب کوئی آدمی مصور بننا چاہتا ہے تو پہلے اس کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ مجھے تصویر بنانی ہے۔ کوئی آدمی بڑھئی بننا چاہتا ہے تو اس کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ مجھے بڑھئی کا کام کرنا ہے۔

علی ہذالقیاس دنیا کے ہر علم کی یہی نوعیت ہے۔ پہلے اس علم کے بارے میں ہمارے اندر خیال پیدا ہوتا ہے اور ہم اس خیال کے آنے کے بعد اس مخصوص فن یا مخصوص علم کو سیکھنے کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور ہمیں ایک استاد کی تلاش ہوتی ہے۔ استاد صرف اتنا کام کرتا ہے کہ ہمارے ذوق و شوق کے پیش نظر ہمارے اندر کام کرنے والی مخصوص صلاحیت کو متحرک کردیتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ "لوح و قلم" میں فرماتے ہیں کہ استاد کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ آدمی کے اندر موجود صلاحیت کو بیدار کرنے میں معاون بن جاتا ہے۔ جس طرح تمام علوم تمام فنون کی صلاحیتیں انسان کے اندر موجود ہیں اسی طرح "روحانی علوم" حاصل کرنے کی صلاحیتیں بھی انسان کے اندر موجود ہیں۔ جب آدمی تصویر بنانا سیکھ لیتا ہے تو اس کا نام مصور ہوجاتا ہے اور جب آدمی فرنیچر بنانے میں ماہر ہوجاتا ہے تو اس کا نام بڑھئی رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی سائنسی اعتبار سے کوئی چیز ایجاد کرلیتا ہے تو سائنس دان کہلاتا ہے۔ اگر شاگرد استاد کی مدد سے اپنے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار کرلیتا ہے تو اس کا نام روحانی انسان ہوجاتا ہے۔

"لوح و قلم" میں اسی روحانی انسان کی صلاحیتوں کو متحرک اور بیدار کرنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

خواب اور بیداری

علم حضوری اور علم حصولی کی مختصر تعریف کے بعد یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ روح کو 'سمجھنے' جاننے اور پہچاننے کے لئے اگر کوئی معتبر اور حقیقی ذریعہ ہے تو وہ "علم حضوری" ہے۔ علم حصولی سے روح کا سراغ نہیں ملتا۔ اگر کوئی آدمی علم حصولی کے ذریعے روح کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ عقلی اور منطقی دلیلوں میں الجھ کر راستہ بھٹک جاتا ہے۔ ہر انسان اپنی فکر کے مطابق روح کے بارے میں قیاس

آرائیاں کرتا ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ انسان پہلے بندر تھا۔ کسی نے کہا انسان سورج کا بیٹا ہے۔ کوئی انسان کی تخلیق کو مچھلی کی تخلیق کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور زیادہ سوجھ بوجھ کے لوگ جب انہیں روح کے بارے میں کوئی حقیقی بات معلوم نہیں ہوتی تو روح سے قطع نظر کر کے مادی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس بندے نے بھی علم حصولی کے ذریعے روح کو سمجھنا چاہا وہ حقیقی اور حتمی نتیجے تک نہیں پہنچا اور جس اللہ کے بندے نے علم حضوری کے ذریعے روح تک رسائی حاصل کی اس کے اندر سے شک اور وسوسے ختم ہوگئے۔ اور یہ بات اس کا یقین بن گئی کہ گوشت پوست کا جسم مفروضہ اور فکشن (Fiction) کے علاوہ کچھ نہیں۔ اصل چیز اس مفروضہ اور فکشن کو سنبھالنے والا جسم ہے۔ اس کے قطع تعلق سے جسم کی حرکت ختم ہوجاتی ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے یہ تجسس ہے کہ انسان کیا ہے؟

ہم اس کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہیں؟ اور فی الواقع اس کی اپنی حیثیت کیا ہے؟

ہم انسان کو جس طرح جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے۔ ہڈیوں کے ڈھانچے پر رگ پٹھوں اور گوشت کی بناوٹ سے ایک تصویر بنی ہوئی ہے۔ اس کو زیادہ واضح طور پر اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ہڈیوں کے ڈھانچے کے اوپر رگ پٹھے ایک قسم کی پٹیاں ہیں۔ جن پٹیوں سے ہڈیوں کو چھپایا گیا ہے۔ ان پٹیوں کے اوپر روئی رکھی ہے۔ اور روئی کے اوپر پلاسٹر چڑھا دیا گیا ہے۔ پٹیاں رگ پٹھے ہیں۔ روئی گوشت ہے اور کھال پلاسٹر ہے۔ لیکن اس جسم کے اندر اپنی کوئی حرکت نہیں ہے۔ کوئی اور چیز ہے جو اسے حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔

مثلاً ہم مٹی کا شیر بناتے ہیں اس شیر کو ایسی جگہ رکھ دیتے ہیں جہاں گرد و غبار اڑتا رہتا ہے اور گرد و غبار شیر کے اوپر جم جاتا ہے۔ ایک آدمی جب شیر کو

دیکھتا ہے تو گرد و غبار کا تذکرہ نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے یہ شیر ہے۔ جس طرح ایک شیر کے اوپر گرد و غبار جمع ہو کر ایک جان ہو گیا ہے اسی طرح روح نے بھی روشنیوں کو یکجا جمع کر کے اور ان روشنیوں کے تانے بانے سے رگ پٹھوں گوشت اور کھال سے ایک صورت بنالی ہے اس صورت کا نام جسم رکھ لیا گیا ہے۔

اس کی مثال حضور قلندر باباؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

جسم کے اوپر جب تک قمیض ہے قمیض کی حرکت جسم کے تابع ہے اور جب قمیض کو جسم سے الگ کر دیا جاتا ہے تو قمیض کی اپنی کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ قمیض شلوار اور ٹوپی کو ایک جگہ اس طرح رکھ دیا جائے کہ یہ گمان ہو کہ کوئی آدمی لیٹا ہوا ہے اور اس سے یہ کہا جائے کہ وہ حرکت کرے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر قمیض جسم کے اوپر ہے تو جسم کی ہر حرکت کے ساتھ ازخود اور غیراختیاری طور پر قمیض میں حرکت واقع ہوتی ہے۔ یہی صورتحال اس مادی جسم کی ہے۔ یعنی گوشت پوست کا جسم روح کا لباس ہے۔

جب تک یہ لباس روح کے اوپر ہے اس کے اندر حرکت ہے اور جب روح اس لباس کو اتار دیتی ہے تو اس کی حیثیت ایسی قمیض کی ہو جاتی ہے جو قمیض جسم کے اوپر نہیں ہے۔ ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اندر کوئی مدافعت باقی نہیں رہتی۔ مرنے کا مطلب یہ ہے کہ روح نے لباس کو اتار کر اس طرح الگ کر دیا ہے کہ اب روح کے لئے اس میں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ لباس کا یہ معاملہ صرف عالم ناسوت یا عالم تخلیط تک ہی محدود نہیں ہے۔ روح ہر زون (Zone) میں .... ہر مقام میں اور ہر تنزل کے وقت اپنا ایک نیا لباس بناتی ہے اور اس لباس کے ذریعے اپنی حرکات و سکنات کا اظہار کرتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنی حرکات و سکنات کا لباس کے ذریعے اظہار کرتی ہے بلکہ

اس لباس کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ اس لباس کو نشوونما بھی دیتی ہے۔ کہیں یہ لباس تعفن اور سڑاند سے بنتا ہے۔ کہیں یہ لباس روشنیوں کے تانے بانے سے بنا جاتا ہے اور یہی لباس نورانی تجلیات سے بھی وجود میں آتا ہے۔ روح جب لباس کو تخلیط (Matter) سے بناتی ہے تو مادے کی اپنی خصوصیات کے تحت لباس (جسم) کے اوپر ٹائم اسپیس کی پابندیاں لاحق رہتی ہیں۔

روح کی تلاش

لباس کی صحیح حیثیت (لباس سے مراد گوشت پوست کا جسم) ہمارے سامنے اس وقت آتی ہے جب ہم مرجاتے ہیں۔ یعنی ہمارے اوپر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس قانون کے تحت مرنے کے بعد گوشت پوست کا جسم محض لباس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

یہ ضروری ہے کہ ہم تلاش کریں کہ زندہ رہنے کی حالت میں کیا ہمارے اوپر ایسی کوئی حالت واقع ہوتی ہے جو موت سے ملتی جلتی ہو۔ یا موت سے قریب ہو۔ یہ حالت وقتی طور پر ہوتی ہو یا کچھ طویل عرصے کے لئے واقع ہوتی ہو اس لئے کہ جب تک حرکت مسلسل اور متواتر نہ ہو اس کو مثال نہیں بنایا جاسکتا۔ زندگی کے مراحل میں یا زندگی کے شب و روز اور ماہ و سال میں جب ہم موت سے ملتی جلتی حالت کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں ایک حالت پر مجبوراً رکنا پڑتا ہے اور موت سے ملتی جلتی یہ حالت "نیند" ہے۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ "سویا اور مرا برابر ہے" فرق اتنا ہے کہ نیند کی حالت میں روح کا اپنے لباس سے ربط برقرار رہتا ہے اور روح اپنے لباس کی حفاظت کے لئے چوکنا اور مستعد رہتی ہے اور موت کی حالت میں روح اپنے لباس سے رشتہ توڑ لیتی ہے۔ یا یوں کہئے کہ روح لباس اتار کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ نیند ہماری زندگی میں ایک ایسا عمل ہے کہ جس سے روح کی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

ہم دو حالتوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ ہماری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہمارا شعور بیدار ہے۔ ہم ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں سن رہے ہیں محسوس کر رہے ہیں اور ہم حرکت میں بھی ہیں۔ اس طرح حرکت میں ہیں کہ روح کا لباس بھی حرکت میں ہے۔ یہ حالت بیداری کی ہے۔

زندگی کی دوسری حالت (جس کو نیند کہا جاتا ہے) میں ہم دیکھتے ہیں سنتے ہیں محسوس کرتے ہیں خود کو چلتا پھرتا دیکھتے ہیں لیکن روح کا لباس حرکت میں نہیں ہوتا۔ روح کے لباس سے مراد گوشت پوست کا جسم ہے۔ اس (Process) سے یہ ثابت ہوا کہ روح اس بات کی پابند نہیں ہے کہ گوشت پوست کے ساتھ ہی حرکت کرے۔ روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی حرکت کرتی ہے۔ گوشت پوست کے جسم کے بغیر حرکت کرنے کا نام "خواب" ہے۔

خواب کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ کوئی کہتا ہے خواب محض خیالات ہوتے ہیں۔ جس قسم کے خیالات میں آدمی دن بھر مصروف رہتا ہے اسی قسم کی چیزیں اسے خواب میں نظر آجاتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خواب ناآسودہ خواہشات کا عکس ہے۔ جب کوئی خواہش ناآسودہ رہ جاتی ہے اور اس کی تکمیل نہیں ہوتی تو وہ خواہش خواب میں پوری ہوجاتی ہے۔ اسی طرح کی بے شمار باتیں خواب کے بارے میں مشہور ہیں اور ہر شخص نے اپنی فکر اور علم کے مطابق خواب کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ لیکن اس بات سے ایک واحد فرد بھی انکار نہیں کرسکتا کہ جس طرح روح گوشت پوست کے جسم کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔ اسی طرح روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی متحرک رہتی ہے۔
اس کے علاوہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ خواب دیکھنا اور خواب میں کیے ہوئے اعمال اور خواب میں کی ہوئی حرکات و سکنات خیالی ہیں تو اس کی تردید ہوجاتی ہے۔ اس کی تردید اس طرح ہوجاتی ہے کہ ہر شخص ایک یا دو یا زیادہ

خواب ایسے ضرور دیکھتا ہے کہ خواب دیکھنے کے بعد جب وہ بیدار ہوتا ہے تو خواب میں کیے ہوئے اعمال کا اثر اس کے اوپر باقی رہتا ہے۔ اس کی ایک بڑی واضح مثال خواب میں کیے ہوئے اعمال کے نتیجے میں غسل کا واجب ہوجانا ہے۔ جس طرح کوئی آدمی بیداری میں جنسی لذت حاصل کرنے کے بعد ناپاک ہوجاتا ہے اور مذہبا اس کے اوپر غسل واجب ہوجاتا ہے اسی طرح خواب میں کیے ہوئے اس عمل کے بعد بھی اس کے اوپر غسل واجب ہوجاتا ہے اور وہ اس وقت تک نماز ادا نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ غسل جنابت سے فارغ نہ ہو۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ خواب میں کوئی ڈراؤنا منظر نظروں کے سامنے آگیا۔ آدمی جب بیدار ہوا تو منظر کی دہشتناکی اس کے اوپر پوری طرح مسلط ہوتی ہے۔ جس طرح کسی دہشتناک واقعہ سے بیداری میں دل کی حرکت تیز ہوجاتی ہے اسی طرح خواب میں دہشتناک چیز دیکھنے سے دل کی حرکت تیز ہوجاتی ہے۔ بیداری میں جس طرح کوئی خوشنما منظر دیکھنے کے بعد آدمی کے اوپر مسرت اور شادمانی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور آدمی بیدار ہونے کے بعد خود کو خوش اور پرمسرت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح خواب میں خوشنما مناظر دیکھنے سے وہ خوش ہوتا ہے۔ یہ بیداری اور خواب کے اعمال و واقعات کا اجمالی خاکہ ہے۔

★

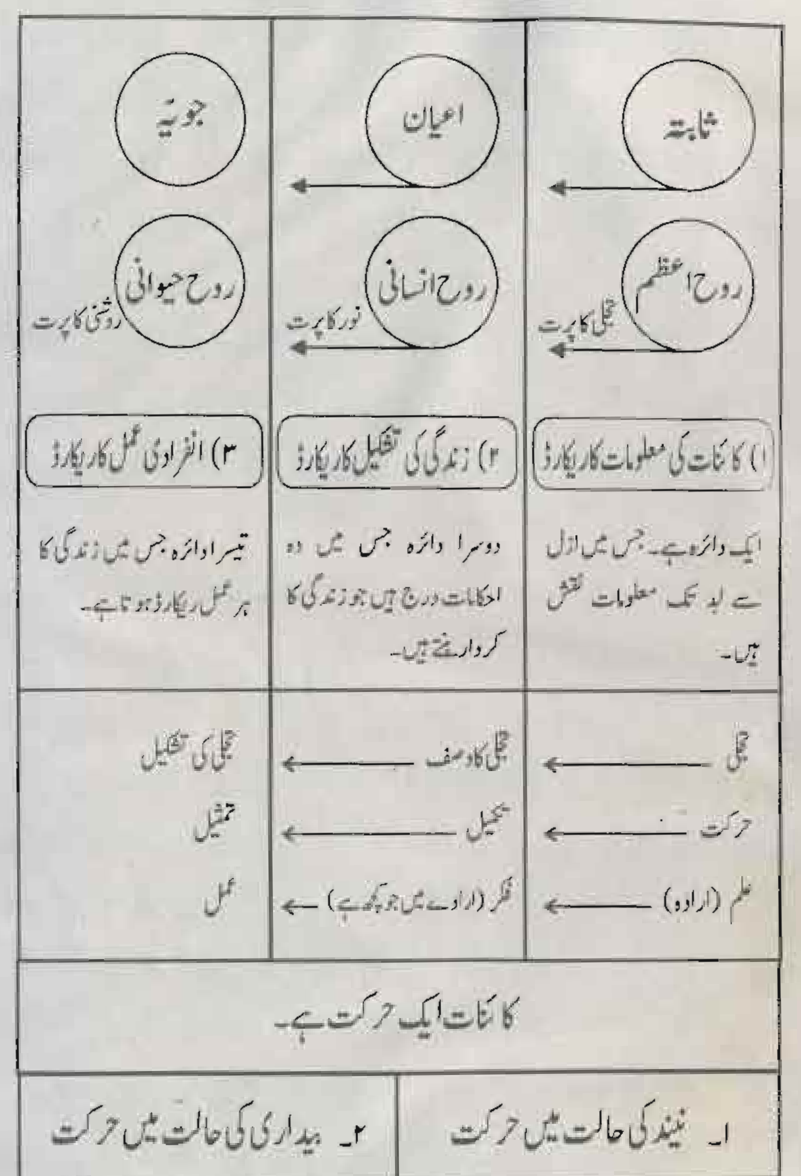
ثابتہ اعیان جویّہ

یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ جس طرح بیداری میں کئے ہوئے اعمال اور بیداری میں سرزد ہونے والی حرکات انسانی زندگی سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ اس ہی طرح خواب میں کئے ہوئے اعمال اور خواب میں سرزد ہونے والی حرکات کا تعلق بھی انسانی زندگی سے ہے۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ نیند کی حالت میں کئے ہوئے اعمال سب کے سب حقیقی نہیں ہوتے اور خواب میں کئے ہوئے تمام اعمال کا تاثر قائم نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری میں کئے ہوئے اعمال و حرکات کا تاثر اسی وقت قائم ہوتا ہے جب آدمی ان اعمال کی طرف متوجہ ہو۔ یعنی ذہنی طور پر کسی عمل یا حرکت کو قبول کر لینے کے بعد اس کا تاثر قائم ہوتا ہے۔

بیداری کے اعمال و واقعات اور خواب کے اعمال و واقعات کو سامنے رکھ کر دونوں کا موازنہ کیا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ اگر ہم بیداری میں کسی چیز کی طرف یا کسی کام کی طرف متوجہ ہیں تو وہ چیز ہمارے لئے خیال میں رہتی ہے۔ لیکن اگر اس چیز کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو بیداری میں کیا ہوا عمل بھی خیال سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

یہ بات روزمرہ کے معاملات میں شامل ہے کہ ہم معاش کے حصول کے لئے گھر سے دفتر جاتے ہیں۔ گھر سے نکلنے کے بعد بس میں بیٹھتے ہیں۔ کنڈیکٹر سے ٹکٹ خریدتے ہیں اور پیسے بھی دیتے ہیں۔ اس سے بات بھی ہوتی ہے اور بس میں

تجلی ۔ نور ۔ روشنی



www.islamiurdubook.blogspot.com

سفر کر کے یعنی مختلف بازاروں سے گزر کر دفتر پہنچ جاتے ہیں۔ دفتر پہنچنے کے بعد اگر کوئی آدمی یہ سوال کرے کہ کنڈیکٹر کی کیا شکل و صورت تھی۔ اور راستے سے گزرتے وقت آپ نے کیا کیا دیکھا تو اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوتی کہ آدمی یہ کہے کہ میں نے توجہ نہیں کی۔ باوجودیکہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ وہ بس میں بیٹھا ہوا یہ دیکھ رہا ہے کہ سڑک کے دونوں طرف دکانیں ہیں راستے میں چوراہے ہیں اور طرح طرح کے بورڈ آویزاں ہیں لیکن چونکہ اس کی ذہنی مرکزیت صرف اور صرف دفتر ہے۔ اس لئے اسے کوئی چیز یاد نہیں رہتی۔ اس کے برعکس ایک آدمی بس میں بیٹھتا ہے اور اپنی توجہ اس بات پر مرکوز رکھتا ہے کہ راستے میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں اور کس قسم کے حالات پیش آرہے ہیں۔ ایسا مسافر دفتر پہنچنے کے بعد کافی وضاحت کے ساتھ یہ بتا دیتا ہے کہ راستے میں فلاں فلاں چیزیں میں نے دیکھی ہیں۔

تفصیل بیان کرنے سے منشاء یہ ہے کہ وہ خواب ہو یا بیداری اگر آدمی حالات و واقعات کی طرف متوجہ ہے تو حافظہ اسے محفوظ کرلیتا ہے ورنہ سب باتیں حذف ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتنی ہی مرتبہ خواب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور کتنی ہی مرتبہ بیداری میں کئے ہوئے اعمال و حرکات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

روحانی نقطۂ نظر سے اور آسمانی صحائف کی روشنی میں انسانی زندگی دو رخوں پر قائم ہے۔ ایک رخ بیداری اور دوسرا رخ خواب انسان آدھی زندگی خواب میں گزارتا ہے اور آدھی زندگی بیداری کی کیفیت میں بسر کرتا ہے۔ بیداری اور خواب کا موازنہ کرنے کے بعد بیداری میں کئے ہوئے اعمال و حرکات کا تجزیہ کرنا بھی ضروری ہے۔ خواب میں جو سفر ہوتا ہے اس میں Time & Space نہیں ہوتا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لئے کسی سواری یا ٹائم گزارنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس کے برعکس بیداری میں ایک جگہ سے دوسری

جگہ منتقل ہونے کے لئے سواری کی ضرورت پیش آتی ہے اور وقت کا صرف ہونا بھی لازم ہے۔ گہرائی میں تفکر کیا جائے تو خواب کی زندگی میں کئے ہوئے اعمال و حرکات بھی اسی طرح سرزد ہوتے ہیں جس طرح بیداری میں سرزد ہوتے ہیں یعنی کسی کام کو کرنے کے لئے پہلے اس کام کو کرنے کا خیال آتا ہے۔ پھر اس خیال میں رنگینی پیدا ہوتی ہے اور یہ رنگینی تصور بن جاتا ہے اور تصور اپنی رعنائیوں کے ساتھ مظہر بن جاتا ہے۔

مثلاً ایک آدمی مضمون لکھنے بیٹھتا ہے۔ جس وقت مضمون لکھنے بیٹھتا ہے اس کے ذہن میں نہ مضمون کے اجزائے ترتیبی ہوتے ہیں اور نہ تفصیل۔ مگر جس وقت وہ لکھنا شروع کرتا ہے تو خودبخود ذہن میں الفاظ بننے لگتے ہیں اور مفہوم لفظوں کی شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ اب تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مضمون کہیں موجود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مضمون جس مفہوم میں موجود تھا اس نے لفظوں کی صورت اختیار کرلی اور تیسری صورت یہ ہے کہ لفظ کاغذ کے اوپر مظہر بن گئے۔

روحانی نقطۂ نظر سے وہ مقام جہاں مضمون مفہوم کے ساتھ موجود تھا تحت الشعور ہے اور جب مفہوم الفاظ کی شکل میں منتقل ہوگیا تو لاشعور ہے اور یہی مفہوم جب عبارت بن کر کاغذ کے اوپر نقش ہوگیا تو شعور ہے۔ روحانی زبان میں تحت الشعور کو ثابتہ لاشعور کو اعیان اور شعور کو جویّہ کہتے ہیں۔

مضمون نگار کی مثال سے ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ مضمون کاغذ پر نقش ہونے سے پہلے کہیں موجود تھا۔ اس طرح موجود تھا کہ ہم اس سے واقف نہیں تھے لیکن جب ہم نے خود کو تیار کرکے اس مفہوم کی طرف توجہ مرکوز کی تو مفہوم واضح ہوگیا۔ واضح ہونے سے مراد یہ ہے کہ مفہوم حافظہ کی سطح پر ابھر آیا اور ہم نے ہاتھ اور قلم کے سہارا لے کر حافظے پر موجود ان نقوش کو کاغذ پر منتقل

www.islamiurdubook.blogspot.com

کردیا۔ حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ انسان کا ذہن پہلے سے مضمون اور مفہوم سے روشناس تھا مضمون اور مفہوم سے روشناسی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کائنات کی ہر چیز سے روشناس ہے۔ بات اتنی سی ہے کہ کچھ چیزوں کو وہ جانتا ہے خواہ وہ دیکھنے کی وجہ سے جانتا ہو یا سننے کی وجہ سے جانتا ہو اور کچھ چیزوں کو وہ نہیں جانتا لیکن وہ تمام چیزیں کہیں نہ کہیں موجود ہیں۔ ذہن انسانی اس بات سے آگاہ ہے کہ سننے کے عمل کے ساتھ یا دیکھنے کے عمل کے ساتھ کچھ چیزوں سے وہ واقف ہوجاتا ہے اور جن چیزوں سے وہ واقف نہیں ہے ان چیزوں سے واقفیت پیدا کرنے کا تجسس اس کے اندر موجود ہے۔ یہی وہ تجسس ہے جو مادی اور روحانی صلاحیتوں کو ہمارے اوپر منکشف کرتا ہے۔ تجسس کی اس روشناسی سے ہم جس حد تک واقف ہوجاتے ہیں اسی مناسبت سے ہمارے اندر صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں اور ہم نئی نئی چیزیں اختراع کرنے پر قدرت حاصل کرلیتے ہیں۔ روحانی طرزوں میں یہ صلاحیتیں اس قدر وسعت اختیار کرلیتی ہیں کہ کائنات ایک آئینہ کی طرح ہمارے سامنے آجاتی ہے اور ہم اس بات سے واقف ہوجاتے ہیں کہ کائنات میں پہلے کیا تھا اب کیا ہے اور آئندہ کیا ہوگا۔ دراصل تجسس ہی ایک ایسی حرکت ہے جس کے ذریعے کوئی انسان علوم میں ترقی کرکے مہارت حاصل کرسکتا ہے۔

رویا کی صلاحیتیں

پچھلے لیکچرز میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کے اندر زندگی سے متعلق خواہ وہ زندگی زمان اور مکان میں پابند زندگی ہو یا ٹائم اینڈ اسپیس سے آزاد زندگی ہو، خیالات کے اوپر قائم ہے اور ہر خیال علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے فلم کی مثال کافی حد تک وضاحت کرتی ہے۔

پروجیکٹر سے لہریں چلتی ہیں جو محسوس بھی ہوتی ہیں اور نظر بھی آتی ہیں لیکن ان لہروں کے بارے میں ہمارے ذہن میں کوئی معنی پیدا نہیں ہوتے۔ سینما

میں بیٹھے ہوئے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ پشت کی جانب سے روشنیوں، لہروں یا شعاعوں کی ایک دھار چلی آرہی ہے اور یہ لہریں یا شعاعیں پردے پر جاکر ٹکرا رہی ہیں۔ جب یہ لہریں یا شعاعیں پردے پر جاکر ٹکراتی ہیں تو وہاں ہمیں مختلف صورتیں، مختلف شکلیں اور مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔ ہم ان لہروں کو خیال سے تشبیہ دے سکتے ہیں اور لہروں کے ٹکرانے کے عمل کو علم سے منسوب کرسکتے ہیں۔ پردے یا اسکرین سے لہروں کے ٹکرانے کے بعد جو صورتیں اور جو رنگ جلوہ گر ہوتے ہیں انہیں معنی و مفہوم کہہ سکتے ہیں۔ اس مثال سے علم میں یہ اضافہ ہوتا ہے کہ خیال جب تک کسی اسکرین پر ٹکرا کر اپنا مظاہرہ نہ کرے اس وقت تک خیال علم و معنی کا جامہ نہیں پہنتا۔

خیال کو مظہر بننے کے لئے تین دائروں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ ان تین دائروں کے نام ثابتہ اعیان اور جویّہ ہے۔ ثابتہ کا اصطلاحی نام روح اعظم، اعیان کا اصطلاحی نام روح انسانی اور جویّہ کا اصطلاحی نام روح حیوانی ہے۔ کوئی علم ان تین دائروں سے گزرے بغیر علم نہیں بنتا۔ جب سالک ان تین دائروں کے اندر داخل ہوجاتا ہے تو اس کے اندر روح کی صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں اور جس جس مناسبت سے یہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اسی مناسبت سے وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ اندر کی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اور جس جس مقام پر سفر کرتی ہے حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اس کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ کشف الجُو ہے۔ کشف الجُو ایسی صلاحیت ہے جب بیدار ہوجاتی ہے تو سالک کو اس بات کا شعور حاصل ہوجاتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی نسبت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت حاصل ہونا نسبت وحدت ہے۔

نسبت کے معنی یہ ہیں کہ سالک کو ایک مخصوص طرز فکر حاصل ہوجائے مثلاً بندہ یہ جان لے، سمجھ لے اور اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوجائے کہ میں

مخلوق ہوں اور میرا خالق اللہ ہے۔ نسبتوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ علمائے باطن نے اٹھارہ نسبتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

نسبت عشق نسبت سکینہ نسبت مطمئنہ وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت ہمارے پیش نظر نسبت وحدت ہے۔

جب انسان کو اس بات کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہوں اور اس ذات کے علاوہ دوسری کوئی ذات خالق نہیں ہے تو اس کے ذہن میں پوری کائنات کا ایک تصور ابھرتا ہے۔ بالفاظ دیگر نسبت وحدت کے تحت خالق کائنات اور تخلیق کا نظام اس کے ذہن پر منعکس ہونے لگتا ہے۔ جب کائنات کا اجتماعی نظام .... ذہن کے اوپر منعکس ہوتا ہے تو تفکر اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ کوئی بساط ہے جہاں پوری مخلوقات موجود ہیں اور تخلیق کائنات کا پورا پروگرام نقش ہے۔ اس کے بعد یہ بات علم میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ یہی وہ یقین ہے جس کی بنا پر انسان چاند ستاروں اور اپنی زمین سے الگ ماحول اور زمین کے اوپر موجود دوسری مخلوقات سے متعارف ہوتا ہے۔

جب ہم آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو ہمیں بے شمار ستارے نظر آتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ستارے نظر آتے ہیں بلکہ ہمارے حواس ستاروں کی روشنی کو ان کی ٹھنڈک کو اور ان کی چمک کو اور اس ماحول کو جس میں ستارے جگمگ کر رہے ہیں محسوس کرلیتے ہیں۔ جب ہم ستاروں کو دیکھتے ہیں تو یہ بات ہمارے لاشعور میں آجاتی ہے کہ ستارے کہیں قائم ہیں اور کسی بساط پر مخصوص نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانی نگاہ اپنے ماحول کے باہر کی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے اور دیکھنے کے ساتھ ساتھ انسان کے اندر کام کرنے والی حس ان چیزوں کے تاثرات کو محسوس کرتی ہے۔

مثلاً جب ہم چاند کو دیکھتے ہیں تو ہمارا دماغ چاند کی ٹھنڈک کو محسوس کرتا ہے، جب ہم سورج کو دیکھتے ہیں تو ہمارا دماغ سورج کی تپش کو محسوس کرتا ہے۔ چاند کی روشنی اور سورج کی روشنی کو دیکھنا آنکھ کا دیکھنا ہے اور چاند و سورج کے تاثرات کو قبول کرنا حس کا پہچاننا ہے۔

چاند سورج کیا ہیں؟ اس بارے میں ہمیں صرف اتنا علم ہے کہ یہ چاند ہے۔ یہ سورج ہے ایسی کوئی یقینی بات ہمارے علم میں نہیں ہے کہ سورج کو روشنی کہاں سے ملتی ہے اور چاند کی روشنی کا منبع اور مخزن کیا ہے؟ اس بات کو آسان الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ انسان کی نگاہ تمام اجرام سماوی کو دیکھتی ہے اور زمین کے اوپر مختلف نوعوں اور مختلف مخلوقات کو بھی دیکھتی ہے۔ انسانی آنکھ جو نگاہ کا تصور دے رہی ہے کائنات کو دیکھتی ہے۔

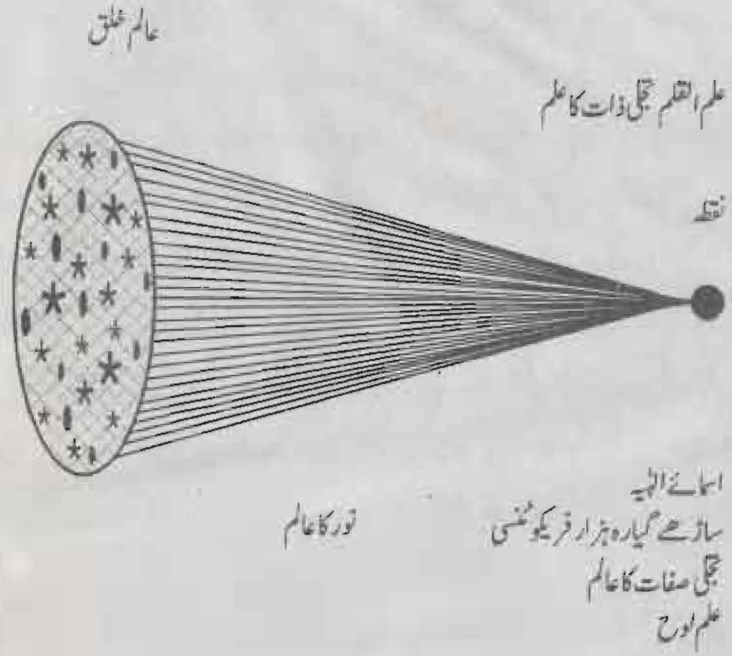
کائنات کا دیکھنا دو طرزوں میں ہے۔ ایک کائنات کو صرف دیکھنا۔ دوسری طرز یہ ہے کائنات کی ماہیت سے واقف ہونا۔ یہ معلوم کرنا کہ کائنات کن فارمولوں سے مرکب ہے اور کائنات کو دیکھنا یا مظاہر کو دیکھنا شعوری دائرہ کار میں آتا ہے۔

کائنات کے باطن کو دیکھنا یعنی کائنات کن فارمولوں پر قائم ہے لاشعور میں دیکھنا ہے۔ انسان کا لاشعور اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ کائنات کے ہر ذرہ کی شکل و صورت، حرکات اور باطنی حسیات کیا ہیں؟ یہ علم شعور میں اس لئے نہیں آتا کہ انسانی شعور کو اپنے لاشعور کا مطالعہ کرنا نہیں آتا۔ اگر ہمارے اندر لاشعور کو مطالعہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر کائنات کے ہر ذرہ کی شکل و صورت، حرکات اور باطنی حسیات کا مطالعہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ کائنات کی باطنی حسیات کو مطالعہ کرنے کی صلاحیتوں میں پہلی صلاحیت کا نام "کشف الجو" ہے۔

مضمون نگار کی مثال دی جا چکی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مضمون نگار

www.islamiurdubook.blogspot.com

ذات' صفات' کائنات



علم + امر = کائنات

کُن . = مظاہرہ

جب مضمون لکھنے بیٹھتا ہے تو مضمون کا مفہوم پہلے مضمون نگار کے لاشعور میں موجود تھا وہاں سے منتقل ہو کر ذہن تک پہنچا اور جب شعور لاشعور میں موجود مضمون کی طرف متوجہ ہوا تو مضمون الفاظ کی شکل اختیار کر کے کاغذ پر منتقل ہو گیا۔

روحانی نقطۂ نگاہ سے مضمون کا موجود ہونا زمان اور مکان میں قید نہیں ہے۔

لاشعور میں مضمون پہلے سے موجود تھا خواہ وہ ہزاروں سال پہلے لکھا جا چکا ہو یا ہزاروں سال بعد لکھا جانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے "کُن" کہا تو ازل سے ابد تک جو کچھ جس جس ترتیب کے ساتھ وقوع میں آنا تھا وقوع میں آ گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات سے متعلق جو پروگرام تھا اس پروگرام سے متعلق جو فارمولے تھے اجزائے ترکیبی تھے ان اجزائے ترکیبی میں ماضی حال مستقبل جس طرح موجود تھے "کُن" کہتے ہی وجود میں آ گئے۔ "کُن" کہنے کے بعد کسی زمانے میں بھی لاکھوں سال پہلے یا لاکھوں سال بعد جو چیز بھی مظاہرے میں آئے گی وہ اس کُن کا مظہر ہو گی۔ جو کُن کے بعد وجود میں آ چکا ہے۔ یعنی کائنات میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہو سکتی جو پہلے سے اپنا وجود نہ رکھتی ہو۔

نسبت وحدت کے تحت ایک طرز فکر کا بیان ہوا کہ جس کسی بندے کے یقین میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ہم مخلوق ہیں اور ہمارا بنانے والا اللہ ہے' ایسا اللہ جو یکتا ہے اور اس کا کوئی ہم عصر نہیں ہے تو یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ آئندہ ہو گا وہ سب کُن کے بعد کا مظاہرہ ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

جف القلم بما ھو اکائن

قلم لکھ کر خشک ہو گیا۔

نسبت وحدت جب گہری ہو جاتی ہے تو دوسری بات ہمارے اوپر منکشف یہ ہوتی ہے کہ کسی بات کو صحیح سمجھنے کے لئے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے

انسان کا غیر جانب دار ہونا ضروری ہے۔ اگر غیر جانب دار (Neutral) ذہن نہیں ہوگا تو معنی پہنانے میں مصلحتیں شامل ہوجائیں گی۔

ہر شخص کو دو طرز فکر حاصل ہیں یا ایک ہی طرز فکر کے دو زاویے حاصل ہیں۔ ایک زاویہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات سے الگ ہوکر سوچتا ہے اور دوسرا زاویہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کو سامنے رکھ کر غور و فکر کرتا ہے۔ جو بندہ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر تجسّس کرتا ہے یا کسی مسئلہ کو گہرائی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے اوپر حقائق منکشف نہیں ہوتے اور جو بندہ اپنی ذات سے ماوراء ہوکر یعنی غیر جانبدار ہوکر کسی مسئلہ کی حقیقت کو تلاش کرتا ہے تو اس کے اوپر حقائق منکشف ہوجاتے ہیں۔ نسبت وحدت کے تحت دنیا میں موجود ہر فرد کو یہ صلاحیت ودیعت کی گئی ہے تاکہ کوئی فرد کوئی گروہ کوئی طبقہ کوئی قوم اور کسی بھی مذہب وملت کا آدمی معاملات کی تفہیم اور صحیح فیصلوں سے استفادہ کرسکے۔

لیکچر ۳

لوح محفوظ

کائنات ایک ایسا پروگرام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھا اور موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عمل درآمد کرنا چاہا اللہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ میرے ذہن کے مطابق کائنات میں بے شمار مخلوقات وجود میں آکر اپنا مظاہرہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے "کُن" فرما دیا۔ کُن فرمانے کے بعد اس کُن کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جو کچھ اور جس طرح موجود تھا وہ شکل وصورت کے ساتھ ایک اسکرین پر نقش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود پروگرام یا اس پروگرام کے کردار "کُن" کہنے کے بعد جس بساط پر نقش ہوئے اس کو مذہب لوح محفوظ کہتا ہے۔

قانون : آدمی دنیا میں جتنا ہوش سنبھالتا جاتا ہے اور ماحول میں موجود چیزوں کے اندر اس کا انہماک ہوتا ہے اسی مناسبت سے ان چیزوں کی ماہیت اور حقیقت کا انکشاف ہونے لگتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسانی تصور میں کائنات کا یکجائی پروگرام موجود ہے۔ لیکن وہ اس یکجائی پروگرام کو اس لئے نہیں دیکھ سکتا کہ اسے اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ ماحول کے ہجوم سے خود کو خالی الذہن کرسکے۔

قانون یہ بنا کہ انسان جس حد تک شعوری اعتبار سے یکسو ہوکر کسی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی مناسبت سے اس کے اوپر حقائق منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ شعور کا جب نام لیا جاتا ہے تو لاشعور بھی زیر بحث آجاتا ہے۔ ہم جن معنوں میں شعور سے واقف ہیں وہ یہ ہے کہ جو چیز ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور جس چیز کو ہم

ٹھوس دیکھ رہے ہیں وہ چیز ہمارے ذہن کے لئے موجود ہے اور جو چیز ہم نہیں دیکھ سکتے ہیں وہ چیز ہمارے لئے موجود نہیں ہے۔ حالانکہ غیر موجود شے کا احساس ہمارے اندر موجود ہے۔ کسی چیز کا احساس ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ کہیں نہ کہیں وہ چیز موجود ہے۔ اس کیفیت یا اس احساس کا نام لاشعور ہے۔ لاشعور کی دنیا میں داخل ہونے کے لئے شعوری دنیا کی گرفت سے آزاد ہونا ضروری ہے۔ اس بات کو بطور (Summary) اس طرح کہیں گے کہ ایک واحد اور یکتا ذات ہے اس کے ذہن میں مکمل پروگرام ہے۔ ایسا مکمل پروگرام جس میں زندگی کے تمام تقاضوں سے متعلق کردار موجود ہیں۔ مثلاً بھوک پیاس شکل و صورت آنکھ ناک دوستی محبت نفرت حقارت ظلم عفوودرگزر۔ اس ذات نے اس سارے پروگرام کو ایک ڈرامے کی صورت میں کاغذ پر لکھ دیا یا اس ڈرامے کے اندر پورے کردار کی فلم بنا دی۔ یہ فلم کیسے چل رہی ہے۔ یہ بات آئندہ بتائی جائے گی۔ ابھی صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کائنات کا یکجائی پروگرام ایک فلم کی شکل میں محفوظ ہے اور ہم میں سے ہر فرد خواہ وہ انسان ہو بکری ہو بھیڑ ہو کوئی بھی ہو اس فلم کا کردار ہے۔ ہم اپنے آپ کو بحیثیت کردار کے جانتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ کردار کن روشنیوں کے اوپر یا کن قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق متحرک ہے۔ جاننے سے مراد تصوف میں یہ لی جاتی ہے کہ آدمی ذہنی طور پر محسوس کرتا ہو آنکھوں سے دیکھتا ہو۔ یہ دیکھنے کے لئے ہم بحیثیت کردار کے کہاں واقع ہوئے ہیں ہمیں غیر جانب دار طرز فکر اختیار کرنا ہوگی۔ غیر جانبدار طرز فکر کے لئے شعور کی گرفت سے نکل کر لاشعور کے دائرے میں داخل ہونا ہوگا۔ لاشعور میں داخل ہونے کے لئے غیر جانبدار طرز فکر اس وقت مستحکم ہوتی ہے جب آدمی کے اندر استغناء ہو۔

استغناء یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے تمام تقاضوں تمام خواہشات اور تمام ضروریات کا کفیل اس ذات کو سمجھے جس ذات نے کائنات بنائی ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے استغناء حاصل کرنے کے لئے سورۃ اخلاص میں فرمایا ہے:

"قل ھواللہ احد" اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے اللہ ایک ہے۔ "اللہ الصمد" اللہ ہر قسم کی احتیاج سے بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی خاندان ہے۔

خالق اور تخلیق کا جب موازنہ کیا جاتا ہے تو پانچ باتیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ہم جب خالق اور مخلوق کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے مخلوق اور خالق کی تعریفی حدیں کچھ اس طرح قائم ہوتی ہیں کہ اللہ ایک ہے واحد ہے یکتا ہے بے مثل ہے۔ لیکن مخلوق ایک نہیں ہے کثرت ہے۔ مخلوق کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی اولاد ہوتی ہے یا کسی کی باپ ہوتی ہے۔ مخلوق کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہوتا ہے۔ مخلوق احتیاج اور ضرورت کے دائرے میں قید ہے۔ کوئی مخلوق احتیاج اور ضرورت سے باہر قدم نہیں نکال سکتی۔ اس کی زندگی کا ہر ہر قدم ہر ہر جذبہ ایک احتیاج اور ضرورت ہے۔ ان پانچ باتوں میں مخلوق خالق سے براہ راست رابطہ اگر رکھ سکتی ہے تو صرف یہ ہے کہ اپنی تمام ضروریات کا کفیل اللہ کو سمجھے۔ جب ہم شعوری زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم جان لیتے ہیں کہ زندگی میں ہمارا ذہن الجھا ہوا ہے اور زندگی سے متعلق ہر چھوٹی بڑی خواہش یا ضرورت کے لئے ہم اس طرح پابند ہیں اور بندھے ہوئے ہیں کہ ہمیں اس سے چھٹکارہ نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم خالی الذہن نہیں ہوتے۔ کبھی ہمارا ذہن اس بات میں لگا رہتا ہے کہ ہمیں معاش حاصل کرنی ہے۔ کبھی ہمارا ذہن مصروف رہتا ہے کہ ہمیں مکان بنانا ہے، شادی کرنی ہے وغیرہ۔ جب سالک شعور کے دائرے سے نکل کر تفکر کرتا ہے تو یہ بات اس کا یقین بن جاتی ہے کہ فی الواقع ہمارا کفیل اللہ ہے۔ اس کی مثالیں ایک نہیں ہزاروں ہیں۔ نو مہینے ماں کے پیٹ کی زندگی، پیدائش کے بعد بچپن اور لڑکپن کی زندگی، اس زندگی کو گزارنے کے لئے کوئی بھی

www.islamiurdubook.blogspot.com

مخلوق یا فرد اپنا ذہن اپنا اختیار اپنی عقل استعمال نہیں کرتا۔ انسان کے بعد جب ہم اربوں کھربوں دانہ چگنے والے پرندوں کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو وہاں یہ بات سورج کی طرح نظر آتی ہے کہ کفالت کا انتظام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کسان جب کھیتی کاٹتا ہے تو جھاڑو سے ایک ایک دانہ جمع کرلیتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ جو دانہ کرم خوردہ ہے وہ بھی محفوظ کرکے اپنی گائے بیل اور کھیتی کے کام آنے والے جانوروں کو کھلا دیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان نے ایک ایک دانہ زمین پر سے سمیٹ لیا تو یہ اربوں کھربوں پرندے کہاں سے دانہ چگتے ہیں؟

اللہ کے ساتھ بحیثیت خالق ربط قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر یہ طرز فکر راسخ ہوجائے کہ جس طرح اللہ ہمیں پیدا کرتا ہے اسی طرح اللہ ہماری زندگی کی کفالت بھی کرتا ہے۔ جب بندے کے اندر یہ یقین پیدا ہوجاتا ہے کہ کوئی ذات ہمیں سنبھالے ہوئے ہے اور ہماری ضروریات پوری کرتی ہے تو شعور سے ہٹ کر اس ذات کی طرف قدم اٹھنے لگتا ہے۔

جب کوئی بندہ یہ بات سوچ لیتا ہے کہ میری اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں کسی کے ہاتھ میں کھلونا ہوں تو اس کا ذہن یکسو ہوجاتا ہے۔ روحانیت میں جتنے اسباق پڑھائے جاتے ہیں یا جتنی بھی مشقیں کرائی جاتی ہیں یا جتنی بھی ریاضتیں کرائی جاتی ہیں ان سب کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان غیر جانبدار ہوکر اپنی نفی کردے اور اپنی نفی کرکے خالی الذہن ہوجائے۔ جیسے جیسے آدمی کے اندر فنا کا پروگرام متحرک ہوتا رہتا ہے اسی مناسبت سے اس کے اوپر لاشعوری زندگی کے خدوخال ظاہر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ غیب کے نقوش معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ لاشعوری زندگی میں داخل ہونے کے لئے خالی الذہن ہونے کا مراقبہ کرنا ضروری ہے۔

مراقبہ کی قسمیں بہت ہیں۔ براہ راست مراقبہ یہ ہے کہ آدمی آنکھیں بند کر

کے یہ تصور کرے کہ میں روشنی کا ایک نقطہ ہوں۔ یہ مراقبہ آدھی رات گزرنے کے بعد یا صبح صادق کے وقت شمال رخ منہ کرکے آرام وہ نشست میں بیٹھ کر اس طرح کیا جاتا ہے کہ سالک اپنے دل کا تصور کرے اور دیکھے کہ دل کے اندر چھوٹا سا سیاہ رنگ نقطہ گردش کر رہا ہے۔ مراقبہ کی کامیابی اس بات کا مظہر بن جاتی ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے تمام آثار فنا ہوتے دیکھتا ہے اور خود کو صرف روشنی کا ایک نقطہ دیکھتا ہے یہ نقطہ جب پوری طرح واضح ہوجاتا ہے تو نقطہ کی سیاہی چمک دمک میں منتقل ہوجاتی ہے۔ پھر اس نقطہ میں پھیلاؤ پیدا ہوتا ہے اور یہ پھیلاؤ اسکرین بن جاتی ہے۔ ایسی اسکرین جس کے اوپر کائنات کا پورا پروگرام نشر ہو رہا ہے یہ وہی اسکرین ہے جس کو قرآن پاک نے لوح محفوظ کہا ہے۔

عالم جُو

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بنانے کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی ایسی صورتیں ہوں جو اللہ تعالیٰ کو پہچانیں یعنی خالق کائنات نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں جیسے ہی یہ تقاضا پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن نے حرکت کی اور کائنات وجود میں آگئی۔ پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ خالق کے علاوہ بھی کوئی ہو اور مخلوق کے اندر پہچاننے کی قدریں بھی موجود ہوں۔ پہچاننے کی قدروں کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق پہچاننے جاننے سمجھنے سننے دیکھنے اور محسوس کرنے کا ادراک رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ چونکہ مجموعہ اوصاف ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ارادے نے حرکت کی تو جس ترتیب جن قاعدوں اور جن ضابطوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات کی تشکیل کا پروگرام تھا وجود میں آگیا۔

کائنات کی تشکیل کے پروگرام کا پہلا مظاہرہ لوح محفوظ پر ہوا۔ تصوف میں لوح محفوظ کو لوح اول کہا جاتا ہے۔

کائنات کی تخلیق کا پہلا مرحلہ لوح محفوظ ہے۔ کائنات میں جو بھی حرکت

www.islamiurdubook.blogspot.com

اللہ کا ارادہ

لامتناہی نور

امرِ الٰہی

۳ جزو

ارادہ — شئے — ظہورِ شئے

واقع ہونے والی ہے یا کائنات میں جس قسم کا تغیر و تبدل ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے اس کے تمام نقوش لوح اول پر محفوظ ہیں۔ یہ ایک اجتماعی پروگرام ہے یعنی کائنات کا ہر فرد اجتماعی حیثیت میں تصویری خدوخال کے ساتھ موجود ہے۔

مثال : ایک فلم ہے جس میں ایک ساتھ مختلف النوع شکلیں اور صورتیں ہیں لیکن ابھی فلم کے اندر ہی ہیں۔ وہ تصویریں حرکت میں نہیں آئیں۔ فلم کو اگر ہم اسکرین مان لیں تو فلم کا مظاہرہ جس جگہ ہوگا یعنی متحرک تصویریں ہمیں نظر آئیں گی اس کا نام بھی ہم (Screen) اسکرین ہی رکھ سکتے ہیں۔ اب ہم یوں کہیں گے کہ دو اسکرینیں ہیں یا دو پردے ہیں۔ ایک پردے پر تصویریں بنی ہوئی ہیں لیکن متحرک نہیں ہیں اور دوسرے پردے پر تصویریں متحرک ہیں۔ یہ تصویریں بولتی ہیں ناچتی ہیں ہنستی کھیلتی ہیں جس اسکرین پر تصویریں موجود ہیں مگر متحرک نہیں ہیں' لوح اول ہے اور جس اسکرین پر تصویریں متحرک ہیں وہ "عالم جُو" ہے۔ یعنی تمثال کا دوسرا عالم بھی ایک فلم کی صورت میں متحرک ہے۔ لیکن حرکت کا تعلق اجتماعی ہے۔ حرکت میں ارادہ بھی شامل ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو با اختیار قرار دیا ہے اس لئے لوح محفوظ کا جو نقش عالم جُو یا لوح دوئم پر نازل ہوتا ہے اس کے اندر انفرادی نوعی اختیارات شامل ہو کر دوبارہ لوح محفوظ پر منتقل ہوتے ہیں۔ اس تعریف کی روشنی میں لوح محفوظ پہلا عالم تمثال ہے اور لوح دوئم دوسرا عالم تمثال ہے جس میں انسانی ارادے بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف میں پانچ بنیادی باتوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان باتوں سے خالق اور مخلوق کے رشتے کی وضاحت فرمائی ہے جس پر غور و فکر کر کے مخلوق خالق کے ساتھ اپنا تعلق تلاش کر سکتی ہے۔ عالم تمثال اول یعنی لوح محفوظ بھی اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھی اور موجود ہے' لوح دوئم (دوسرا عالم تمثال) لوح

اول کا عکس ہے۔ اس لئے اس کا تعلق بھی براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

سوال یہ ہے کہ لوح دوئم یا لوح اول تک رسائی کا ذریعہ کیا ہے؟

لوح دوئم یا لوح اول تک رسائی حاصل کرنے کے بعد براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔ اس رشتہ کو قائم کرنے کا واحد ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے اور بندے کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں پانچ ایجنسیوں (Agencies) کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلی صفت وحدت ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرح کثرت نہیں ہے۔ دوسری صفت بے نیازی ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرح کسی کا محتاج نہیں ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا باپ نہیں ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا بیٹا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پانچویں تعریف یہ ہے کہ اس کا کوئی خاندان نہیں۔ یہ بات ہر ذی فہم آدمی سمجھ سکتا ہے۔ کہ خالق اور مخلوق کی تعریفی حدیں ایک دوسرے کے برعکس ہوں گی۔ یعنی جو تعریف اللہ کی ہوگی۔ وہ مخلوق کی نہیں ہوگی۔ اور جو تعریف مخلوق کی ہو گی وہ تعریف اللہ کی نہیں ہوگی۔ اب ان پانچ ایجنسیوں پر غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ایسی ہے جس صفت سے بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ اور تعلق قائم کرسکتا ہے اور وہ رشتہ "بے نیازی" ہے۔ جب کوئی بندہ مخلوق سے اپنی احتیاج منقطع کرلیتا ہے تو لاشعوری طور پر اس کی آنکھ اس بات کا مشاہدہ کرلیتی ہے کہ تمام ضروریات کا واحد کفیل اللہ ہے۔ خالق وحدت ہے۔ لیکن مخلوق وحدت نہیں ہوسکتی۔ مخلوق کا کثرت میں ہونا ضروری ہے۔ خالق مخلوق سے بے نیاز ہے اور مخلوق خالق کی محتاج ہے۔ خالق باپ نہیں رکھتا تو مخلوق باپ رکھتی ہے۔ خالق کا کوئی بیٹا نہیں مخلوق کا بیٹا ہوتا

ہے۔ خالق کا کوئی خاندان نہیں۔ مخلوق کا خاندان ہوتا ہے۔

ان پانچ صفات میں سے چار صفات میں مخلوق خالق کے ساتھ رابطہ قائم نہیں کرسکتی۔ صرف ایک صفت ایسی ہے جس میں مخلوق اپنی تمام احتیاج کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرکے اپنا رشتہ مستحکم کرسکتی ہے۔ اس طرز فکر کو استغناء کہا جاتا ہے۔ یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ذہن نے حرکت کی تو صفات الٰہیہ کائنات کی شکل و صورت میں موجود ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے اجزاء یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی مختلف النوع صورتیں بن گئیں۔ یہ صورتیں وہ صورتیں ہیں جو مخلوق کی شکل و صورت میں روح کی حیثیت سے لوح محفوظ پر موجود ہیں۔ انہی روحوں کو یا موجودات کو قرآن نے "امر ربی" کہا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کائنات کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے حکم کی ایک تصویر ہے۔ یہی حکم زندگی موت اور نزول و صعود میں ہر جگہ متحرک ہے۔

مغیبات اکوان

اللہ تعالیٰ جب اپنی صفات بیان کرتے ہیں۔ ان صفات میں وحدت اور کثرت کا تذکرہ شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ مخلوق کثرت ہے۔ مخلوق کے اندر احتیاج ہے۔ مخلوق کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی اولاد ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مخلوق باپ کی حیثیت میں اپنا تشخص برقرار رکھے یا ماں کی حیثیت میں اس کا تشخص موجود ہو مخلوق خاندان کے بغیر نہیں ہوتی جب کہ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے بے نیاز ہے۔ چونکہ مخلوق کثرت ہے اس لئے ضروری ہوگیا کہ مخلوق کے اندر انفرادی شعور کے ساتھ ساتھ کثرت اور اجتماعی شعور بھی ہو اور اجتماعی شعور میں درجہ بندی ہو اور اجتماعی حیثیت نوعی اعتبار سے ہو اور یہ حیثیت رشتوں کے اوپر قائم رہے۔ جیسے باپ کا رشتہ' ماں کا رشتہ اور خاندان سے تعلقات وغیرہ۔ ان رشتوں کو قائم رکھنے اور رشتوں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کائنات میں جو سلسلہ قائم ہے وہ سب "جُو" کے اندر عمل پذیر ہے۔ "جُو" کی مختصر تعریف یہ ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کی صفات پر قائم ہے۔

جُو کی دوسری تعریف یہ ہے۔

کائنات ازخود وجود میں نہیں آئی' کسی ہستی نے اس کو تخلیق کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ تخلیق کا خالق کے ساتھ ربط ہو۔ یہ ربط ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارا [پی]دا کرنے والا اللہ ہے۔ پیدا ہونے کے بعد وسائل فراہم کرنے والا اللہ ہے۔ [کائ]نات بشمول انسان ہر ہر قدم پر خالق کی محتاج ہے۔ تیسرے نمبر پر ہم کائناتی

حدود سے گزر کر نوعی حدود میں داخل ہونے کے بعد انفرادی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ یعنی ہر بندے کو اپنا انفرادی شعور حاصل ہے۔ وہ شعوری طور پر یہ بات جان لیتا ہے کہ میں ہوں۔ "جو" کے اوپر کے دونوں سلسلوں میں کائناتی اعتبار سے اور نوعی اعتبار سے جاننا لاشعوری تحریکات کے تابع ہے۔

"جو" کے چوتھے سلسلے میں انفرادی طور پر کوئی فرد اپنی شکل و صورت .... احساسات اور حسیات سے واقف ہوجاتا ہے۔ پھر وہ ایک سیڑھی اور اترتا ہے یہ "جو" کا پانچواں مرحلہ ہے۔ یہی وہ ادراک ہے جس کی شرح میں یہ بات مخفی ہے کہ افراد کائنات کا تعلق افراد کائنات کا ربط یا افراد کائنات کی موجودگی ایسی ہستی کے ساتھ قائم ہے جو رگ جاں سے زیادہ قریب ہے اور جب کوئی بندہ نوعی اعتبار سے اجتماعی ذہن کے ساتھ اس بات کا ادراک کرلیتا ہے کہ میری موجودگی ایک ایسی ہستی کے تابع ہے جو جان سے زیادہ قریب ہے تو اسے ادراک ہوجاتا ہے کہ میرا وجود کائنات میں کہیں موجود ہے۔ ایسا بندہ ایک فرد کی حرکت کو دوسرے فرد کی حرکت کے ساتھ ایک ذرے کی حرکت کو دوسرے ذرے کی حرکت کے ساتھ دیکھ لیتا ہے۔ اس کی مثال زنجیر ہے۔ ایک زنجیر ہے' زنجیر میں بے شمار کڑیاں ہیں ہم ہر کڑی کا نام الگ الگ رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک کڑی کا نام نوع انسانی دوسری کڑی کا نام جنات تیسری کڑی کا نام فرشتے' آسمانی کرہ یا کوئی اور کرہ ہے۔ جب کوئی بندہ زنجیر کو بھرپور نظر سے دیکھے گا تو اس کی اجتماعی نظر ان تمام مخلوقات کو احاطہ کرلے گی۔ یعنی وہ زنجیر کی کڑی میں نوع انسانی کو دیکھے گا جنات کو دیکھے گا اور فرشتے بھی اس کے سامنے آجائیں گے نہ صرف یہ کہ جنات اور فرشتے اس کے سامنے آجائیں گے بلکہ آسمانوں کے اندر ستارے سیارے کہکشانی نظام اور دیگر نظام سب کے سب اس کے سامنے آجاتے ہیں۔

لوح محفوظ ایک ایسی اسکرین ہے یا ایسی فلم ہے جس میں کائنات کا اجتماعی

www.islamiurdubook.blogspot.com

پروگرام پورا کا پورا ہر حرکت کے ساتھ محفوظ ہے۔ "جو" کا تصور رکھنے والا بندہ لوح محفوظ کے نقوش کو دیکھ سکتا ہے سمجھ سکتا ہے محسوس کر سکتا ہے لوح محفوظ چونکہ ماضی حال مستقبل کا ریکارڈ ہے اس لئے لوح محفوظ کو دیکھنے والا بندہ ہزاروں سال پہلے کی چیز ہو یا ہزاروں سال بعد آنے والے واقعات ہوں ان کو دیکھ سکتا ہے۔ ہم نے لوح محفوظ کو مثال کے طور پر فلم کہا ہے۔ اگر کوئی ایسا کیمرہ ایجاد ہوجائے کہ پوری دنیا کی یکجائی فلم اپنے اندر محفوظ کرلے تو جب اس فلم کو دیکھا جائے گا تو اس کے اندر دنیا کی تمام چیزیں موجود ہوں گی اور اگر اسے پردے پر ڈسپلے کیا جائے گا تو وہ تمام چیزیں اپنی شکل و صورت اور اپنے رنگ و روپ کے ساتھ چلتی پھرتی اور متحرک نظر آئیں گی۔

سمجھنے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کائنات اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ایک فلم ہے۔ اس پروگرام کو جب ڈسپلے (Display) کیا جاتا ہے تو مختلف حواس وجود میں آتے ہیں۔ اجتماعی حواس میں یا کائناتی حواس میں آدمی کائنات کو ایک جگہ دیکھتا ہے۔ یعنی بندر بلی گائے بھینس درخت پتے دریا پہاڑ جنات فرشتے وغیرہ سب ایک فلم میں محفوظ ہیں۔ پھر یہ ادراک اجتماعی حیثیت اختیار کرلیتا ہے اجتماعی حیثیت میں آدمی کے اندر نوعی شعور پیدا ہوجاتا ہے یعنی وہ یہ جان لیتا ہے کہ میں نوع انسان ہوں اور دوسری تخلیق فلاں فلاں نوع ہے۔ اس کے بعد حواس مزید تنزل کرتے ہیں تو بندے کے اندر تنظیمی شعور پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی تنظیمی شعور میں وہ انفرادی شعور و ادراک کے ساتھ اپنی نوع کا ادراک کرتا ہے اور اسے اپنی پیدائش اور اپنے حواس کا علم حاصل ہوجاتا ہے اور جب سالک نوعی اور انفرادی شعور سے واقف ہوجاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ تمام نوعیں باہم دیگر ملی ہوئی ہیں۔ ایسی صورت میں اسے یہ نظر آتا ہے کہ ایک گائے ہے' گائے کے اندر بکری ہے' بکری کے اندر کبوتر ہے' کبوتر کے اندر آدمی ہے' آدمی کے اندر چیونٹی ہے یعنی

کائنات کا پروگرام گڈمڈ نظر آتا ہے اور جب شعور اس قابل ہوجاتا ہے کہ نقوش کو سمجھ سکے تو یہ گڈمڈ پروگرام الگ الگ نظر آتا ہے۔ اور نوعیں الگ الگ نظر آتی ہیں۔ مثلاً لوح محفوظ پر نظر آتا ہے کہ ایک کبوتر ہے' کبوتر ایک ہے اس کبوتر کی نسل کے اربوں کھربوں سائے (Shades) یا عکس ایک کبوتر میں نظر آتے ہیں۔ یہی حال نوع جنات کا ہے یہی حال نوع فرشتہ کا ہے یہی حال نوع انسانی کا ہے یہی حال تمام جمادات نباتات حیوانات ستاروں سیاروں کا ہے۔ جب نظر اور ٹھہرتی ہے تو نوعی گڈمڈ پروگرام پھیلتا ہے یا یوں کہئے تصور کے اندر اتنی سکت پیدا ہوجاتی ہے کہ شعور اس کی تشریح کرتا ہے۔ اس تشریح میں ہر نوع کا الگ الگ انفرادی پروگرام نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ نظر کے اندر مزید گہرائی پیدا ہوتی ہے تو یہ نوعی پروگرام انفرادی پروگرام میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ اس تقسیم میں ہر آدمی خود کو الگ الگ محسوس کرتا ہے یا کسی نوع کا ہر فرد خود کو انفرادی حیثیت میں محسوس کرتا ہے۔ انفرادی حیثیت میں محسوس کرنے کے بعد شعور کے اندر اتنی سکت اور طاقت آجاتی ہے کہ آدمی اپنی پیدائش کے مرحلے سے واقف ہوجاتا ہے۔ پیدائش کے مرحلے سے واقفیت کا مطلب یہ ہے کہ نوع انسانی کے افراد کی پیدائش کن عوامل پر ہو رہی ہے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس کے بعد ہر فرد اپنی شکل و صورت اور حواس سے وقوف حاصل کرتا ہے۔ پورے کائناتی نظام کو احاطہ کرنے کی صلاحیت کو تصوف میں "مغیبات اکوان" کہتے ہیں۔ مغیبات اکوان کے حامل بندے کے اندر اتنی وسعت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ہزاروں سال پہلے کے گزرے ہوئے حالات و واقعات اور ہزاروں سال بعد آنے والے حالات و واقعات کو دیکھ لیتا ہے اور اس کی تفصیلات سے باخبر ہوجاتا ہے۔

کثرت کا اجمال

کائنات میں موجود تمام اشیاء خواہ وہ جز و لا تجزاء کی حیثیت رکھتی ہوں .... ان کی حیثیت روحانی ہو یا وہ خارجی حالات میں شکل و صورت میں ظاہر ہوں۔ سب اللہ تعالیٰ کے ارادے کا عکس ہے۔ یعنی ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے ارادے کی شکل و صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات اور کائنات کے اندر موجودات کی تصویر اور ان تصویروں کی ضروریات جس طرح موجود تھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ تخلیق ہو گئیں۔

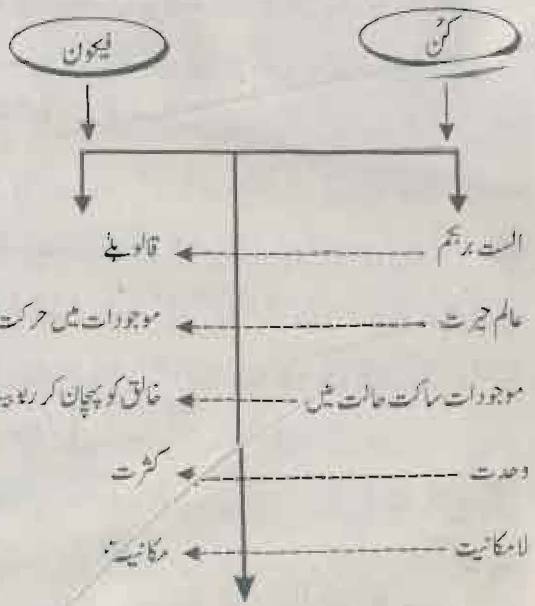
تخلیق کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ ظاہری شکل و صورت اور ایک رخ وہ جس نے اس ظاہری شکل و صورت کو ترتیب دیا ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اس طرح فرماتے ہیں .... ہم نے ماں کے پیٹ میں ایک تصویر بنائی جس تصویر کا بظاہر پہلے سے وجود نہ تھا اور نہ ہی اس تصویر کے بارے میں مخلوق کو کوئی علم تھا، رحم مادر میں جب یہ تصویر کشی کی گئی تو ایسی حرکت واقع ہوئی کہ جس حرکت کو ہم ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس حرکت میں دراصل اللہ تعالیٰ کی وہ صفت کام کر رہی ہے جو "امر ربی" کے بعد شکل و صورت بن گئی۔ سب جانتے ہیں کہ گوشت پوست کا لوتھڑا جب شکل و صورت اختیار کر لیتا ہے اور اس کے اندر آنکھ ناک کان دماغ بن جاتا ہے تو وہ سنتا بھی ہے بولتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے اور محسوس بھی کرتا ہے۔ ان تمام محسوسات کے ساتھ وہ پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد ایک ضابطہ ایک قانون کے ساتھ اس کی نشوونما ہوتی رہتی ہے اور

اللہ جلّ جلالہٗ

۱) میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو پیدا کیا۔ تاکہ میں پہچانا جاؤں۔ (حدیث شریف)

۲) خدا کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

۳) بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔ (القرآن)



www.islamiurdubook.blogspot.com

یہ نشوونما اسے اس مقام پر پہنچا دیتی ہے جہاں فرد کو باشعور اور باعقل کہا جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ باشعور آدمی جب مرجاتا ہے تو اس کے باوجود کہ آنکھ ناک کان اور دماغ سب کچھ موجود ہیں لیکن وہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گوشت پوست کا جسم کسی کے تابع ہے۔ حرکت کا تصویر کے ساتھ یہ تعلق ہی دراصل مخلوق کو شکل و صورت عطا کرتا ہے۔ دوسری بات جو نوع انسانی کے تجربے میں ہے یہ ہے کہ نوع انسانی کا ہر فرد اپنا الگ الگ ادراک رکھتا ہے۔ الگ الگ ادراک ہی اس تصویر کو جسے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں بنایا ہے دوسرے کی شناخت اور پہچان کا ذریعہ ہے۔

وحدت اور کثرت کے تذکرے میں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مخلوق کا ایک رشتہ قائم ہے۔ اس رشتے میں چار حالتیں ایسی ہیں کہ مخلوق اور خالق کا براہ راست رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ صرف ایک رشتہ ایسا ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان براہ راست قائم ہے۔ مخلوق اس رشتے کو تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن رشتہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ رشتہ کی تعریف یہ ہے کہ بندہ اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے کسی ہستی کا محتاج ہے۔ کسی ہستی کا محتاج ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرے علاوہ بھی کوئی ہستی ہے جو پہچان کا ذریعہ ہے اور یہی پہچان ہمیں اپنے علاوہ دوسری چیزوں کا ادراک عطا کرتی ہے۔

پہچاننے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو دیکھتے ہیں۔ پہلے خود کو جسمانی خدوخال کے ساتھ فہم و ادراک کے ساتھ پہچانتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے سامنے دوسرے شخص یا دوسری مخلوق کو پہچانتے ہیں۔

دوسری طرز میں پہچاننا یا جاننا اس طرح ہے کہ ذہن میں یا انسان کے باطنی

رخ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تمام تصویریں محفوظ ہیں۔ ظاہری وجود میں جب کوئی شکل و صورت ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم اسے شناخت کرلیتے ہیں۔ اس طرح جب باطنی طور پر کوئی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم اسے باطنی طور پر پہچان لیتے ہیں۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ہر ظاہر رخ باطن کا عکس ہے۔ جب تک کوئی شے باطنی رخ کے ساتھ موجود نہیں ہوگی ظاہری شکل و صورت میں نظر نہیں آئے گی یعنی سارا کا سارا ظاہری رخ باطنی رخ کا عکس ہے۔

اس بات کو بہت غور سے سمجھا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے "ہوجا" کہا تو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات جس طرح موجود تھی اپنی صفات کے ساتھ موجود ہوگئی۔ یعنی آدمی کی روح بھی وجود میں آگئی۔ یعنی پوری کائنات کا یکجائی پروگرام تخلیق ہوگیا اور یہ تخلیق اللہ تعالیٰ کے ذہن سے منتقل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کے "ہوجا" کہنے سے کبوتر فاختہ جنات فرشتے انسان اور زمین و آسمان کے اندر تمام مخلوق موجود ہوگئی۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھا تو کبوتر سے بھی واقف تھا۔ فرشتوں سے بھی واقف تھا۔ جنت و دوزخ سے بھی واقف تھا اور جس طرح انسان کبوتر سے فرشتوں سے واقف تھا اسی طرح کبوتر بھی انسان سے واقف تھا۔

"ہوجا" کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود پروگرام کا مظاہرہ ہوا۔ اس مظاہرے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی شناخت بھی منتقل ہوگئی۔ انسان جہاں اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھا وہ جز ولا تجزا ہو یا باطنی رخ ہے۔ کثرت میں چونکہ روح کی عکاسی ہو رہی ہے اس لئے کثرت کا ہر فرد انفرادی طور پر کثرت سے واقف ہے۔

پوری کائنات یکجائی طور پر لوح محفوظ پر نقش ہے۔ اور لوح محفوظ پر یکجائی پروگرام نقش ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کا ہر فرد دوسرے فرد کی شناخت کا

www.islamiurdubook.blogspot.com

ادراک رکھتا ہے۔ یہ باطنی رخ کا دیکھنا ہوا۔

اب ہم خارجی رخ میں دیکھنے کی طرزیں بیان کرتے ہیں۔

ہم کسی عمارت کے سامنے کھڑے ہیں جس سمت میں کھڑے ہیں' عمارت کا وہی حصہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم جس جگہ کھڑے ہیں اس جگہ سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چلنے کے بعد فاصلے پر دوسری جگہ کھڑے ہونے میں نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ نگاہ کا زاویہ تبدیل ہونے سے عمارت کا دوسرا حصہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ ہم نگاہ کے اس زاویے کو تبدیل کرنے کے لئے ایسی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں جہاں عمارت کی تین سمتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور ہم عمارت کی تین سمتوں کو دیکھ رہے ہیں۔ زاویۂ نگاہ تبدیل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسی جگہ کھڑے ہوں جہاں سے عمارت کی تین سمتیں نظر آئیں۔ زاویۂ نگاہ تبدیل کرنے کے لئے ظاہری نگاہ میں ظاہری طور پر مشاہدہ کرنے میں کچھ فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے۔ فاصلہ طے کرنے میں زماں اور مکان دونوں زیر بحث آجاتے ہیں۔ دس قدم اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ کھڑا ہونا مکانیت ہے اور دس قدم اٹھانے میں جتنا وقت صرف ہوا وہ زمانیت ہے۔ مکانیت اور زمانیت میں سفر کرنے سے زاویۂ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک دیکھنا یہ ہے کہ آدمی بنفس نفیس زمین پر چل کر فاصلہ طے کرے۔ فاصلہ طے کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے' فاصلہ طے کرنے اور وقت لگنے میں نگاہ کا زاویہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ زاویۂ نگاہ تبدیل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ذہن کے اندرونی نقش و نگار پر اپنے تصور کو مرکوز کردے تو ذہن کے اوپر نقوش کا خاکہ مرتب ہوتا ہے۔ اس خاکے کو دیکھنے کے لئے ٹائم اینڈ اسپیس کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

اس سے دو قانون منکشف ہوئے۔

ایک یہ کہ آدمی جس طرح ظاہری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ہزاروں میل کی

مکانیت اور دنوں اور مہینوں کی زمانیت طے کر کے دیکھتا ہے وہ تصوراتی ماحول میں یا تصوراتی قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ زمانیت اور مکانیت کے بغیر بھی چیز کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے میں تصویر زیادہ روشن اور واضح ہوتی ہے لیکن اگر تصوراتی نگاہ قائم ہو جائے یا تصوراتی نگاہ سے دیکھنا آدمی کا اختیاری ہو جائے تو دھندلا خاکہ بھی روشن اور واضح ہو جاتا ہے۔

دوسرا قانون یہ ہے کہ جب ہم سفر کرتے ہیں تو ہماری نگاہ کا زاویہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ "ہوجا" کے بعد ہم لوح محفوظ سے سفر کر کے "عالم جُو" میں آئے تو ہماری نگاہ کا زاویہ تبدیل ہو گیا۔ جیسے جیسے یہ تنزل واقع ہوتا رہتا ہے۔ نگاہ کا زاویہ تبدیل ہوتا رہتا ہے اور انسان یہ بات جان لیتا ہے کہ خارجی حصے میں جو کچھ ہے وہ باطنی احساس کا نقش ہے۔ جیسے جیسے باطنی احساس میں تنزل واقع ہوتا ہے اور زاویۂ نگاہ میں گہرائی پیدا ہوتی ہے چیزیں ٹھوس نظر آتی ہیں۔

احساس کی درجہ بندی

یہ بات ہم سمجھ چکے ہیں کہ کائنات کا یکجائی پروگرام اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ اللہ کے علم میں کائنات کے خدوخال جس طرح موجود ہیں ان کا مظاہرہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے "کُن" فرمایا اور کائنات بن گئی جب کائنات بن گئی تو کائنات کو صرف اپنے وجود کا علم تھا۔ کائنات کے افراد یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہیں کیوں ہیں اور ان کو تخلیق کرنے والی ہستی کون ہے؟ اس جمود کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ خود کائنات کے سامنے آگئے اور کہا میں ہوں تمہارا رب۔ کائنات کے افراد کو سب سے پہلے جس چیز کا علم ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی آواز تھی۔ کائنات جب اس آواز کی طرف متوجہ ہوئی تو اس نے دیکھا ایک ہستی ہے جو رب کی حیثیت سے اپنا تعارف کرا رہی ہے۔ یعنی ایک ایسی ہستی جس نے تمہیں پیدا کیا تمہیں علم بخشا تمہیں سماعت اور نگاہ منتقل کی اور تمہارے لئے وسائل پیدا

کئے۔

جب ہم انسان کا تذکرہ اس وقت کے حالات میں کرتے ہیں جب اسے سماعت اور نگاہ منتقل نہیں ہوئی تھی تو ہم اسے صرف احساس کا نام دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا اعلان کیا اور کائنات نے اس آواز کو سن کر اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ اٹھائی اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ تو اسے اپنے ہونے کا ادراک مل گیا۔ لیکن رمز کی بات یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلے نگاہ منتقل ہوئی یعنی انسان نگاہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس بات کو مولانا رومؒ نے اس طرح فرمایا ہے کہ آدمی نگاہ ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب فکشن (Fiction) ہے۔ اور نگاہ یہ ہے کہ آدمی اس بات سے واقف ہے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا بنانے والا اللہ ہے۔ جب تک آدم کی نظر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اوپر نہیں ٹھہری اس کی حیثیت صرف احساس کی تھی اور جب اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ٹھہر گئی تو اس کی حیثیت علم کی بن گئی اور اس کے اندر سننے اور دیکھنے کے حواس پیدا ہوگئے۔

دیکھنے کی دو طرزیں ہیں۔

ایک طرز یہ ہے کہ ہم کسی چیز کو باہر دیکھ رہے ہیں اور دیکھنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ ہم اس چیز کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جو فی الواقع اس کی حیثیت ہے۔ آئینہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہم جب کسی قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں اس آئینے میں اپنی صورت نظر آتی ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم آئینہ دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہم آئینہ نہیں دیکھ رہے آئینہ کے اندر جو عکس ہے اسے دیکھ رہے ہیں۔ پہلے آئینے نے ہمیں دیکھ کر اپنے اندر جذب کیا اور اپنے اندر جذب کرنے کے بعد ہماری تصویر کو منعکس کیا۔ اگر آئینہ ہماری تصویر کو اپنے اندر جذب کر کے منعکس نہ کرے تو ہم آئینہ نہیں دیکھ سکتے۔ دیکھنے کی طرزیں دو

ہیں۔ ایک دیکھنا بالواسطہ یا میڈیم کے ذریعے دیکھنا ہے اور ایک دیکھنا براہ راست میڈیم کے بغیر دیکھنا ہے۔ براہ راست طرز کلام میں جب ہم دیکھنے کا تذکرہ کریں گے تو یہ کہا جائے گا کہ پہلے آئینہ نے ہماری تصویر دیکھ کر اپنے اندر جذب کی پھر ہم نے آئینہ دیکھا۔ یعنی ہم نے آئینہ نہیں دیکھا بلکہ آئینہ کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ یہی صورتحال زندگی کے تمام اعمال و حرکات کی ہے۔ ہر انسان اپنے ذہن کو آئینہ تصور کرے تو دیکھنے کی براہ راست طرز یہ ہوگی کہ کوئی بھی صورت یا شے پہلے ہمارے ذہن نے دیکھی۔ پھر ہم نے اس کو دیکھا یعنی ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اپنے ذہن کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ کوئی خیال کوئی تصور کوئی شے اس وقت تک نگاہ کے لئے قابل قبول نہیں ہے جب تک اس کی تصویر انسانی ذہن کی اسکرین پر پہلے سے منعکس نہ ہو۔ ہمارے سامنے ایک گلاس رکھا ہوا ہے۔ اس میں پانی بھرا ہوا ہے۔ بالواسطہ دیکھنے کی طرز یہ ہے کہ ہم گلاس دیکھ رہے ہیں۔ جس میں پانی بھرا ہوا ہے۔ براہ راست یا روحانی طرزوں میں یہ دیکھنا فکشن اور غیر حقیقی ہے۔ براہ راست طرز کلام میں گلاس دیکھنے کے عمل کو اس طرح بیان کیا جائے گا کہ ہمارے ذہن کی اسکرین پر نگاہ (علم) کے ذریعے گلاس کا عکس اور پانی کی ماہیت ہمارے لاشعور نے قبول کی۔ یعنی پانی اور گلاس کا پورا پورا عکس اپنے علم اور اپنی ماہیت کے ساتھ ہمارے اندر کی آنکھ نے دیکھ کر اس کے اندر تمام خدوخال اور نقوش کو محسوس کرلیا اور باطنی نگاہ کا یہ محسوس کرنا ہی دیکھنے کا عمل ہے۔ مختصر الفاظ میں اس بات کو اس طرح سمجھئے کہ روحانی نقطۂ نظر سے دیکھنا باہر دیکھنا نہیں ہے۔ انسان کی نگاہ پہلے کسی چیز کے عکس کو لوٹا کر ذہن کی اسکرین پر نقش کرتی ہے اس کے بعد ہم اس چیز کو دیکھتے ہیں۔ ایک دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے سامنے چیز رکھی ہوئی ہے اور ایک دیکھنا یہ ہے کہ سامنے رکھی ہوئی چیز کا عکس ہمارے لاشعور پر نقش ہو رہا ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ براہ راست طرز نگاہ یہ ہے کہ ہم اپنی روح

کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو باوجودیکہ اس کی آنکھ آنکھ کا ڈھیلا آنکھ کی پتلی تل سب کچھ موجود ہونے کے باوجود کچھ نظر نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ جس چیز کے اوپر عکس منتقل ہورہا تھا اس عکس کا علم ہمیں نہیں مل رہا۔ یہی صورتحال موت کے علاوہ عام زندگی میں بھی پیش آتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی اندھا ہوگیا۔ اس کے سامنے ساری چیزیں رکھی ہوئی ہیں لیکن اسے کچھ نظر نہیں آرہا۔ کیوں نظر نہیں آرہا اس لئے نظر نہیں آرہا کہ جو چیز دیکھنے کا میڈیم بنی ہوئی تھی وہ موجود نہیں یعنی آنکھ نے دیکھ کر کسی چیز کا عکس ذہن پر منتقل نہیں کیا۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنکھیں ٹھیک ہیں لیکن دماغ کے سیل (Cells) جو انسان کے اندر حسیات (Senses) پیدا کرتے ہیں یا وہ سیلز (Cells) جو نگاہ کا ذریعہ بن کر تصویری خدوخال کو ظاہر کرتے ہیں معطل ہوجاتے ہیں۔ ایسی صورت میں انسان دیکھ سکتا ہے نہ محسوس کرسکتا ہے۔ نگاہ کے بعد ہی انسانی ذہن میں حیات کا عمل دخل ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے چیونٹی کاٹتی ہے۔ اس نے چیونٹی کو دیکھا نہیں۔ لیکن وہ چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتا ہے یعنی وہ حس جو آدمی کے اندر کسی بھی طریقے سے علم بنتی ہے اس نے انسانی دماغ کو یہ بتادیا کہ کسی چیز نے کاٹا ہے کہنا یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلے جس چیز کا علم حاصل ہوتا ہے خواہ وہ لمس کے ذریعے ہو خواہ شامہ کے ذریعے ہو خواہ سماعت کے ذریعے ہو خواہ بصارت کے ذریعے ہو احساس کا پہلا درجہ ہے۔ کسی چیز کو سننا سننے کے بعد مفہوم اخذ کرنا یہ احساس کی دوسری درجہ بندی ہے۔ انسان کو جب کسی چیز کا پہلی مرتبہ علم حاصل ہوتا ہے تو یہ احساس کا پہلا درجہ ہے۔ دیکھنا احساس کا دوسرا درجہ ہے۔ سننا احساس کا تیسرا درجہ ہے۔ کسی چیز کو سونگھ کر اس کی خوشبو یا بدبو محسوس کرنا احساس کا چوتھا درجہ ہے۔ چھونا احساس کا پانچواں درجہ ہے۔

احساس کا صحیح نام نگاہ ہے۔ اس لئے کہ جب تک مخلوق کی نظر خالق کے

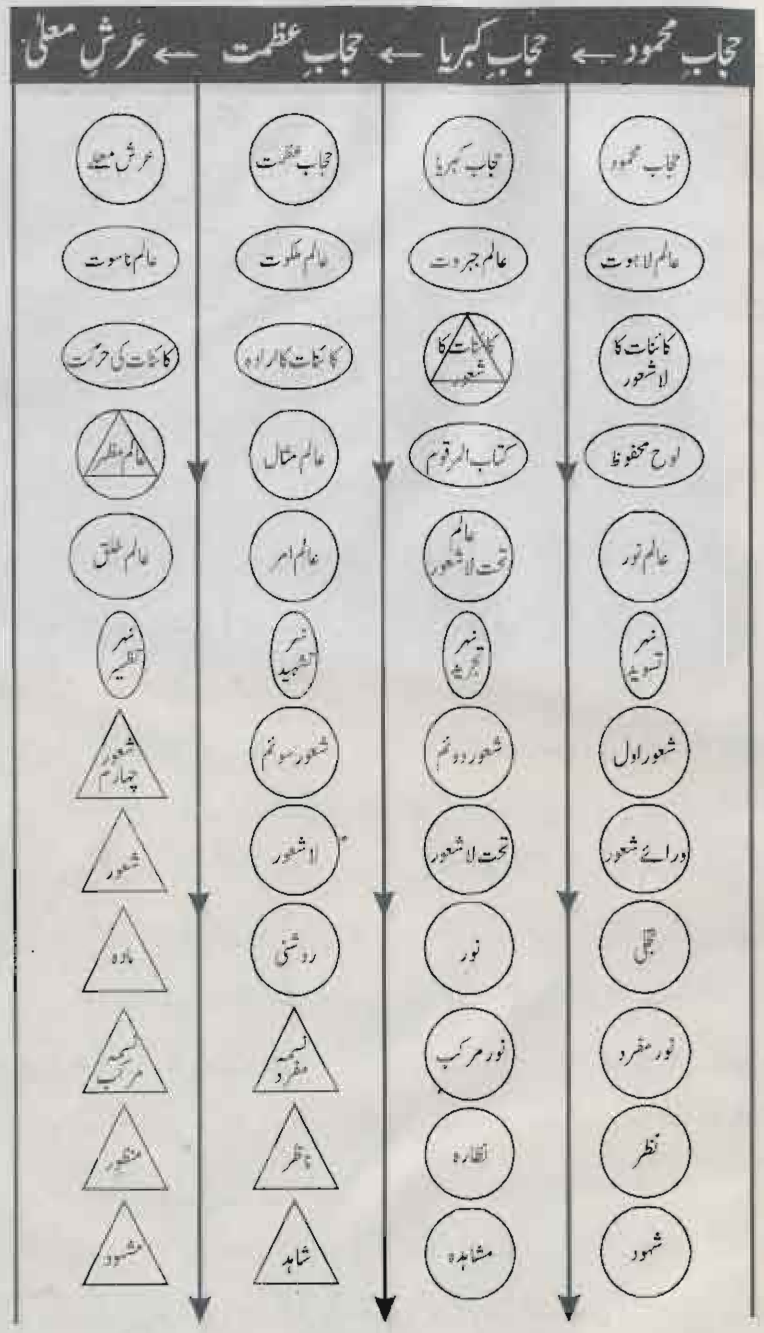
اوپر نہیں ٹھہرتی احساس کی درجہ بندی نہیں ہوتی۔ مخلوق "ہوجا" کے بعد جس اسٹیج پر موجود تھی اس کو صرف یہ خیال تھا کہ میں ہوں۔ پھر اس کو نگاہ ملی۔ نگاہ کے ساتھ ساتھ وہ قوت سماعت سے آشنا ہوگیا اور اس کے بعد اس کو دوسری حسیں (Senses) منتقل ہوگئیں۔

وحدت الوجود .... وحدت الشہود

سابقہ لیکچر میں آئینے کی مثال دے کر بتایا گیا تھا کہ آئینے میں خود کو دیکھنا دیکھنے کی دو طرزوں کا انکشاف کرتا ہے۔ ایک دیکھنا یہ ہے کہ ہم آئینے کو دیکھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے آئینہ دیکھا۔ یہ طرز نگاہ بالواسطہ ہے۔ جب ہم دیکھنے کے عمل کو سمجھنا چاہتے ہیں اور ہمارے شعور میں گہرائی کا ادراک پیدا ہوجاتا ہے تو ازخود یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہم اپنا عکس آئینے کے اندر دیکھ رہے ہیں تو یہ کہنا کہ ہم آئینہ دیکھ رہے ہیں بالواسطہ دیکھنے کی طرز ہے اور یہ محسوس کرنا کہ ہم خود کو آئینے کے اندر دیکھ رہے ہیں براہ راست دیکھنے کی طرز فکر ہے۔ یہ ہی صورت حال زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ ہم آنکھوں سے باہر دیکھ رہے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ بات ہمارے ادراک میں موجود ہے ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ باہر نہیں دیکھ رہے بلکہ ہمارے اندر باہر کی چیزوں کا عکس منتقل ہو رہا ہے اور ہم اس عکس کو دیکھ رہے ہیں۔ ایک طرز کو تصوف میں بالواسطہ طرز کہا جاتا ہے۔ اور دوسری طرز کو براہ راست طرز نظر کہتے ہیں۔ مرنے کی مثال سے یہ بات ہمارے سامنے موجود ہے کہ دیکھنے والی شے آنکھ نہیں ہے، دیکھنے والی شے روح ہے۔ مطلب یہ ہوا اگر کوئی بندہ بالواسطہ نگاہ سے واقف ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں باہر دیکھ رہا ہوں اور جب سالک براہ راست دیکھنے کی طرز سے آشنا ہوجاتا ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ دیکھنا دراصل باطن میں دیکھنا ہے۔ جب تک کوئی آدمی بالواسطہ دیکھتا ہے۔ وہ جمادات یا حیوانات کی صف کا

ایک فرد ہے اور جب کسی بندے کے اندر براہ راست دیکھنے کی طرز کام کرنے لگتی ہے تو وہ حیوانات کی صف سے نکل کر انسان کی صف میں کھڑا ہوجاتا ہے۔ جب سالک کے اندر براہ راست نگاہ کام کرتی ہے تو اس کے اوپر اس رشتے کا انکشاف ہوجاتا ہے جو رشتہ خالق اور مخلوق کے درمیان ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیانی رشتے کو علم الٰہی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے "الست بربکم" فرما کر کائنات کو نگاہ کا علم عطا کیا۔ دیکھنے کی طرزوں میں قانون بہت زیادہ اہم ہے کہ دیکھنے کا عمل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک نگاہ کے لئے کوئی ہدف نہ بن جائے۔ یعنی نگاہ کسی چیز کو ٹارگٹ کے بغیر نہیں دیکھ سکتی۔ کائنات یا انسان کی نگاہ کا پہلا ٹارگٹ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ "میں تمہارا رب ہوں" تو انسان کی نگاہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ٹارگٹ بن گئی اور یہاں سے انسان گمشدگی کے دریا سے باہر آگیا۔ جب انسان گمشدگی کے دریا سے باہر آیا تو اس نے پہلے اللہ کو دیکھا اور پھر ساری کائنات کو یکجائی پروگرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے سنا۔ اقرار کا سننا اور تمام کائنات کو ایک کنبے کی حیثیت میں دیکھنا اور یہ محسوس کرنا کہ ہماری حیثیت صرف نگاہ کی ہے نگاہ کی دوسری حرکت ہے۔ پھر نگاہ نے دوسری تیسری چوتھی اور پانچویں کروٹ بدلی۔ اب اس نے دیکھا کہ فی الواقع ہر چیز کی حیثیت یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں بس وہی ہے۔ اس دیکھنے کو وحدت الشہود کہتے ہیں۔ جب نگاہ بالواسطہ دیکھتی ہے تو خود کو مکانیت اور زمانیت کے اندر محبوس اور مقید محسوس کرتی ہے اور جیسے جیسے بالواسطہ دیکھنے کی طرزیں گہری ہوتی جاتی ہیں اسی مناسبت سے کثرت در کثرت درجے تخلیق ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ نگاہ کہیں گفتار کہیں نظار کہیں شہود کہیں شامہ کہیں سماعت اور کہیں لمس بن جاتی ہے۔ شہود قوت نظارہ شامہ اور لمس، مکانیت اور زمانیت کے اندر محدود



ہیں۔ ان حرکات کو تنزلات کہا جاتا ہے۔ ہر تنزل کے دو جز ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے قانون بیان فرمایا ہے کہ ہر شے دو رخوں پر تخلیق کی گئی ہے۔ اسی طرح تنزل بھی دو رخوں پر قائم ہے۔

اب ہم یوں کہیں گے کہ انسان دوسرے تنزل میں داخل ہوگیا اور اس دوسرے تنزل میں اس نے شعور۔ نگاہ۔ شکل و صورت۔ گفتار۔ سماعت۔ رنگینی۔ احساس۔ کشش اور لمس سے وقوف حاصل کیا۔ تنزل اول وحدت کا ایک درجہ ہے۔ اور تنزل دوئم کثرت کے پانچ درجے ہیں۔ اس طرح تنزلات کی تعداد چھ ہوگئی۔ پہلے تنزل کو لطیفہ وحدت اور دوسرے پانچ درجوں کو لطائف کثرت کہتے ہیں۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا جہاں تک تعلق ہے یا جس عالم کو اہل تصوف محض وحدت کا نام دیتے ہیں یہ ذہن انسانی کی اپنی اختراع ہے۔ انسان اپنی محدود فہم کے مطابق یا محدود فکری صلاحیت کے مطابق جو کچھ بیان کرتا ہے وہ انسان کی اپنی محدود فکر ہے۔ یہ کہنا کہ عالم وحدت وحدت باری تعالیٰ ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدت کو یا اللہ تعالیٰ کے کسی وصف کو انسانی شعور بیان کرنے سے قطعی قاصر ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کرتے ہیں تو دراصل اپنی ہی محدود فکری صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی لفظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکمل احاطہ ہوسکے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جس لامحدودیت کا اظہار کرتا ہے فی الواقع وہ اپنے محدود دائرہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ یعنی انسان کی محدود فکر کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات جس حد تک سما جاتی ہیں اس نے اس کو لامحدودیت کا نام دے دیا۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدت کا تذکرہ کرتے ہیں تو فی الحقیقت اپنی وحدت کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس حد

تک سمجھا ہے۔

انسان جس مقام کے تعین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے یا سمجھنے کے لئے کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے اس ہی مناسبت سے وہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کردیتا ہے۔ چونکہ انسان کی لامحدود نگاہ بھی محدود ہے اس لئے آگے اور آگے اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کے ادراک میں یہ بات نہیں آتی کہ جو دیکھا ہے اس سے آگے بھی کچھ ہے۔ وہ بے بسی کی حالت میں سمجھ میں نہ آنے والے عالم کا نام وحدت الوجود یا وحدت الشہود رکھ دیتا ہے۔

آخری نبی سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: "پہچاننے کا جو حق ہے وہ ہم سے پورا نہیں ہوا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائیں تب بھی اللہ کی باتوں کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔

ادراک اور وجدان

آسمانی صحیفے اور الہامی کتابیں بیان کی ایک مخصوص طرز رکھتی ہیں۔ تفکر کیا جائے تو یہ بات بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طرز استدلال یہ ہے کہ وہ ایک ہی بات کو مختلف طرزوں اور مثالوں سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان لاشعوری اور روحانی علوم سے واقفیت نہیں رکھتا اور روحانی علوم شعوری علوم سے مختلف ہوتے ہیں الہامی علوم کا شعور پر وزن پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہی بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کر کے شعور کے اوپر زائد وزن کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب "لوح و قلم" جو حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تصنیف ہے' ہم سب کے سامنے ہے۔ اس کتاب کا طرز استدلال خالص روحانی اور الہامی ہے۔ ایک ہی بات کو بار بار اور مختلف پیرایوں میں اور مختلف مثالوں میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ہی طرز استدلال قرآن کا بھی ہے اور یہ ہی طرز استدلال دوسری الہامی کتب تورات زبور انجیل اور گیتا کا ہے۔ "لوح و قلم" کی تشریح میں بھی ایک ہی بات کو مختلف زاویوں سے بیان کیا گیا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کائناتی علم درجہ بدرجہ تنزل کر کے مخلوق کے خدوخال اور زندگی کے تقاضے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم سیڑھی بہ سیڑھی صعود کرتا ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون تحقیق ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔) اللہ تعالیٰ کا علم جب نزول کرتا ہے تو مخلوق کا ادراک بن جاتا ہے۔

یہ علم ادراک بن کر ایک نقطہ پر کچھ دیر قیام کرتا ہے یعنی اس کے اندر

گہرائی پیدا ہوتی ہے تو نگاہ بن جاتی ہے۔ ادراک میں جب تک گہرائی پیدا نہیں ہوتی خیال کی کیفیت رہتی ہے۔ ادراک جب خیال کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو کسی چیز کا ہلکا سا عکس بنتا ہے یہ عکس احساس پیدا کرتا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ خیال کی حدود میں احساس کام تو کرتا ہے لیکن اس کی حیثیت صرف نظر کی ہوتی ہے۔ جب احساس ایک ہی نقطہ پر چند لمحوں کے لئے مرکوز ہوجاتا ہے تو اس نقطہ میں خدوخال اور شکل و صورت پیدا ہوجاتی ہے اور یہ خدوخال اندرونی نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں۔ نگاہ کے سامنے آنے والے ماورائی خدوخال جب ایک ہی نقطہ پر چند لمحے اور مرکوز رہتے ہیں تو نقطہ (نوع فرد یا شے) گویا ہوجاتی ہے اور بولنے لگتی ہے۔ قوت گویائی اگر ذرا دیر اور اس نقطہ یا فرد کی طرف متوجہ رہے تو فکر اور احساس میں رنگینی پیدا ہوجاتی ہے اور نگاہ اپنے اردگرد نیرنگی کا ایک ہجوم محسوس کرتی ہے۔

اس تشریح سے یہ قانون پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ علم کی ہی جداگانہ حرکات یا حالتوں کا نام خیال نگاہ گفتار شامہ اور لمس ہیں۔ ایک ہی حقیقت یا ایک ہی علم مختلف روپ بدلتا رہتا ہے۔ جس طرح خیال علم ہے اسی طرح نگاہ بھی علم ہے۔ چونکہ ہر چیز کی بنیاد علم ہے اس لئے خیال اور نگاہ کے بعد تمام حالتیں بھی علم ہیں۔ علم کی یہ کیفیت نزولی ہے۔ علم نزول کر کے عالم ناسوت تک آتا ہے اور انسان کی حس گوشت پوست کو چھولیتی ہے اور یہ ہی کیفیت (علم کی تنزل یافتہ شکل) کسی شے کی محسوسیت کے لئے انتہا ہے۔ آدم زاد یا کوئی بھی مخلوق اوپر سے نیچے اتر کر پیدا ہوتی ہے۔ روح یا امر ربی اپنے اظہار کے لئے اور اپنی جلوہ نمائی کے لئے گوشت پوست کا ایک جسم تخلیق کرتی ہے۔ اس کے بعد فکر انسانی تنزل یافتہ شکل سے صعود کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے اور پہلی حس سے یا پہلے حواس سے دور ہونے لگتی ہے۔ دوری سے مراد یہ ہے کہ پیدا ہونے والا ایک دن کا بچہ جب

دوسرے دن میں داخل ہوتا ہے تو پہلا دن زندگی کے نزول کا ردعمل ہے۔ یہ ہی ردعمل مکانیت اور زمانیت کا احساس دلاتا ہے۔ بچہ پیدا ہوا ایک لمحہ کے بعد دوسرے لمحے میں بچے کی تمام صفات تمام اعضاء تمام حواس میں تغیر واقع ہوجاتا ہے۔ یہ ہی تبدیلی زمانیت اور مکانیت ہے۔

بچہ شعوری اور لاشعوری طور پر اس بات کو سمجھ رہا ہے یا غیراختیاری طور پر یہ بات اس کے شعور میں ریکارڈ ہو رہی ہے کہ میں ایک لمحہ سے گزر کر دوسرے لمحہ میں ایک گھنٹہ ایک دن ایک ماہ ایک سال سے دوسرے سال میں داخل ہوگیا ہوں۔ زندگی کا یہ سفر زمانیت اور مکانیت پر قائم ہے۔ یعنی ٹائم اینڈ اسپیس ہمیں اس بات کا علم دیتا ہے کہ ابھی ہم جس چیز کے قریب تھے ایک معین مقدار اور توازن کے ساتھ رفتہ رفتہ اس سے دور ہو رہے ہیں۔ یہ دوری جب زندگی کو محیط ہوجاتی ہے دوری سے مراد یہ ہے کہ وہ نقطہ جس کی حیثیت علم اور علیم کی ہے علم نزولی سے دور ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ موت وارد ہوجاتی ہے۔ موت وارد ہونے کے بعد روح اپنے ان تجربات سے جن تجربات پر زمانیت اور مکانیت کا قیام ہے ایک نیا علم سیکھتی ہے۔ یہ نیا علم مکانیت یا زمانیت میں بند ہو کر سامنے نہیں آتا۔ مفہوم یہ ہے کہ روح گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسی دنیا آجاتی ہے جو گوشت پوست کی آنکھ سے نظر نہیں آتی۔

کائنات کو نگاہ کس طرح ملی کائنات نے اپنے علاوہ دوسری مخلوق کا کس طرح ادراک کیا اور نگاہ کا قانون کیا ہے یہ سب تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا کہ موجودات کا سکوت ٹوٹے اور حرکت کا آغاز ہو تو اللہ تعالیٰ نے موجودات کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"الست بربکم"

ذات کا عکس	....	علم واجب (علم القلم)
علم قلم کا عکس	....	علم وحدت (لوح محفوظ)
لوح محفوظ کا عکس	....	عالم تمثال (برزخ)
عالم تمثال کا عکس	....	عالم ناسوت (مظاہراتی دنیائیں)

جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی آواز کائنات کی بساط پر گونجی کائنات میں موجود ہر شے اس آواز کی طرف متوجہ ہوگئی اور مخلوق میں شعور کی بنیاد پڑ گئی۔ اس شعور نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اعتراف کیا۔ جب موجودات کی فہم میں یہ بات آگئی کہ ہمارے علاوہ بھی کوئی ہستی ہے اور اس ہستی نے ہمیں تخلیق کیا ہے تو موجودات نے اپنے علاوہ دوسری موجودات کو دیکھا اس دیکھنے کو عالم مثال (کثرت) کہتے ہیں۔ کثرت کو عالم مثال یا عالم جو بھی کہتے ہیں۔

: Summary

اللہ تعالیٰ کی ذات کا عکس .... علم واجب یا علم قلم

علم واجب کا عکس .... علم وحدت یا علم لوح محفوظ

علم وحدت سے مراد کائنات کی وہ موجودگی ہے جہاں کائنات گم سم اپنے احساس کے علاوہ کچھ نہیں جانتی۔

لوح محفوظ کا عکس .... عالم تمثال

عالم تمثال کا عکس .... عالم تخلیط یا عالم ناسوت

گیارہ ہزار اسماء

ثابتہ خفی اور اخفیٰ کی یکجائی کا نام علم القلم ہے۔ لوح محفوظ میں جو کچھ نوری تحریر میں نقش ہے علم القلم ہے۔ علم القلم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ اسمائے الٰہیہ ہے اور دوسرا حصہ حروف مقطعات ہیں جیسے قرآن پاک میں "الم، کھیعص" ہے۔ اسمائے الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جن صفات سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ ہم اس بات کی وضاحت اس طرح کرسکتے ہیں کہ تمام تخلیقی فارمولے اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ کی صفات جو کائنات کی تخلیق کی اصل ہیں تقریباً "گیارہ ہزار ہیں' یہ گیارہ ہزار صفات ایک فرد میں مجتمع ہوسکتی ہیں اور گیارہ ہزار نوعیں بھی ہوسکتی ہیں۔ ان صفات کو تین درجوں

میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا درجہ اسمائے اطلاقیہ

دوسرا درجہ اسمائے عینیہ

تیسرا درجہ اسمائے کونیہ

روح کی تشریح میں نسمہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نسمہ کے تین اصطلاحی نام ہیں۔

(۱) نسمہ مرکب (۲) نسمہ مفرد (۳) نسمہ مطلق

نسمہ مرکب نفس اور قلب کے دو لطیفوں سے مرکب ہے۔ جس کو روح حیوانی کہا جاتا ہے۔ نسمہ مفرد کا قیام سر اور روح کے لطیفوں پر ہے جس کو روح انسانی کہا جاتا ہے۔ نسمہ مطلق خفی اور اخفیٰ کے دائروں پر قائم ہے جس کو روح اعظم کہا جاتا ہے۔ اس کی مزید تشریح اس طرح ہے کہ قلب اور نفس سے ترتیب پانے والا نسمہ مرکب روح حیوانی (جویّہ) ہے۔ روح اور سر کا اجتماعی نام عین یا اعیان ہے۔ خفی اور اخفیٰ کا اجتماعی نام ثابتہ یا روح اعظم ہے۔ ریکارڈ اور روشنی کا نام جس میں ریکارڈ پڑھا جاتا ہے تدلّیٰ ہے۔ شب معراج میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیر کا جہاں تذکرہ ہے وہاں اسی تدلّیٰ کا تذکرہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب معراج کا سفر اختیار کیا تو روح اعظم کے دونوں لطائف اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بیدار اور متحرک تھے۔

پیدائش عروج و زوال کی تمام مصلحتیں اسی تدلّیٰ میں مندرج ہیں۔ تدلّیٰ کا علم رکھنے والے کسی انسان پر جب روح اعظم کی روشنیاں منکشف ہوجاتی ہیں تو ہر ذرہ کی روح سامنے آجاتی ہے اور بندہ ازل سے ابد تک کے تمام واقعات کی روشنیوں کا مطالعہ کرلیتا ہے۔ روشنیوں سے مراد وہ تمام واقعات ہیں جو ازل سے

شروع ہو کر ابد تک واقع ہوں گے۔ تدلیٰ دو نقطوں سے مرکب ہے اور یہ دو نقطے اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں' مشیت اور علم الٰہی کی ایک مختصر نویس یا (Short Form) ہے۔ جس طرح ایک چھوٹی سی مائیکرو فلم (Micro Film) میں پوری ایک کتاب محفوظ کرلی جاتی ہے اسی طرح کائنات کی پیدائش سے متعلق تمام رموز اور تسخیر کائنات کے تمام فارمولے ان دو نقطوں میں محفوظ ہیں۔

اسمائے الٰہیہ میں پہلا تنزل یا اللہ کی صفات کا پہلا تعارف یہ ہے کہ اللہ بحیثیت علیم کے موجود ہے اور بحیثیت علیم کے اس طرح موجود ہے کہ اس علم میں اللہ کا کوئی ثانی نہیں اور نہ ہی اللہ نے اپنے اس خصوصی علم کو کسی فرد سے روشناس کرایا ہے۔ بحیثیت علیم اللہ نے اپنے علم اور اپنی صفات کو اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ انسان کا ادراک یا بڑی سے بڑی پرواز بھی اللہ کے اس علم کا کسی طرح تصور نہیں کرسکتی۔

اللہ کی وہ صفات جو موجودات کو منتقل ہو کر کائنات کے کل پرزے بن گئیں علم واجب کہلاتا ہے۔ علم واجب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ علم جو اللہ نے موجودات کو منتقل کردیا۔ یعنی اللہ کی ایسی صفات جس کی نسبت موجودات کو حاصل ہے۔ علم واجب کو علم قلم بھی کہتے ہیں۔ جب اللہ نے اپنے ذہن میں موجود پروگرام کو اپنی مرضی سے الگ کیا اور اس کا مظاہرہ ہوا تو اس حالت کا نام تنزل اول ہے۔ تنزل اول کے اسرار و رموز اور تنزل اول میں کائناتی تخلیقی فارمولے ہیں۔ اللہ نے یہ کائنات کیوں بنائی ہے؟ اور کائنات کی تخلیق میں اللہ کی کیا مشیت ہے؟ اس کا عکس ثابتہ میں موجود ہے۔ ثابتہ کا ایک رخ اخفیٰ ہے اور دوسرا رخ خفی ہے۔ اخفیٰ اور خفی وہی رخ ہیں جس کو روح اعظم اور نسمہ مطلق کہا گیا ہے۔ ثابتہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی گیارہ ہزار تجلیوں کا ذخیرہ ہے جو بندہ لطیفہ اخفیٰ اور لطیفہ خفی سے واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔ اس کے مشاہدے میں گیارہ

ہزار تجلیاں آجاتی ہیں۔ ہر انسان کے اندر لطیفہ اخفیٰ اور خفی موجود ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ ہر سالک کو اپنے مرشد کی محبت اور عشق عطا کریں۔ پیرو مرشد جب ثابتہ کے اندر اپنے تصرف سے انوار منتقل کر کے خفی اور اخفی کو متحرک کردیتا ہے تو سالک کو یہ علم حاصل ہوجاتا ہے کہ انسان بحیثیت علیم کے اللہ کے علم کا ایک جزو ہے اور یہ حقیقت بھی اس کے اوپر منکشف ہوجاتی ہے کہ بحیثیت علیم کے اللہ تعالیٰ کُل ذات ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ چونکہ انسان بھی جزوی طور پر علیم ہے اس لئے اسے علم کا مشاہدہ ہوجاتا ہے جو اسے تنزل اول کی شکل میں منتقل ہوا تھا۔

کسی بھی علم کو حاصل کرنے کے لئے یہ بات ازبس ضروری ہے کہ انسان دوسری باتوں سے خالی الذہن ہو کر کسی ایک نقطے پر اپنے ذہن کو مرکوز کردے۔ انسان دراصل روح اعظم کی حیثیت میں ایک یادداشت رکھتا ہے۔ اس یادداشت کو اگر وہ یاد کرنا چاہے دیکھنا چاہے پڑھنا چاہے یا اس کے فیوض سے خود کو فیض یاب کرنا چاہے تو اسے اس طرف متوجہ ہونا پڑے گا اور متوجہ ہونے کا اول آخر اور آزمودہ طریقہ مراقبہ ہے۔ مراقبہ میں جیسے جیسے انہماک پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اسی مناسبت سے سالک اس یادداشت کو پڑھنے پر قدرت حاصل کرلیتا ہے۔ مراقبہ میں ذہن مرکوز ہوجائے تو تجلیات کے نقوش خواب میں نظر آنے لگتے ہیں اور زیادہ انہماک پیدا ہوجائے تو گیارہ ہزار تجلیات سالک کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ اس یادداشت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بنیادی بات یہ ہے کہ نیند پر کنٹرول حاصل کیا جائے۔ سالک چوبیس گھنٹے میں ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نہ سوئے۔ ہماری عادت ہے کہ ہم جاگنے کے بعد سوجاتے ہیں اور سونے کے بعد بیدار ہوتے ہیں۔ آدمی جتنے گھنٹے سونے کی عادت ڈال لیتا ہے اسی مناسبت سے نیند اس کی طبیعت کا تقاضا بن جاتی ہے۔ اس بات کو کئی مرتبہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان نگاہ

کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جس طرح انسان کے اندر نگاہ بیداری میں کام کرتی ہے اسی طرح نگاہ سونے کی حالت میں کام کرتی رہتی ہے۔ البتہ دیکھنے کا عمل اور دیکھی ہوئی چیز کے نقوش گہرے یا ہلکے ہوتے ہیں۔ نقوش جب گہرے ہوتے ہیں تو دیکھی ہوئی چیز زیادہ واضح طور پر ذہن کی اسکرین پر محفوظ رہتی ہے۔ خواہ وہ دیکھنا بیداری میں ہو یا خواب میں دیکھنا ہو۔ انسان گہرے نقوش کو یاد رکھتا ہے اور ہلکے نقوش کو بھلا دیتا ہے۔

روح کیا ہے؟

کسی بات کو سمجھنے اور اس کی حقیقت کو تلاش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس بات کی طرف اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ متوجہ ہوں اور اس بات سے متعلق جتنے عوامل ہیں جتنے محرکات ہیں ان سے آگاہی حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعارف ہونے اللہ کی ذات کو جاننے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے آگاہ ہونے کے لئے اللہ کی تخلیق کی ہوئی کائنات میں تفکر کرنا ضروری ہے۔

ایک بہت بڑا آرٹسٹ ہے بہت اچھی تصویر بنا سکتا ہے لیکن کاغذ اور کینوس پر کبھی تصویر نہیں بناتا۔ اس کا تعارف مصور کی حیثیت سے نہیں ہوتا۔ کسی مصور کو ہم اس وقت مصور کہتے ہیں جب اس کی تخلیقات ہمارے سامنے ہوں۔ خالق کو پہچاننے اور خالق کی صفات سے وقوف حاصل کرنے کے لئے مخلوق کا پہچاننا اور تخلیقی فارمولوں سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہم جب کائنات کے بارے میں تفکر کرتے ہیں تو ہمیں دو بنیادی باتوں کا سراغ ملتا ہے۔ ایک یہ کہ کائنات کے اندر زندگی رواں دواں ہے۔ ساتھ ہی یہ کہ زندگی کسی کے تابع ہے۔ افراد کائنات کو زندہ رکھنے والی شے جب تک فرد کو زندگی منتقل کرتی رہتی ہے فرد متحرک رہتا ہے اور جب یہ شے فرد سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے تو فرد زندگی کھو دیتا

ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو تمام افراد کائنات میں جاری و ساری ہے۔ اس شے کا نام "روح" ہے۔

روح کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے ذہن سے نکلا ہوا ایک لفظ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ لامتناہی ہیں اور غیر متغیر ہیں، شکست و ریخت سے ماوراء ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا لفظ بھی لاتغیر ہے۔ مسلسل حرکت میں ہے۔ ازل تا ابد حرکت میں رہے گا۔ عقدہ یہ کھلا کہ روح مسلسل حرکت ہے۔

کائنات کے اجزائے ترکیبی پر ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں ایک چیز بھی ایسی نہیں ملتی جو اس قانون سے باہر ہو۔ انسان کی روحانی صلاحیتوں کا جب تذکرہ آتا ہے اور نوع انسانی کا کوئی فرد روح کی ساخت کو سمجھنا چاہتا ہے تو اسے باور کرنا پڑتا ہے کہ روح مسلسل حرکت چاہتی ہے اور جب تک حرکت قائم رہتی ہے آدمی کے اندر عمل کا صدور ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ کلیہ یہ بنا کہ ساری کائنات ایک حرکت ہے۔ کائنات میں موجود تمام افراد ایک نظام کے تحت ایک دوسرے کی وابستگی کے ساتھ مسلسل حرکت میں ہیں۔ ظاہر حالات میں ہمارے سامنے اپنی پیدائش ہے۔ ماں کے پیٹ میں پہلے دن سے پیدائش تک اور پیدا ہونے کے بعد سے موت تک کوئی لمحہ کوئی آن کوئی گھڑی کوئی دن کوئی گھنٹہ کوئی منٹ ایسا نہیں ہے جس میں حرکت نہ ہو۔

انسانی زندگی کا تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر انسان دو دماغوں میں بند ہے یا انسانی زندگی دو دماغوں میں تقسیم ہے۔ ان دو رخوں کا تذکرہ شعور اور لاشعور کے نام سے ہو چکا ہے۔ جب انسان شعور میں ہوتا ہے تو اس کی کیفیات الگ ہوتی ہیں اور جب انسان لاشعور میں زندگی بسر کرتا ہے تو کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن حرکت کسی وقت ساقط نہیں ہوتی۔ اس لئے آدم زاد شعوری کیفیات میں ہو یا

لاشعوری کیفیات میں ہو مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ جب کوئی انسان شعوری زندگی میں حرکت کرتا ہے اس کے اوپر زمان اور مکان کی پابندی عائد ہوتی ہے۔ زندگی کے اس آدھے رخ کو بیداری کہا جاتا ہے اور جب کوئی بندہ لاشعوری زندگی میں سفر کرتا ہے اس کے اوپر سے زمان و مکان کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ اس رخ کو خواب کہا جاتا ہے۔ دیکھنے اور سمجھنے کی طرزوں کا تجزیہ کرنے سے ہمارے اوپر اس قانون کا انکشاف ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کسی عمل کی طرف متوجہ رہتے ہیں تو وہ عمل ہمیں یاد رہتا ہے اور اگر ہم عمل کرنے کے باوجود ذہنی طور پر اس طرف متوجہ نہیں ہوتے تو وہ عمل بھول کے خانے میں جاپڑتا ہے۔ بیداری اور خواب دونوں حالت میں یہ صورت موجود رہتی ہے۔ جس طرح کوئی آدمی بیداری میں کئے ہوئے اعمال و حرکات کی طرف متوجہ ہوکر اسے یاد رکھنا چاہتا ہے تو وہ یاد رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر خواب کی زندگی میں کئے ہوئے اعمال و حرکات کی طرف متوجہ رہے تو وہ بھی یاد رہتے ہیں۔

عام مشاہدہ ہے کہ زندگی کی دو طرزوں میں ایک طرز یہ ہے کہ طبیعت آدمی کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ سوجائے۔ پھر مجبور کرتی ہے کہ وہ بیدار ہوجائے یعنی طبیعت اس بات کی عادی ہے کہ آدمی کو سلا کر لاشعور کو بیدار کردے اور آدمی کو جگا کر لاشعور کو سلا دے۔ لاشعور کو بیدار کرنے اور شعور کی Activities سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں طبیعت کی اس عادت کو سمجھنا پڑے گا۔ ہم اس بات کی عادت ڈال سکتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ بیدار رہ کر لاشعور کی حرکات کو بیداری میں مشاہدہ کرلیں۔ شروع شروع میں اس عادت کی خلاف ورزی کرنا طبیعت کے لئے بار بنتا ہے۔ اگر آدمی مشق جاری رکھے یعنی نیند کو قریب نہ آنے دے تو دو دن اور دو رات گزرنے کے بعد طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ آجاتا ہے کہ لاشعوری حرکات بند آنکھوں کے سامنے آنے لگتی ہیں۔ اسی طرح کئی

ہفتے یا کئی ماہ اگر جاگنے کا اہتمام کیا جائے تو کھلی آنکھوں کے سامنے بھی لاشعوری حرکات آنے لگتی ہیں اور درجہ بدرجہ آدمی غیب کی دنیا سے متعارف ہوجاتا ہے۔ بند آنکھوں سے لاشعوری زندگی کو دیکھنا یا غیب کی دنیا میں داخل ہوکر غیب کی دنیا سے متعارف ہونا تصوف کی اصطلاح میں "ورود" کہلاتا ہے مشق کرتے کرتے نگاہ کے اندر اتنی سکت پیدا ہوجاتی ہے کہ آدمی بیداری کی حالت میں کھلی آنکھوں سے باطنی دنیا کا بھی مشاہدہ کرلیتا ہے اس حالت کا نام شہود ہے۔

ضروری ہے کہ یہ مشق مرشد کریم کی نگرانی میں کی جائے۔ بصورت دیگر دماغی خلل واقع ہوجاتا ہے۔ روحانی استاد یا مرشد سالک کو اس وقت مشق کرائیں جب وہ خود ان مشقوں سے گزر کر ماورائی دنیا کا مطالعہ کرچکے ہوں۔

★

نیابت و خلافت

روحانی علوم کی تقسیم تین باب پر مشتمل ہے۔ ایک باب انفرادی زندگی کے اعمال و حرکات اور زندگی کی ساخت اور تخلیقی فارمولوں کے اوپر مشتمل ہے۔ دوسرا باب نوعی تخلیقی فارمولوں پر مشتمل ہے اور تیسرا باب خالق کی مشیت سے متعلق ہے۔

انسان یا کائنات میں موجود کوئی بھی نوع یا کسی بھی نوع کا کوئی فرد زندگی گزارنے کے لئے دو رخوں کا محتاج ہے۔ ایک رخ کو ہم بیداری اور دوسرے رخ کو خواب کہتے ہیں۔ بیداری اور خواب دونوں کا تذکرہ قرآن پاک میں لیل اور نہار کے نام سے کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی ان آیات میں تفکر کیا جائے جن میں لیل و نہار کا تذکرہ آیا ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حواس ایک ہیں حواس میں صرف ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ یہی حواس جب رات کے پیٹرن میں داخل ہوتے ہیں تو خواب بن جاتے ہیں اور یہی حواس جب دن کے پیٹرن میں داخل ہوتے ہیں تو بیداری بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم رات کو دن میں داخل کرتے ہیں۔ رات کو دن میں سے نکال لیتے ہیں۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ ہم رات کو دن پر سے ادھیڑ لیتے ہیں اور دن کو رات پر سے ادھیڑ لیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان (جو فی الواقع حواس کے علاوہ کچھ نہیں ہے) رات اور دن کے حواس میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ دن میں داخل ہوتا ہے تو

حواس پابند ہوجاتے ہیں، اور رات میں داخل ہوتا ہے تو حواس کے اوپر سے پابندی کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ ہم جب علم غیب یا غیب کی دنیا کا تذکرہ کرتے ہیں تو دراصل رات کے حواس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں ارشاد ہے۔ ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور چالیس راتوں میں پورا کیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر چالیس دن اور چالیس راتیں مقیم رہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ رات کو کوہ طور پر چلے جاتے ہوں اور دن کو نیچے اتر آتے ہوں۔ حضرت موسیٰؑ پر چالیس دن اور چالیس راتوں میں رات کے حواس غالب رہے اور نتیجے میں غیبی دستاویز عطا کر دی گئی۔

سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی معراج میں بھی رات کا تذکرہ ہے۔

"پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک" مطلب وہی ہے کہ سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اوپر غیب کی دنیا کا انکشاف ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت عطا فرمائی تو وہ بھی رات کے حواس تھے۔

حواس کی اس مختصر تشریح کے بعد اب ہم مراقبے کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ مراقبہ دراصل ایک ایسے عمل کا نام ہے جس عمل میں ذہنی یکسوئی اس حد تک ہوجاتی ہے کہ بیداری کے حواس خواب میں منتقل ہوجاتے ہیں۔

ہر علم اس کی حیثیت اکتسابی ہو یا حضوری ہو' تفکر پر قائم ہے۔ جیسے جیسے تحقیق و تلاش کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے نئے نئے فلسفے وجود میں آتے رہتے ہیں۔

موجودہ سائنسی دور میں بھی یہی عمل کارفرما ہے۔ ہر دانشور تفکر کے ذریعے کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ جس کی تقلید کرتے ہوئے اس کے بعد آنے والے دانشور اس علم کی سطح کو پھیلانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

جیسے جیسے تشریحات دماغ کے اوپر وارد ہوتی ہیں یا ان ترغیبات اور

تشبیہات سے شعور آشنا ہوتا ہے اسی مناسبت سے شعور گہرائی میں سفر کرنے لگتا ہے۔

قرآن پاک نے نوع انسانی کو مثالیں دے کر علوم کو سیکھنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اللہ نور السموت والارض

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔

علم حضوری تین اوراق کی طرح ہے۔

ہر ورق کے دو صفحے ہیں۔

پہلا صفحہ تجلی کا عکس ہے۔ دوسرے پر رموز اور مصلحتیں نقش ہیں۔
تیسرے صفحہ پر رموز و اسرار کی تشریحات ہیں۔ چوتھے صفحے پر کائناتی نقوش ہیں۔
پانچویں صفحہ پر احکامات کا ریکارڈ ہے۔ چھٹے صفحہ پر اجتماعی اعمال کی تفصیلات ہیں۔

ساری کائنات تجلی، لوح محفوظ، عرش و کرسی، عالم ارواح، سماوات، برزخ، عالم ناسوت، عالم اعراف، حشر نشر، یوم حساب، جنت دوزخ، ابد، ابدالآباد سب ان تین ورقوں میں محفوظ ہیں۔ سالک جب ان چھ صفحات کا مطالعہ کرنا سیکھ لیتا ہے تو وہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقف ہوجاتا ہے۔ ان اوراق کا مطالعہ کرنے کے لئے بنیادی سبق مراقبہ ہے۔ مراقبہ سے برقی رو (لائف اسٹریم) اور زیادہ فعال ہوجاتی ہے۔

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ساری کائنات کا مجموعی علم جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو بحیثیت نائب اور خلیفہ سکھایا ہے اور جس علم کو اللہ نے اپنی امانت فرمایا ہے، تین اوراق میں جمع ہے۔ ان تین اوراق کے نام یہ ہیں۔

۱۔ روح اعظم ۲۔ روح انسانی ۳۔ روح حیوانی

یا ثابتہ اعیان جویّہ

تدلّی

سالک جس کو اللہ تعالیٰ کی صفات یا علم الاسما کا علم حاصل ہے اگر ازل سے ابد تک کا پورا پروگرام دیکھنا چاہے تو لوح محفوظ پر دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اس اجتماعی پروگرام میں کائنات میں موجود الگ الگ نوعوں کا پروگرام دیکھنا چاہے تو وہ لوح دوئم یا "عالم جو" میں دیکھ سکتا ہے۔ کائنات کا اجتماعی پروگرام لوح محفوظ پر نقش ہے۔ اور جس طرح پروگرام لوح محفوظ پر نقش ہے اسی طرح ہر فرد کے اندر بھی موجود ہے۔ کائنات کا اجتماعی پروگرام جب تنزل کرتا ہے تو تین حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔

۱۔ روح اعظم

۲۔ روح انسانی

۳۔ روح حیوانی

تمام علوم کی بنیاد علم الاسماء پر قائم ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جہاں آدم کی نیابت و خلافت کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ بات بنیادی طور پر بیان ہوئی ہے کہ آدم کو علم الاسماء عطا کیا گیا ہے جو کائنات میں کسی کو حاصل نہیں ہے اور یہ علم الاسماء ہی ہے جس کی بنیاد پر فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا جو علم آدم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے اس کو "تدلّی" کہتے ہیں۔

انسان کا شرف اس بات پر قائم ہے کہ اسے اللہ کی نیابت حاصل ہے۔
اسے اللہ تعالیٰ کے اختیارات حاصل ہیں۔ کوئی بندہ جب تکوین (Administration) کے شعبے میں داخل ہوتا ہے تو یہ اطلاعات فراہم کردی جاتی ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کی نیابت کے اختیارات حاصل ہیں اور نیابت کے اختیارات کو جاننے اور سمجھنے اور استعمال کرنے کے لئے اسے یہ علم حاصل ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اور یہ صفت

www.islamiurdubook.blogspot.com

بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازل میں حاصل ہوگئی تھی۔ بندے سے مراد نوع انسان اور نوع انسان کے تمام افراد ہیں۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو علم الاسماء عطا کردیا اور اپنی تخلیقی صفات سے آدم کو آگاہ کردیا تو آدم کا یہ علم پوری نوع انسانی کا ورثہ بن گیا۔ اس علم کو پریکٹیکل میں لانے کے لئے مراقبے کی تلقین کی جاتی ہے۔ مراقبہ صرف ایک عمل کا نام نہیں ہے بلکہ مختلف علوم کے حصول کے لئے مختلف مراقبہ جات ہیں۔ میرے علم (خواجہ شمس الدین عظیمی ابن الحاج انیس احمد انصاری) میں ان کی تعداد سترہ ہے۔ جب کوئی بندہ اس نیابت کو جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں آدم کو دی ہے اگر تلاش کرنا چاہے تو سب سے پہلے اس کے یقین میں یہ بات راسخ ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ رحیم ہیں اور اللہ نے صفت رحیمی سے کائنات کو تخلیق کیا ہے ازل میں آدم کو اسم رحیم کی صفت بھی منتقل ہوئی ہے۔ سالک اگر اسم رحیم کا مراقبہ کرے یعنی وہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمی کا جزو ہے تو اس کے اوپر تخلیقی علوم منکشف ہوجاتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس ہی اسم رحیم کی صفت کا تذکرہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت سے کیا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ مٹی کے جانور میں پھونک مار کر اڑا دیتے تھے۔ یا پیدائشی کوڑھی یا اندھے کو اچھا کردیتے تھے یعنی حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات سے اسم رحیم کی صفت کو عملاً جاری و ساری فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے اس معجزے کا تذکرہ کرکے تخلیق کا ایک فارمولا بیان کیا ہے۔

تخلیقی فارمولا یہ ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی روح کام کر رہی ہے۔ جب تک انسان کے اندر یا آدم زاد کے اندر روح موجود نہیں ہے۔ آدم کا وجود ناقابل تذکرہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے اندر اپنی روح پھونک دی تو اس کے اندر حواس متحرک ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور جو کچھ تمہیں علم دیا گیا ہے قلیل ہے۔ بات روشن ہے کہ "روح کا قلیل علم دیا گیا ہے"۔ توجہ طلب ہے کہ جس قلیل علم کا تذکرہ کیا جارہا ہے وہ اللہ کا علم ہے اور اللہ کے تمام علوم لامتناہی ہیں۔ لامتناہی کا قلیل بھی لامتناہی ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کا جو علم عطا کیا ہے وہ اللہ کے علوم کے مقابلے میں قلیل ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روح کا علم کسی کو حاصل نہیں ہے یا کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

روح میرے رب کے امر سے ہے۔ اور امر رب یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہوجا" اور وہ ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

انسان ناقابل تذکرہ شے تھا۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ یہی بات اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے فرمارہے ہیں کہ جب تو بناتا ہے مٹی سے جانور کی صورت میرے حکم سے یعنی میری مرضی اور میرے دیئے ہوئے علوم سے پھر اس میں پھونک مارتا تو ہوجاتا وہ جانور۔ مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تخلیقی فارمولے کے تحت یا اسم رحیم کی صفت کے تحت مٹی کے جانور میں پھونک مارتے تھے تو وہ اڑ جاتا تھا۔ پیدائشی اندھے اور کوڑھی کے اوپر دم کرتے تھے تو بھلا چنگا ہوجاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی اور لفظ "کُن" فرمایا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے اسم رحیم کی قوت نے حرکت میں آکر کائنات کے تمام افراد تمام اجزاء اور تمام ذروں کو شکل و صورت بخش دی۔ اس حالت کو حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اسم اطلاقیہ کا نام دیا ہے۔ اسم اطلاقیہ اسم مطلق سے مشتق ہے۔ پھر یہ اسم تنزل کر

www.islamiurdubook.blogspot.com

کے عینیہ میں داخل ہوگیا۔ اور صفت رحیمی سے علم میں حرکت پیدا ہوگئی۔ "کن" کے بعد موجودات کو علم نہیں تھا کہ میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں۔ کہاں جانا ہے۔ ایک حیرت کا عالم تھا۔ اس حیرت کے عالم کو "عینیہ" کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس محویت اور اس حیرت کو ختم کرنا چاہا تو موجودات کو خطاب کرکے فرمایا۔ "پہچان لو، میں تمہارا رب ہوں۔" روحوں نے جواباً کہا۔ "جی ہاں ہم نے پہچان لیا"۔ روحوں نے جب اللہ تعالیٰ کا اعتراف کرلیا تو صفت رحیم کی حیثیت اسم عینیہ سے تنزل کرکے کونیہ ہوگئی۔

لیکچر ۸

کُن فیکون

علم روحانیت کا پورا احاطہ کرنے کے لئے (پورا احاطہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کا جتنا علم دیا ہے) تین اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں۔ تدلیٰ، ابداء اور خلق۔ تدلیٰ اسم اطلاقیہ کی صفت ہے اور ابداء اسم عینیہ کی صفت اور خلق اسم کونیہ کی صفت ہے۔ اسم کونیہ جب اپنی صفات میں مظہر بنتا ہے یا اسم کونیہ کی صفات مظاہراتی خدوخال اختیار کرتی ہیں تو ان مظاہراتی خدوخال کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کو تدبیر کا نام دیا جاتا ہے۔

۱۔ تدلیٰ۔ اسم اطلاقیہ
۲۔ ابدا۔ اسم عینیہ
۳۔ خلق۔ اسم کونیہ
۴۔ تدبیر۔ جداگانہ مظاہراتی خدوخال

اللہ تعالیٰ کا ہر اسم تین تنزلات پر قائم ہے۔ جب ہم اسم رحیم کا تذکرہ کرتے ہیں تو بھی ان تین صفات کا تذکرہ ہوتا ہے اور یہ تینوں صفات کائنات کی ہر مخلوق میں ہمہ وقت ہر آن جاری و ساری ہیں۔ لیکن ان صفات کا علم صرف انسان اور جنات کو دیا گیا ہے۔

علم الاسماء آدم کو اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ اللہ نے آدم کو اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ نائب سربراہ کے اختیارات استعمال کرتا ہے۔ اختیارات کا استعمال اس وقت ممکن ہے جب اختیارات سے متعلق قوانین سے واقفیت ہو۔ اسم اطلاقیہ،

اسم عینیہ اور اسم کونیہ کے علوم جاننے والے بندہ کو اللہ کی نیابت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں شریک ہو جاتا ہے۔

اسم رحیم میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات کام کر رہی ہیں ان کا تعلق تخلیقی امور سے ہے۔ تخلیقی امور میں زندگی اور موت دونوں شعبے آجاتے ہیں۔ کوئی بندہ جب مرتا ہے تو دراصل وہ ایک زون سے نکل کر دوسرے زون میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی جب عالم ناسوت میں مرتا ہے تو عالم اعراف میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ازل سے ابد تک موت و زیست کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ قرآن پاک میں جہاں حضرت عیسیٰؑ کے معجزے کا ذکر آیا ہے وہاں اسم رحیم کی تینوں صفات کی طرف اشارہ ہے اور اسم کے تیسرے تنزل یعنی اسم کونیہ کی صفت کے مظہر کو روح پھونکنے کا نام دیا ہے۔ اسم اطلاقیہ انسان کے ثابتہ کو حاصل ہے جس کو روح اعظم بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی کوئی بندہ اسم رحیم کی صفت تدلی کو جان لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی نیابت کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ کے دیئے ہوئے وصف سے مردوں کو زندہ کرنے یا کسی شے کو تخلیق کرنے کا کام سرانجام دے سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان اسم رحیم کی صفت استعمال کرنا چاہے تو اسے روح اعظم، روح انسانی اور روح حیوانی میں مراقبہ کے ذریعے اس فکر کو مستحکم کرنا ہوگا۔ جب سالک اسم رحیم کی صفات کا مراقبہ کرتا ہے تو اسم رحیم کی صفات تجلی بن کر اس کی روح اعظم میں روح اعظم سے منتقل ہو کر روح انسانی میں اور روح انسانی سے منتقل ہو کر روح حیوانی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اور یہ صفات جب کسی مردہ جسم میں منتقل کر دی جاتی ہیں تو مردہ جسم زندہ ہو جاتا ہے۔

علم لدنی

قانون یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں ہمیں علم ہے تو نگاہ اسے دیکھتی ہے۔

لکڑی کے ایک فریم میں ایک تصویر بند ہے لیکن ہمیں علم نہیں ہے کہ تصویر کے اوپر شیشہ لگا ہوا ہے تو نگاہ شیشہ کو نہیں دیکھتی۔ اس کی مثال بڑی بڑی دکانوں اور بڑے بڑے شو روم میں شفاف گلاس ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ آدمی تیزی کے ساتھ دروازے میں داخل ہوتا ہے اور شیشے سے ٹکرا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علمی حیثیت سے وہ نہیں جانتا کہ دروازے میں صاف شفاف شیشہ لگا ہوا ہے۔ اس کے برعکس ہمیں اگر یہ علم حاصل ہے کہ فریم شدہ تصویر کے اوپر شیشہ لگا ہوا ہے تو ہم اس تصویر کو دیکھنے کا تذکرہ اس طرح کریں گے کہ ہماری نگاہ شیشے کے اندر تصویر دیکھ رہی ہے۔

دوسری مثال ہیروشیما کی پہاڑیوں کی ہے۔ جس وقت ہیروشیما پر ایٹم بم گرایا گیا تو اس کے اثرات اتنے شدید تھے کہ پہاڑ دھوئیں کی شکل اختیار کر گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ پہاڑ موجود ہیں لیکن جب چھوا تو وہاں دھوئیں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ کوئی ہتھیار ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جس کی طاقت پہاڑ کو دھواں بنا دیتی ہے۔

دیکھنا سننا چھونا سب علم کی شاخیں ہیں اور دیکھنے سننے چھونے محسوس کرنے میں علم رہنمائی کرتا ہے۔ اگر ہمیں پہلے سے کسی چیز کا علم نہیں ہے تو ہم اس چیز کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ چھو سکتے ہیں۔

موجودات کی حیثیت علم کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ علم حقیقت ہے اور لاعلمی لاموجود ہے۔ علم کی حیثیت اور علم کی تفصیلات ہمیں اللہ تعالیٰ کے اسماء سے منتقل ہوتی ہیں۔ یہ وہی علم ہے جو اللہ نے آدم کو سکھایا ہے۔

علم کی درجہ بندی چار درجوں میں قائم ہے۔ صفت کی پہلی موجودگی کا نام اطلاق ہے۔ دوسری موجودگی کا نام عین ہے۔ تیسری موجودگی کا نام کون ہے۔ اور ان تینوں موجودگیوں کی یکجائی کا نام مظہر ہے۔

۱۔ اطلاق ۔ صفت کی پہلی موجودگی

۲۔ عین ۔ صفت کی دوسری موجودگی

۳۔ کون ۔ صفت کی تیسری موجودگی

۴۔ مظہر ۔ تین صفات کا یکجا ہونا

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ذہنی پروگرام کو ایک فلم کا نام دے دیں اور اس فلم کو نشر کرنے والی روشنیوں کو "کن" قیاس کرلیں تو بات آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائنات کی فلم اس وقت نشر ہوئی جب "کن" سے سوئچ آن ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ کا اپنا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے اپنے ارادے کے ساتھ حرکت میں آگیا۔ یعنی کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے علم کا ایک مظاہرہ ہے۔ زندگی کی ہر حس اور زندگی میں کام کرنے والے تمام حواس علم کے سوا کچھ نہیں ہے۔

علم کا پہلا رخ یہ ہے کہ اس علم کا براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ علم کا دوسرا رخ یہ ہے کہ علم کائناتی وجود بن گیا۔ زندگی اور زندگی کے تمام مراحل وہ ظاہری دنیا سے تعلق رکھتے ہوں یا غیب کی دنیا سے سب کی بنیاد علم ہے اور یہ وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو عطا کیا ہے اور جس علم کے بارے میں فرشتوں نے اقرار کیا ہے کہ ہم اس علم سے ناواقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق اپنی ہر صفت میں کامل قدرت رکھتے ہیں اور ہر صفت کے ساتھ قدرت اور رحمت شامل ہوتی ہے۔ جب ہم اللہ کو بصیر کہتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بصیر ہونے کی صفت میں اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ جس کو چاہے بصارت عطا کردے ساتھ ساتھ سماعت بصارت یا دوسرے حواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے ساتھ رحمت بھی شامل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اس لئے عطا کی ہیں کہ آدمی کے

اندر دیکھنے کی قدرت پیدا ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آنکھوں میں بصیر ہونے کے ساتھ ساتھ رحمت کا عنصر بھی شامل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہر عنایت اور ہر عطا میں رحمت شامل ہے۔ رحمت سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی صفت سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ خود بھی اللہ کی نعمتوں سے مستفیض ہو اور دوسروں کے کام بھی آئے۔ خود بھی علم سیکھے اور نسل انسان کو بھی علوم سکھائے۔ خود بھی خوش رہے اور دوسروں کو بھی خوش رکھے۔

★

تجلیات

ہمارا یقین ہے کہ کائنات ایک ہستی نے بنائی ہے اور کائنات پر اسی ہستی کی حکمرانی ہے۔ کائناتی تقاضے تواتر کے ساتھ مخلوق کو منتقل ہورہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ نگاہ کا وصف کسی ہستی سے ہمیں منتقل ہوا ہے۔ یعنی اللہ ایسی ہستی ہے جو بصیر ہے اور بصیر ہونے کے ساتھ ساتھ اسے قدرت حاصل ہے کہ وہ افراد کائنات کو بصارت منتقل کر رہا ہے۔ یعنی بندے کا دیکھنا دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت بصیر کا مظاہرہ ہے۔

کائنات مجموعی طور پر اللہ کی صفات کا عکس ہے اور صفات اللہ کے اسماء ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم ایک تجلی ہے اور تجلی کے ساتھ قدرت اور رحمت شامل ہے۔ گویا اللہ کا ہر اسم تین تجلیوں کا مرکز ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی ذات (۲) اللہ تعالیٰ کی صفت (۳) اور صفت کے ساتھ قدرت۔

جب ہم اللہ کا تذکرہ کرتے ہیں یا اللہ کا کوئی اسم ذہن یا زبان سے ادا کرتے ہیں تو تجلی اپنی صفت اور قدرت کے ساتھ حرکت میں آجاتی ہے۔ یعنی ہم اللہ کو بصیر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں یا اللہ کے اسم بصیر کا ورد کرتے ہیں تو ہمارے اندر اللہ کی نگاہ اور اللہ کی نگاہ سے متعلق قدرت اور نگاہ سے متعلق رحمت کا علم متحرک ہوجاتا ہے۔

کائنات ایک علم ہے۔ یہ علم نزول کرکے حواس کی شکل و صورت میں نمایاں ہورہا ہے اور علم تین رخ پر مشتمل ہے۔ پہلا رخ تجلی ہے جو لطیفہ اخفیٰ کے

اندر نزول کرتا ہے اور تجلی کا علم بن جاتا ہے۔ دوسرا رخ اس تجلی کا وصف ہے یعنی تجلی کی تشریح ہے۔ تجلی کا یہ وصف لطیفہ سری میں متحرک ہوتا ہے۔ تیسرا رخ تجلی کے وصف کی تشکیل ہے یعنی تجلی اپنے وصف کے ساتھ خدوخال اختیار کرتی ہے اس وصف کا نزول لطیفہ قلبی میں ہوتا ہے۔ اسی وصف کا نام نگاہ ہے اور لطیفہ قلبی کے اندر جب گفتار سماعت شامہ اور مشام شکل و صورت اختیار کرکے مزید حرکت کرتے ہیں تو نقش و نگار کا ایک رنگین پیکر بن جاتا ہے۔ گفتار سماعت شامہ اور مشام کا یہ رنگین پیکر لطیفہ نفسی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ لطیفہ قلبی اور لطیفہ نفسی کے درمیان کشش کا یہ عمل مظاہراتی طور پر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

تین حرکتیں بیک وقت صادر ہوتی ہیں۔ پہلی حرکت کسی چیز کو جاننا ہے۔ جب ہم کسی چیز کو جاننے کا ارادہ کرتے ہیں یا ہمارے ذہن کی حرکت کسی چیز کو جاننے میں استعمال ہوتی ہے تو یہ عمل لطیفہ اخفیٰ میں ہوتا ہے۔

جاننے کے بعد دوسری حرکت کسی چیز کو محسوس کرنا ہے۔ محسوس کرنا لطیفہ سری کا عمل ہے۔ جاننے اور محسوس کرنے کے بعد کسی چیز کے بارے میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ خواہش کے بعد عمل کا صدور ہوتا ہے۔ خواہش اور عمل کا صادر ہونا لطیفہ قلبی اور لطیفہ نفسی کی حرکت ہے۔ کسی چیز کا علم یا کسی چیز کو جاننے کی حرکت ثابتہ سے شروع ہوکر جویّہ پر ختم ہوجاتی ہے اور یہ علم ہر ہر اسٹیج پر ہر ہر نزول پر ریکارڈ ہوتا رہتا ہے۔ جاننا لطیفہ اخفیٰ میں واقع ہوتا ہے اور اس کو لطیفہ خفی ریکارڈ کرلیتا ہے۔ لطیفہ سری میں محسوساتی عمل شروع ہوتا ہے جس کو لطیفہ روحی ریکارڈ کرلیتا ہے۔ لطیفہ قلبی میں جاننے اور محسوس کرنے کے بعد عمل واقع ہوتا ہے اور یہ عمل لطیفہ نفسی میں ریکارڈ ہوجاتا ہے۔ اخفیٰ، خفی یعنی روح اعظم نے جانا۔ سر اور روح یعنی روح انسانی نے محسوس کیا قلب اور نفس یعنی روح حیوانی نے عمل کیا۔ جاننا محسوس کرنا عمل کرنا بیک وقت صادر ہوتا ہے اور بیک

وقت ختم ہوجاتا ہے۔ ختم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی تجلی کا وصف قدرت اور رحمت کے ساتھ علم کی حیثیت میں نزول کرکے پہلے جاننے کا عمل بنتا ہے پھر یہ عمل محسوساتی علم بن جاتا ہے۔

اس فارمولے یا Equation کی حیثیت کائناتی بھی ہے' نوعی بھی ہے اور فرد کی زندگی سے متعلق بھی ہے۔ ہمارے پیش نظر اس وقت فرد کی روحانی صلاحیتوں کا انکشاف ہے۔ اس لئے ہم اس فارمولے کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ فرد کی زندگی سے متعلق اسمائے الٰہیہ کی تمام تجلیوں کا علم' اس علم میں صفت قدرت و رحمت شامل ہے۔ فرد کے ثابتہ میں یا روح اعظم میں موجود ہے۔ محسوساتی علم یا فکر سے متعلق اللہ کی تمام تجلیاں صفت اور قدرت و رحمت کے ساتھ فرد کے اعیان یا روح انسانی میں موجود ہیں۔ جاننے اور محسوس کرنے کے علم کے بعد عمل صادر ہوتا ہے۔ عمل کے تمام نقوش جویہ یا روح حیوانی میں موجود ہیں۔ اس فارمولے پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کا کائناتی پروگرام ہر فرد میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کے اندر موجودات کے تمام افراد ان کا نام کچھ بھی ہو ان اجسام یا افراد کا تعلق نباتات سے ہو' جمادات سے ہو' حیوانات سے ہو سب کا آپس میں ایک رشتہ ہے۔ یہ رشتہ ہی ایک دوسرے کے تعارف اور پہچان کا ذریعہ ہے۔ نوع انسانی کے کسی ایک فرد کا یا تمام افراد اور بکری کے درمیان اگر کوئی مخفی رشتہ نہ ہو تو انسان بکری کو نہیں پہچان سکے گا اور بکری انسان کو نہیں پہچان سکے گی۔ اس رشتے کو تلاش کرنے سے انسان روحانی رموز سے واقف ہوجاتا ہے۔ کوئی روحانی آدمی اس بات پر لازماً تفکر کرتا ہے کہ میں بکری کو پہچانتا ہوں۔ بکری مجھے پہچانتی ہے۔ شیر جانتا ہے کہ یہ انسان ہے' انسان کے علم میں بھی یہ بات ہے کہ میرے سامنے شیر ہے۔ جب کوئی انسان آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ سورج ہے ستارہ ہے صرف کہتا ہی

نہیں بلکہ محسوس بھی کرتا ہے۔ روحانی آدمی جب تفکر کو اپنا شعار بنالیتا ہے اور اس کے اندر اللہ کی تجلی کا علم متحرک ہوجاتا ہے تو وہ کائنات میں تمام آسمانی اجرام اور اجرام کے بسنے والے ہر ذی روح اور غیر ذی روح افراد کو ایک مخفی رشتے میں بندھا ہوا دیکھتا ہے۔ جب ہم ستارے کو دیکھتے ہیں تو ستارہ کبھی منع نہیں کرتا کہ مجھے نہ دیکھیں۔ جب ہم سورج کو دیکھتے ہیں تو سورج ہمیں منع نہیں کرتا کہ مجھے نہ دیکھو۔ اگر سورج اور ستارے اور انسان کے درمیان کوئی مخفی رشتہ موجود نہ ہوتا تو ہر ستارہ اور ہر آسمانی نظارہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور پیدا کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا یہی رشتہ کائنات کے پورے افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کئے ہوئے ہے۔ کائنات ایک مخفی رشتے میں اس لئے بندھی ہوئی ہے کہ ساری کائنات ایک ہستی کی ملکیت ہے۔ کائنات اور کائنات کے افراد اگر مختلف ہستیوں کی ملکیت ہوتے یا کائنات کے افراد پر مختلف ہستیوں کی حکمرانی ہوتی تو یقیناً ایک دوسرے کی روشناسی میں تصادم پیدا ہوجاتا۔ ایک ہستی کی ملکیت دوسری ہستی کی ملکیت سے متعارف ہونا پسند نہ کرتی۔ قرآن پاک نے اسی مالک ہستی کا تعارف اللہ کے نام سے کرایا ہے۔ اسمائے مقدسہ میں یہی لفظ اسم ذات ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ اللہ کا ہر اسم ایک تجلی ہے اور ہر تجلی رحمت اور قدرت کے ساتھ قائم ہے۔ ہر اسم بحیثیت قادر کے قدرت رکھتا ہے۔ ہر اسم قدرت سے متعارف ہے۔ قادرانہ اور رحیمانہ اوصاف ہی موجودات کے تمام افراد کے درمیان مخفی رشتے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی اہل زمین کی خدمت گزاری سے اس لئے انکار نہیں کرسکتی کہ زمین سورج اور چاند اللہ کی ملکیت ہیں۔ چونکہ اللہ مالکانہ حقوق میں قادر مطلق ہیں اس لئے اللہ کی رحمت اور قدرت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ اللہ کی ملکیت ایک دوسرے سے منکر ہوجائے۔ نظام کائنات کے قیام

www.islamiurdubook.blogspot.com

ترتیب اور تدوین پر اللہ کے جن اسماء کی حکمرانی ہے ان میں ایک اسم "اللہ" اور دوسرا اسم "قدیر" ہے اور اللہ کے تمام اسم اللہ اور قدیر کے ساتھ منسلک ہیں۔

اجمال

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی اولاد کو علم الاسماء اس لئے سکھایا ہے کہ بندہ کائنات کی رنگا رنگ زندگی کا مشاہدہ کرے اور کائناتی حیات میں تفکر کرے۔ جب کوئی بندہ جدوجہد اور کوشش سے اللہ کے قانون کا تقاضا پورا کردیتا ہے تو اس کے اوپر عرفان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

عرفان دو طرح ہوتا ہے۔ ایک صفات کا عرفان۔ دوسرا ذات کا عرفان۔ صفات کا علم جاننے والا بندہ ظاہرا خدوخال کے اندر باطنی خدوخال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یعنی وہ فرد کائنات کی روح کا وقوف حاصل کرلیتا ہے اس کے سامنے عالمین کا ریکارڈ آجاتا ہے۔ صفات کا علم رکھنے والا بندہ فرشتوں سے حشر نشر سے۔ عالم اعراف سے۔ برزخ سے۔ سماوات سے۔ اور عرش و کرسی سے واقف ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہماری دنیا کی طرح اور بھی بے شمار دنیائیں ہیں۔ جس طرح ہماری زمین پر نوع انسانی نوع حیوانی نباتات و جمادات ہیں اسی طرح دوسری دنیاؤں میں موجود ہیں۔ دوسرا رخ اللہ کی ذات کا عرفان ہے۔ ذات کا عارف یہ جانتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کن فارمولوں پر ہوئی ہے اور کائنات میں اللہ کی کون سی مشیت کام کررہی ہے۔ عرفان ذاتی ہو یا صفاتی۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی روح کا عرفان ضروری ہے۔ **اللہ** کا ہر اسم بحیثیت علم کے علیم ہے اور اللہ کا ہر اسم بحیثیت خالق کے قدیر ہے۔

اللہ کا ہر اسم تین تجلیوں کا مجموعہ ہے اور اللہ کے ہر اسم کی حکمرانی کائنات کے اوپر محیط ہے۔ انہی تجلیات کا نزول مختلف مدارج میں ہوتا رہتا ہے۔ **اللہ** کی ذات کا عرفان جن انوار سے ہوتا ہے ان انوار کا نام نہر تسوید ہے۔ یہ بات مزید

وضاحت طلب ہے کہ روح کے تین پرتوں کو اللہ کے انوار کی چار نہریں سیراب کرتی ہیں۔ پہلی نہر کا نام نہر تسوید ہے۔ نہر تسوید لطیفہ اخفیٰ میں نزول کرتی ہے۔ جتنی بھی نوعوں کے اندر لطیفہ اخفیٰ موجود ہے اس نورانی نہر کے ذریعے ایک دوسرے سے متعارف اور روشناس ہیں۔ ہم جب علم کا تذکرہ کرتے ہیں تو علم کو محفوظ کرنے کے لئے حافظہ کا نام دیتے ہیں۔ نہر تسوید کے انوار ہی وہ شعاعیں ہیں جو انسان جنات اور ذی روح افراد کے اندر حافظہ بنتی ہیں۔ ہم جب کسی چیز کو یاد کرنا چاہتے ہیں یا کسی بھولی ہوئی چیز کو شعور کے اندر محسوس کرتے ہیں تو یہ کام حافظہ کا ہے۔ اس کو بہت آسان اور مختصر الفاظ میں بیان کرنا اس طرح ممکن ہے کہ کائنات میں ازل سے ابد تک کا تمام ریکارڈ اور تمام معلومات کا ذخیرہ نہر تسوید میں ہے۔ اگر سالک اس ذخیرے سے استفادہ کرنے کی صلاحیت حاصل کرلے تو وہ لاکھوں سال بعد کے یا لاکھوں سال پہلے کے زمانوں میں گزرے ہوئے واقعات و حادثات کو دیکھ سکتا ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کے اندر کائنات سے متعلق جو اجزاء منتقل ہوتے ہیں وہ بھی نہر تسوید کی شعاعوں کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ کے ذہن میں کائناتی تخلیقی پروگرام جس طرح موجود تھا' وہ سب نہر تسوید کے ذریعے لطیفہ اخفیٰ میں نزول کرتا رہتا ہے۔ ہر عمل اور کائنات کی ہر حرکت نہر تسوید سے شروع ہوتی ہے اور نہر تظہیر پر اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ ابتداء اور تکمیل کا یہ سلسلہ ہر آن اور ہر لمحہ جاری و ساری ہے۔ زندگی کی ہر حرکت اللہ کے ذہن سے شروع ہوتی ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی صفات کا سہارا لئے بغیر کسی حرکت کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہے۔

انسان ایک گمشدگی کے عالم میں تھا۔ اس کو سماعت حاصل تھی نہ بصارت چونکہ سماعت اور بصارت دونوں حاصل نہیں تھیں اس لئے اس کی اپنی کوئی

حیثیت نہیں تھی۔ اللہ نے جب مخلوق کو مخاطب کیا تو مخلوق کی حیثیت قائم ہوئی۔ انسان کا اور تمام کائنات کا اللہ کے ساتھ ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ یہ رشتہ ہمارے اندر دو رخ متعین کرتا ہے۔ ایک رخ کا نام احساس ہے اور دوسرے رخ کا نام محسوس کرنا ہے۔ جس طرح انسان نے اللہ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا تھا کہ میں مخلوق ہوں مغلوب ہوں یا کسی کے تابع ہوں۔ یہی قانون پوری زندگی اور عالمین میں جاری ہے۔ آپس میں جب دو دوست یا دو افراد ملتے ہیں یا ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو اس دوست کا اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ اثر دو طرح کا ہوتا ہے۔ دو دوستوں میں ایک اثر ڈالنے والا ہوتا ہے اور دوسرا دوست اثر قبول کرنے والا ہوتا ہے۔ دوست دوسرے دوست کو دیکھ کر اپنی معلومات کے مطابق کوئی رائے قائم کرتا ہے یعنی دوسرے دوست کی صفات کو بطورِ احساس اپنے اندر قبول کرتا ہے۔ صفات کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فرد کی صفات کو قبول کر کے اپنی محکومیت کا اعتراف کیا جائے۔ یہ قانون انسان حیوانات سماوات نباتات سب میں مشترک ہے۔ درخت کو ہم اس وقت تک درخت تسلیم نہیں کرسکتے جب تک درخت کی صفات کو اپنے اندر قبول نہ کرلیں۔ اسی طرح کوئی درخت اس وقت تک درخت نہیں ہے جب تک کسی انسان کی صفت سے مغلوب ہو کر اپنی محکومیت کا اعتراف نہ کرے۔ دیکھنے کی طرز یہ ہے کہ مخلوق کا ہر فرد دوسرے فرد کو اپنے اندر دیکھتا ہے اور اپنے اندر دیکھنا اس وقت ممکن ہے جب نفی کردی جائے۔ اپنی نفی کرنا ہی مغلوب ہونا اور محکوم ہونا ہے۔

دیکھنے کی دو طرزیں ہیں۔ ایک طرز براہ راست دیکھنا ہے اور دوسری طرز بالواسطہ دیکھنا ہے۔

براہ راست دیکھنا یہ ہے کہ ہر فرد دوسرے فرد کے دیکھنے کو دیکھ رہا ہے اور یہ بالواسطہ دیکھنے کی طرز ہے کہ ہر آدمی خود دیکھ رہا ہے۔ ہم جب آئینہ دیکھتے ہیں تو

کہتے ہیں کہ ہم آئینہ دیکھ رہے ہیں' یہ دیکھنا بالواسطہ دیکھنا ہے۔

براہ راست دیکھنا یہ ہے کہ پہلے آئینے نے ہمیں دیکھا اور ہم آئینے کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔

انسانی فضیلت یہ ہے کہ اس کے اندر براہ راست دیکھنے کی طرز متحرک ہوجائے۔ انبیاء علیہم السلام براہ راست دیکھنے کی مستحکم طرز فکر رکھتے ہیں۔ اس طرزِ فکر کو حاصل کرنے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تکوینی ہے اور ایک راستہ قربِ نوافل والے اولیاء کرام کا ہے۔ براہ راست دیکھنے کی طرزِ فکر کو حاصل کرنے اور اپنے اندر مستحکم کرنے کے لئے اولیاء اللہ ریاضت اور مجاہدوں سے اس بات کی مشق کرتے ہیں کہ ہمارے اور کائنات کے درمیان ایک رشتہ ہے اور وہ رشتہ اللہ کی ربوبیت ہے یعنی ساری کائنات ایک رشتے میں بندھی ہوئی ہے اور اس رشتے کا تعلق اور اس رشتے کی مرکزیت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ اس بات کی مشق کرتے ہیں کہ کوئی بھی بات ہو کوئی بھی کام ہو کوئی بھی عمل ہو اس کا رشتہ اللہ کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اور اس مشق اور مسلسل عمل سے انہیں اس چیز کی عادت ہوجاتی ہے کہ کوئی بھی عمل ہو اس کا تعلق ہم سے براہ راست نہیں ہے۔ اس چیز کا اور ہمارا واسطہ اللہ کی وجہ سے ہے۔ پیاس اور پانی پر تفکر کیا جائے تو پانی بھی اللہ کی تخلیق ہے۔ بندہ بھی اللہ کی تخلیق ہے۔ پیاس کا تقاضا بھی اللہ کی تخلیق ہے۔ بندہ پیاس اور پانی تینوں آپس میں اس لئے ہم رشتہ ہیں کہ یہ تینوں اللہ کی مخلوق ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اگر پانی تخلیق نہ کرتے تو پیاس نہ ہوتی اور نہ ہی انسان کے اندر پیاس کا تقاضا پیدا ہوتا۔ علی ھذا القیاس زندگی کے تمام وسائل کے بارے میں تفکر کرنے سے یہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ مشق کے بعد انسان عادتاً یہ سوچنے لگتا ہے کہ میرا اللہ کے ساتھ براہ راست ایک رشتہ ہے۔ جب یہ طرزِ فکر سالک کو حاصل ہوجاتی ہے تو اس کے اندر تصرف کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

صاحب ارشاد اور قرب نوافل والے اولیاء کرام براہ راست طرز فکر کو اپنی محنت کوشش اور مجاہدوں سے حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ لیکن اہل تکوین یا اہل نظام میں یہ طرز فکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتقل ہوتی ہے اور منتقلی سے پہلے پیرومرشد یا مراد اپنے مرید کی ذہنی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ ذہن میں چوں چرا کا عمل دخل نہیں رہتا۔ اور اس کے اندر معانی پہنانے والی ایجنسی نیوٹرل ہوجاتی ہے۔

★

لیکچر ۱۰

حواس کی رفتار

ہر چیز کا قیام بنیاد پر قائم ہے۔ مثلاً مکان اس وقت تک مکان نہیں ہے جب تک مکان کی بنیادیں موجود نہ ہوں۔ کرسی اس وقت تک کرسی نہیں ہے جب تک کرسی میں چار ٹانگیں نہ ہوں۔

انسانی عمارت چھ ستونوں پر کھڑی ہے۔ یہ عمارت چلتی پھرتی ہے۔ اس میں زندگی ہے زندگی دو رخوں پر متحرک ہے ایک شعور دوسرا رخ لاشعور۔ شعور اور لاشعور ایک دوسرے میں ردوبدل ہو رہے ہیں۔ چھ ستونوں میں سے تین ستون بیداری میں کام کرتے ہیں اور تین ستون خواب میں کام کرتے ہیں۔ انسان کے اندر چھ روشن نقطے ہیں ان نقطوں میں سے تین کی حرکت بیداری میں اور تین نقطوں کی حرکت نیند میں ہوتی ہے۔

ہر آدمی سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے۔ بیداری کے بعد جب اس کی آنکھ کھلتی ہے یا وہ شعوری حواس میں داخل ہوتا ہے تو نیم بیداری کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ نیم بیداری کا مطلب ہے کہ ابھی آدمی پوری طرح شعور میں داخل نہیں ہوا لیکن جیسے ہی وہ سوکر اٹھنے کے بعد بیداری کی پہلی کیفیت میں داخل ہوتا ہے اس کے اوپر فکرو عمل کا ہجوم ہوجاتا ہے۔ بیداری کے حواس میں فکرو عمل کی طرزیں یکجائی طور پر دور کرنے لگتی ہیں۔ یہ کیفیت انسان کے اندر اس نقطے سے شروع ہوتی ہے جس نقطے کا نام لطیفہ نفسی ہے۔ نیم بیداری کے بعد جو دوسرا وقفہ شروع ہوتا ہے اس میں آدمی کے ہوش و حواس میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ ہوش و حواس

کی اس گہرائی سے دماغ کے اوپر جو خمار ہوتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے۔ یہ وقفہ سرور پر مشتمل ہوتا ہے۔ کبھی سرور کی کیفیت بڑھ جاتی ہے اور کبھی سرور کے برعکس احساس بڑھ جاتا ہے۔ اس کیفیت میں لطیفہ قلبی متحرک ہوتا ہے۔ سرور کے احساسات گہرے ہونے کے بعد تیسری کیفیت وجدان کی ہے۔ وجدان بیداری کا تیسرا وقفہ ہے۔ وجدان میں لطیفہ روحی کام کرتا ہے۔

جس طرح بیداری میں تین وقفے ہیں اسی طرح نیند کے بھی تین وقفے ہیں۔
جس طرح کوئی انسان تین اسٹیج سے گزر کر بیداری میں داخل ہوتا ہے اسی طرح تین Stages سے گزر کر نیند میں داخل ہوتا ہے۔ نیند کے وقفہ کا نام غنود ہے۔ غنود میں لطیفہ سری حرکت میں رہتا ہے۔ نیند کی دوسری حالت جسے ہلکی نیند کہنا چاہئے لطیفہ خفی کی حرکت ہے اور نیند کی تیسری حالت میں جب آدمی پوری طرح گہری نیند سوجاتا ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کی تحریکات ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان تمام حالتوں کے شروع میں انسان پر سکوت کی حالت ضرور طاری ہوتی ہے۔ جس وقت آدمی سو کر اٹھتا ہے اس وقت اس کا ذہن قطعی طور پر پرسکون اور خالی ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری کیفیات میں انسان کی طبیعت لمحوں کے لئے ضرور ساکت ہوجاتی ہے۔ قانون یہ ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہونے کے لئے سکوت کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح بیداری کی حالت میں ہر حالت سکوت سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح غنودگی کے وقت بھی حواس پر ہلکا سا سکوت طاری ہوتا ہے اور چند لمحے گزر جانے کے بعد حواس کا یہ سکوت بوجھل ہوکر غنودگی کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ابتدائی نیند کے چند ساکت لمحات سے ہلکی نیند کی شروعات ہوتی ہیں اور پھر گہری نیند کی ساکت لہریں انسانی جسم پر غلبہ حاصل کرلیتی ہیں۔ یہی غلبہ گہری نیند ہے۔
بیداری ہو یا نیند دونوں کا تعلق حواس سے ہے۔ ایک حالت میں حواس کی

رفتار تیز ہوجاتی ہے اور دوسری حالت میں حواس کی رفتار کم ہوجاتی ہے لیکن حواس کی نوعیت تبدیل نہیں ہوتی۔

بیداری ہو یا خواب دونوں میں ایک ہی قبیل کے حواس کام کرتے ہیں۔
بیداری اور نیند کے لئے دماغ کے اندر دو خانے ہیں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے دو دماغ ہیں۔ ایک دماغ میں حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام بیداری ہے اور دوسرے دماغ میں حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام نیند ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی حواس بیداری اور نیند میں ردوبدل ہورہے ہیں اور حواس کا ردوبدل ہی زندگی ہے۔ جب دماغ کے اوپر کسی ایک حواس کے متعلق سکوت طاری ہوجاتا ہے تو دوسرے حواس متحرک ہوجاتے ہیں۔ بیداری میں حواس کے کام کرنے کا قاعدہ اور طریقہ یہ ہے کہ آنکھ کے ڈھیلے پر پلک کی ضرب پڑتی ہے تو حواس کام کرنا شروع کردیتے ہیں۔ یعنی احساس نیند کے حواس سے نکل کر بیداری کے حواس میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس کی مثال کیمرے سے دی جاسکتی ہے۔ کیمرے کے اندر فلم ہے۔ گلاس بھی موجود ہے اور گلاس کے سامنے مناظر بھی ہیں۔ لیکن اگر کیمرے کا بٹن نہ دبایا جائے اور شٹر میں حرکت واقع نہ ہو تو فلم پر تصویر نہیں بنتی۔ بالکل اسی طرح آنکھ کے ڈھیلے پر اگر پلک کی ضرب نہ پڑے۔ مناظر دماغ کی اسکرین پر فلم نہیں بنتے۔

بیداری میں دیکھنے کا دوسرا قانون۔

پہلا قانون یہ بتایا گیا تھا کہ جب انسان سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو فوری طور پر اسے کوئی خیال آتا ہے اور یہ خیال ہی بیداری اور نیند کے درمیان حدفاصل ہے جب اس خیال میں گہرائی واقع ہوتی ہے تو پلک جھپکنے کا عمل شروع ہوتا ہے اور پلک جھپکنے کے ساتھ ہی دماغ کی اسکرین پر مناظر منتقل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

دیکھنے کا تیسرا قانون۔

علمی حیثیت میں دماغ ایک اطلاع موصول کرتا ہے اور ذہن اس اطلاع میں معانی پہنا دیتا ہے۔ پلک جھپکنے کے عمل کے ساتھ انسانی دماغ میں جو عکس منتقل ہوتا ہے اس کا وقفہ پندرہ سیکنڈ ہے۔ ابھی پندرہ سیکنڈ نہیں گزرتے ایک دو یا زائد مناظر پہلے منظر کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

استرخاء

بیداری میں نگاہ کا تعلق آنکھ کے ڈیلوں اور پلکوں سے براہ راست ہے۔ آنکھ کے ڈیلوں کے اوپر پلکوں کی ضرب انسانی کیمرے کا وہ بٹن ہے جو بار بار تصویر لیتا ہے۔

اگر آنکھ کے ڈیلوں کے اوپر پلک کی ضرب نہ پڑے تو آنکھ کے اندر موجود اعضاء کام نہیں کرتے۔ آنکھ کے اندر موجود اعصاب کی حسیں اسی وقت کام کرتی ہیں جب ان کے اوپر پلک یا آنکھ کے پردوں کی ضرب پڑتی رہے۔ اگر آنکھ کی پلک کو باندھ دیا جائے اور ڈیلوں کی حرکت رک جائے تو نظر کے سامنے خلا آجاتا ہے۔ مناظر کی فلم بندی رک جاتی ہے عمل استرخاء میں اسی بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ آنکھ کے ڈیلوں کی حرکت رک جائے اور آنکھ کے پردے کی ضرب ڈیلوں پر نہ پڑے تاکہ بیداری کی نظر خواب کی نظر میں منتقل ہو جائے۔

ہم جب خواب دیکھتے ہیں تو آنکھ کے ڈیلوں پر پلک کی ضرب نہیں پڑتی۔ آنکھ کے ڈیلوں پر پلک کی ضرب سے یعنی کھلنے اور بند ہونے کے عمل سے مناظر کا عکس دماغ کی اسکرین پر منتقل ہوتا رہتا ہے۔

لطیفہ نفسی کی مسلسل حرکت سے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لطیفہ نفسی کی روشنیاں جب کسی طرف میلان کرتی ہیں تو تمام محسوسات اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ حسیات میں سب سے لطیف حس بصارت ہے چونکہ بصارت سب

سے لطیف حس ہے اس لئے لطیفہ نفسی کی روشنی سے سب سے پہلے متاثر ہوتی ہے۔ یہ روشنی سب سے پہلے خیال سے روشناس کراتی ہے۔ پہلے پہل جب قوت باصرہ حرکت کرتی ہے تو نگاہ خارج کی چیزوں کو داخل میں اور داخل کی چیزوں کو خارج میں دیکھتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسانی ذہن ہر حالت میں آئینہ کا کام انجام دیتا ہے اور روح انسانی اسی آئینے میں خیالات توہمات اور تصورات کو مجسم شکل و صورت میں دیکھتی ہے۔ لطیفہ نفسی کی روشنیاں پوری کائنات کو دیکھتی ہیں اور پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان روشنیوں سے کسی وہم خیال یا تصور کا باہر نکل جانا ممکن نہیں ہے۔ ساری کائنات پر یہ روشنی ایک دائرے کی صورت میں محیط ہے۔ روشنیوں کا یہ دائرہ جویہ ہے۔ جویہ سے مراد لطیفہ نفسی اور لطیفہ قلبی ہے۔ جویّہ کی روشنیاں ذات انسانی کو لامتناہی حدوں تک وسیع کر دیتی ہیں۔ جویّہ کو متحرک کرنے اور جویّہ کی تمام وسعتوں سے باخبر ہونے کے لئے نیند کے اوپر کنٹرول حاصل کرنا ضروری ہے اور روحانی تعلیمات میں اس کوشش کا پہلا سبق دن اور رات کے اندر ۲۱ گھنٹے ۲۰ منٹ جاگ کر پورا کیا جاتا ہے۔ یعنی چوبیس گھنٹوں میں ۲ گھنٹے ۴۰ منٹ نیند کے لئے کافی ہیں۔ بیدار رہنے کے اس عمل کے ساتھ ساتھ یا نیند کے اوپر کنٹرول حاصل ہو جانے کے بعد دوسرا سبق پلک جھپکائے بغیر تاریکی میں نظر جمانا ہے۔

قانون آپ حضرات سمجھ چکے ہیں کہ دیکھنے کا عمل ڈیلوں کے اوپر پلکوں کی ضرب سے واقع ہوتا ہے۔ ۲۱ گھنٹے ۲۰ منٹ تک جاگنے کے عمل کو تکوین اور تاریکی میں پلک جھپکائے بغیر نظر جمانے کو استرخاء کہتے ہیں۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

اندر کی آواز

ساری کائنات اور کائنات کے اندر تمام نوعیں اور افراد ایک مرکزیت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مختلف مراحل اور زندگی کے مختلف زمانے ظاہری نظروں سے الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن زمانے کے نشیب و فراز اور زندگی کے مراحل میں تغیر و تبدل کتنا ہی کیوں نہ ہو سب کا تعلق مرکزیت سے ہے۔ مرکزیت کے درمیان لہریں یا شعاعیں واسطہ ہیں۔ ایک طرف مرکزیت سے لہریں یا شعاعیں نزول کر کے افراد کائنات کو فیڈ کرتی ہیں اور دوسری طرف فرد کے اندر نزول ہونے کے بعد صعود کرتی ہیں۔ نزول و صعود کا یہ سلسلہ ہی زندگی ہے۔ مختصر یہ کہ ساری کائنات میں لہر یا شعاع دور کرتی رہتی ہے۔ شعاع اور لہر کے دورانیہ کو دیکھتے ہوئے جو کائنات کی صورت بنتی ہے اس کو دائرے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

یعنی پوری کائنات ایک دائرہ ہے اور یہ دائرہ جب صعودی اور نزولی حرکت کرتا ہے تو چھ دائرے بن جاتے ہیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "فی ستہ ایام" کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں نے کائنات کو چھ دن میں بنایا ہے۔ کائنات اور افراد کائنات کے پہلے دائرے کا نام لطیفہ نفسی ہے۔

مثال: لطیفہ نفسی ایک چراغ ہے جس میں سے روشنی نکل رہی ہے۔ چراغ کی اس روشنی یا لو کا نام نگاہ ہے۔ چراغ کی لو ہوتی ہے جہاں لو ہوگی وہاں کا

ماحول روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ جہاں تک لو کی روشنی پڑتی ہے یہ خود کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ چراغ کی لو میں بے شمار رنگ ہیں جتنے رنگ ہیں اتنی ہی کائنات میں رنگینیاں ہیں۔ چراغ کی لو کی روشنی ہلکی' مدھم' تیز اور بہت تیز ہوتی رہتی ہے۔ جن چیزوں پر روشنی بہت ہلکی پڑتی ہے ان چیزوں سے متعلق ہمارے دماغ میں تواہم پیدا ہوتا ہے اور جن چیزوں پر روشنی ہلکی پڑتی ہے ان چیزوں سے متعلق ہمارے دماغ میں خیال پیدا ہوتا ہے اور جن چیزوں پر لو کی روشنی تیز پڑتی ہے ان چیزوں کا ہمارے ذہن میں تصور بنتا ہے اور جن چیزوں پر لو کی روشنی بہت تیز پڑتی ہے ہماری نگاہ ان کو دیکھ لیتی ہے۔

کسی چیز کو دیکھنے کے لئے ہم چار مراحل سے گزرتے ہیں۔ کسی چیز کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے اس چیز کا ہلکا سا وہم دماغ پر وارد ہوتا ہے یعنی چیز سے متعلق خاکوں میں نسبتاً گہرائی واقع ہوتی ہے۔ وہم میں جب گہرائی واقع ہوتی ہے تو خیال بن جاتا ہے۔ خیال میں گہرائی پیدا ہوتی ہے تو چیز کے نقش و نگار ذہن پر زیادہ گہرے ہو جاتے ہیں۔ نقش و نگار کی ان گہرائیوں کا نام تصور ہے اور جب یہ نقش و نگار تصور میں خدوخال میں ظاہر ہونے لگتے ہیں تو وہ چیز جس کو نگاہ دیکھ رہی ہے نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔

لطیفہ نفسی کے چراغ کی لو کی روشنیاں جب پھیلتی اور بکھرتی ہیں اور باصرہ کی حس کا بار بار اعادہ ہوتا ہے تو درجہ بدرجہ باقی چار حسیں ترتیب پاتی ہیں۔ لطیفہ نفسی کی روشنی کا زیادہ سے زیادہ مصروف ہو جانا اور بکھر جانا پانچوں حسیات کی تخلیق کا سبب بنتا ہے۔

مرشد کریم کے تصرف سے اگر سالک لطیفہ نفسی سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے تو وہ وہم خیال تصور اور شے کے مظاہراتی وجود کے قانون سے واقف ہو جاتا ہے

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے لطیفہ نفسی کو ایک روشن چراغ سے تشبیہ دی ہے اور کائنات کو دائرہ کہا ہے۔ یعنی دائرے میں ایک چراغ روشن ہے اس روشن چراغ کی روشنی ہی دائروں کو منور کرتی ہے۔ یہ روشنی جو دائروں کو روشن رکھے ہوئے ہے دائرے کو دیکھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ چراغ کی لو کائنات کے دائرے پر پڑتی ہے تو کائنات روشن ہوجاتی ہے۔ یعنی چراغ کی لو کائنات کو دیکھ رہی ہے اور جہاں جہاں لو کی روشنی جس جس مناسبت اور فاصلے سے دور یا قریب سے منعکس ہوتی ہے' اسی مناسبت سے نگاہ میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ جن چیزوں کے اوپر چراغ کی روشنی بہت ہلکی پڑتی ہے ان چیزوں سے متعلق ہمارے ذہن میں ایک وہم پیدا ہوتا ہے۔ کسی چیز سے متعلق ایک ہلکا خاکہ ذہن محسوس تو کرتا ہے لیکن شعور اس کا دباؤ محسوس نہیں کرتا۔ یہ بہت ہلکی روشنی جب ہلکی ہوتی ہے تو وہم کا بہت ہلکا خاکہ بنتا ہے اور خاکے میں جب گہرائی پیدا ہوجاتی ہے تو خیال بن جاتا ہے۔ پھر اس خیال میں بھی گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ خیال میں گہرائی پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لو کی روشنی تیز ہوجاتی ہے۔ جہاں روشنی تیز ہوجاتی ہے۔ کائناتی دائرے کے اندر موجود چیزوں کا تصور ذہن پر وارد ہونے لگتا ہے۔ تصور کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا نقش دماغی اسکرین پر اس طرح ابھر آئے کہ دماغ اور شعور وزن محسوس کرے اور دماغ اس کے خدوخال دیکھنے لگے اور جن چیزوں پر چراغ کی روشنی بہت تیز پڑتی ہے وہ چیزیں تصور سے گزر کر مظہر بن جاتی ہیں۔ اس میں بہت ہی عجیب نکتہ ہے کہ کوئی چیز جو ہم دیکھ رہے ہیں آنکھ نہیں دیکھ رہی بلکہ روشنی آنکھ بن جاتی ہے۔ روشنی بصارت بن جاتی ہے روشنی نگاہ بن جاتی ہے۔ روشنی نگاہ بننے کے بعد دور اور قریب سے مظاہرہ کرتی ہے تو اس دوری یا قربت کی بنیاد پر کسی چیز کو دیکھنے سے پہلے چار مرحلے آتے ہیں۔ کسی چیز کو نگاہ کے ساتھ دیکھنا اس وقت ممکن ہے جب لطیفہ نفسی کی روشنی بہت دور ہو' بہت دور سے مراد بہت ہلکی ہو یا کم ہو پھر تیز ہو

اور بہت تیز ہو۔ جہاں لطیفہ نفسی کی روشنی بہت ہلکی ہے اس کا نام وہم ہے۔ جہاں لطیفہ نفسی کی روشنی ہلکی ہے اس کا نام خیال ہے اور جہاں لطیفہ نفسی کی روشنی تیز ہے اس کو تصور کہتے ہیں اور جہاں روشنی بہت تیز پڑتی ہے وہ شے نگاہ کے لئے مظہر بن جاتی ہے۔

اس قانون سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بہت ساری مشقیں ہیں۔ جن میں ایک مشق "استرخاء" ہے۔

کسی چیز کو توہماتی طور پر خیال کے دائرے میں یا تصوراتی اور مظاہراتی طور پر دیکھنے کا قانون یہ ہے کہ سالک کے اوپر مختلف صورتیں وارد ہوتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عمل استرخاء سے سماعت حرکت میں آجاتی ہے۔ سماعت سے مراد یہ ہے کہ روح کے اندر وہ روشنیاں جو ہلکی ہیں اور خیالات بن رہی ہیں آواز بن جاتی ہیں۔ یہ عمل استرخاء کا پہلا قدم ہے عام طور پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلے نظر کھل جاتی ہے اور پھر سماعت بیدار ہوتی ہے۔

کائنات میں موجود کسی انسان کسی فرشتے کسی پرندے کے اندر جو روشنی خیال بن رہی ہے سماعت بن کر گونجنے لگتی ہے۔ ایک گونجار پیدا ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی مقام ہے کہ جب وحی نازل ہوتی ہے تو کانوں میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور گھنٹیوں کی آواز آتی ہے۔ عمل استرخاء میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مادی چیزیں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ مسلسل بیدار رہنے اور نیند کے اوپر کنٹرول حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اگر سیاہ مرچوں کا سفوف روئی کے پھووں پر لگا کر کانوں میں رکھا جائے تو اس سے دماغ کے اندر خیال بننے والی روشنیاں Echo ہونے لگتی ہیں۔ جب آدمی عمل استرخاء میں روئی کے پھووں پر سیاہ مرچ کا سفوف چھڑک کر کانوں میں رکھتا ہے اور مراقبہ کرتا ہے تو اسے دور پرے کی چیزیں اپنے اندر گونجتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی

عمل استرخاء کے بعد مراقبہ کررہا ہے۔ اس کے کانوں میں روئی کے پھوئے رکھے ہوئے ہیں۔ اس کا خیال کسی فیکٹری کی طرف چلا جاتا ہے فیکٹری میں چلنے والی مشینوں کی آواز وہ باہر سننے کی بجائے اپنے اندر سنتا ہے۔ علیٰ ہذالقیاس وہ دوسری آوازیں بھی اپنے اندر سننا شروع کردیتا ہے۔ سننے کی حس کے بعد عمل استرخاء میں سونگھنے اور چھونے کے حواس بیدار ہوتے ہیں۔ لاکھوں سال کے فاصلے پر اگر خوشبو کی طرف ذہن متوجہ ہوجائے تو آدمی اس خوشبو کو سونگھ لیتا ہے۔ اسی طرح کوئی چیز لاکھوں میل کے فاصلے پر موجود ہے اور خیال اس کے چھونے کی طرف منتقل ہوگیا تو آدمی اس کا لمس محسوس کرتا ہے۔

ذاتی تجربہ

حضور قلندر بابا اولیاءؒ جس وقت یہ قانون لکھوا رہے تھے میرا ذہن کشمیر میں زعفران کے کھیتوں کی طرف مرکوز ہوگیا۔ کشمیر میں کھیتوں کا تصور قائم کرکے میں نے لمبے لمبے سانس لینا شروع کردیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کمرہ اور گھر کا صحن زعفران کی خوشبو سے معطر ہوگیا۔ باہر سے آنے والے مہمانوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا کہ اتنی تیز زعفران کی خوشبو کہاں سے آرہی ہے؟

لیکچر ۱۲

لاعلمی بھی علم ہے

جب بھی کسی علم کا تذکرہ ہوتا ہے دو باتیں لازماً درپیش آتی ہیں۔ علم کا منفی پہلو اور علم کا مثبت پہلو۔ جب ہم انکار کرتے ہیں تو دراصل ہم کسی "ہے" کی نفی کرتے ہیں۔ یعنی کوئی چیز موجود ہے اگر کوئی چیز موجود نہ ہو تو اس کا تذکرہ ہی نہیں ہوگا۔ ہم جب علم کے بارے میں کچھ کہتے ہیں تو علم کے بارے میں ہمارے ذہن میں معانی ہوتے ہیں۔ اور جب ہم انکار کرتے ہیں تو نفی کو قبول کرتے ہیں۔ یعنی ہم ایسی چیز کا تذکرہ کرتے ہیں جس کے ہونے کا ہم کو علم حاصل نہیں ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ لاعلمی کا نام "نفی" ہے اور علم کا نام "اثبات" ہے۔ جب تک ہم لاعلمی سے واقف نہیں ہوتے۔ اس وقت تک علم کے دائرے میں قدم نہیں بڑھا سکتے۔ یعنی لاعلمی بھی ایک علم ہے۔ روحانی لوگ لاعلمی کی معرفت کو "علم لا" اور علم کی معرفت کو "علم اِلاّ" کہتے ہیں۔ نور کی ایک تجلی کا نام "لا" ہے اور دوسری تجلی کا نام "اِلاّ" ہے۔

جب سالک علم لا سے واقف ہوجاتا ہے یا اپنے لاشعور سے متعارف ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اس کی نفی کردے۔ خارجی دنیا کے توہمات، تصورات اور خیالات کو عارضی طور پر بھول جائے اگر وہ ایسا نہیں کرے گا علم سے واقف نہیں ہوگا۔ ایک پڑھا لکھا آدمی جب نیا علم سیکھتا ہے تو اس کی حیثیت نرسری کے بچے کی طرح ہوتی ہے۔ علم سیکھنے کے لئے موجود علم کی نفی کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ اپنی علمی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے کوئی نیا

علم سیکھنا چاہتا ہے تو وہ نیا علم نہیں سیکھ سکتا مثلاً انگریزی پڑھا لکھا آدمی جب اردو پڑھے گا تو اسے الف ب پڑھنے کے لئے A, B, C, D پر اصرار نہیں ہوگا۔

ایک چھوٹا بچہ ہے جو قاعدے کے ابتدائی حروف سے بھی واقف نہیں ہے اس کو ہم کسی استاد کی شاگردی میں لے جاتے ہیں۔ استاد لاعلمی کو علمی دائرے میں جب داخل کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے !"الف" بچہ سمجھے بغیر استاد کی نقل میں الف کہتا ہے۔ اور وہ بتدریج حروف کی شناخت کر کے اپنی لاعلمی کو علم میں منتقل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر یہی بچہ استاد کی بات تسلیم نہ کرے تو وہ علم نہیں سیکھ سکتا۔ مثلاً ایک باپ، اپنے بیٹے کے ساتھ مکتب میں جاتا ہے۔ استاد بچے سے کہتا ہے۔ الف۔ باپ اپنے بچے سے یہ کہتا ہے کہ بیٹا استاد سے پوچھو کہ الف کیوں ہے؟ یا الف۔ ب، کیوں نہیں ہے تو نتیجتاً بچہ عالم نہیں بنے گا۔ ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ جب تک ہم لاعلمی کی معرفت حاصل نہیں کرتے، ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہوتا۔

کئی مرتبہ لوگ سوال کر بیٹھتے ہیں کہ اللہ سے پہلے کیا تھا۔ یہ ایسا سوال ہے کہ جس سے ہر باشعور آدمی کبھی نہ کبھی پریشان ہوتا ہے۔ جو لوگ تفکر سے واقف نہیں ہیں وہ اس سوال کو محض ایک خیال یا وسوسہ کہہ کر گزر جاتے ہیں لیکن جن لوگوں کے ذہن میں گہرائی ہے ان کا ذہن اس سوال کا بار بار اعادہ کرتا ہے اور اگر جواب نہیں ملتا تو وہ خدا کی ذات سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

بات صرف یہ ہے کہ وہ علم کو عقل سے اور اِلّا کے ذہن سے علم لا کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

جب سالک کا ذہن پوری طرح علم لا یا وحدانیت کے تصور کو سمجھ لیتا ہے تو وہ اللہ کی معرفت میں پہلا قدم اٹھا دیتا ہے۔ پہلے پہل اسے اپنی ذات کا عرفان حاصل ہوتا ہے اور تلاش کرنے کے باوجود وہ خود کو کہیں نہیں پاتا۔ جب اس کے

علم کی نفی ہو جاتی ہے تو اللہ کی وحدانیت کا صحیح احساس اور معرفت کا صحیح مفہوم اس کے احساس میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کو فنائیت کہتے ہیں۔ جب سالک لا کے انوار کو اپنے ادراک کی گہرائیوں میں محسوس کرنے لگتا ہے تو شعور سے بالاتر ہو کر لاشعور میں داخل ہو جاتا ہے اور جب وہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ اس کی اپنی ذات کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس کا علم نفی کا درجہ رکھتا ہے تو اس کے اندر استغراق پیدا ہو جاتا ہے۔ استغراق کو حاصل کرنے کے لئے تفہیم میں پہلا مرحلہ مسلسل بیدار رہنے کا عمل ہے۔ مسلسل بیدار رہنے یعنی بہتر (۷۲) گھنٹے تک جاگنے اور اس کے بعد دو گھنٹے ۴۵ منٹ کی نیند کی مشق کرنے سے سالک کے اندر قوت القا پیدا ہو جاتی ہے۔ قوت القا سے اس فکر کی بنیادیں پڑ جاتی ہیں جس فکر کے دائرے میں "علم لا" کے انوار اپنی وسعتوں کے ساتھ موجود ہیں۔ غور و فکر اور بیدار رہنے کی کوشش کے ذریعے اس فکر میں آب و تاب اور توانائی آنے لگتی ہے جب یہ توانائی نشو و نما پا چکتی ہے۔ تو "لا" کے انوار "ورود" میں آنکھ کے سامنے آجاتے ہیں۔

تفکر جب قوت القا کو اور زیادہ لطیف بنا دیتا ہے تو حضرت خضرؑ اولیاء تکوین اور ملائکہ نظر کے سامنے آنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد مسلسل توجہ اور مراقبہ کرنے سے سالک اولیاء تکوین اور ملائکہ کی گفتگو سننے لگتا ہے۔ رفتہ رفتہ اولیاء اللہ کی ارواح اور فرشتوں سے سوال و جواب کی نوبت آجاتی ہے اور سالک کے اوپر غیب کی دنیا روشن ہو جاتی ہے اور غیبی انتظامات کا انکشاف ہونے لگتا ہے۔ لا کے مراقبے میں آنکھوں کو زیادہ سے زیادہ بند رکھنے کا اہتمام ضروری ہے۔

"لا" کا مراقبہ

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رخ کو ہم علم کہتے ہیں اور جن چیزوں سے ہم ناواقف ہیں اس کا نام لاعلمی رکھتے ہیں۔ لیکن جب لاعلمی کا تذکرہ کرتے ہیں تو

بہرصورت ہم اس علم کا تذکرہ کرتے ہیں جس علم سے ہم ناواقف ہیں۔ علم کی کوئی حیثیت ہو وہ علم ہو یا لاعلمی، دونوں کا تعلق بصارت سے ہے۔ تلاش یہ کرنا ہے کہ ظاہر آنکھ سے دیکھنے میں اور روحانی آنکھ سے دیکھنے میں کیا فرق ہے۔ ظاہرا حالات میں جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس دیکھنے کی طرز کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ نگاہ کا ٹکراؤ کسی چیز کے دیکھنے کا سبب بنتا ہے اور جب ہم نگاہ کے ٹکراؤ یا نگاہ کے دیکھنے کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ آنکھ کے ڈیلوں پر پلک کی ضرب پڑتی ہے۔

آنکھ کے ڈیلے کے اوپر پلک کی ضرب پڑتی رہے تو چیزیں نظر آتی رہتی ہیں۔ دوسری طرز یہ ہے کہ آنکھ کا ڈیلا حرکت نہ کرے اور نہ ہی ڈیلے کے اوپر پلک کی ضرب پڑے تب بھی سب کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ یہ دیکھنا باطن میں دیکھنا ہے یا روح کی آنکھ کی بینائی ہے۔ اس کا تجربہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ آنکھیں کھول کر آدمی بیٹھ جائے اور آنکھوں کے سامنے کوئی ایک ٹارگٹ بنالے۔ سفید کاغذ پر ایک سیاہ دائرہ بنا کر اس کے اوپر نظر جماوے۔ اس طرح کہ پلک کی حرکت ساکت ہوجائے اور ڈیلوں کا ہلنا بند ہوجائے۔

جب حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے اوپر استغراق کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ میں نے بہت غور سے ان کی آنکھوں کا مطالعہ کیا ہے ایسا لگتا تھا کہ کسی ایک نقطے پر آنکھ مرکوز ہوگئی ہے نہ پلک جھپکتی تھی نہ ڈیلے میں حرکت ہوتی تھی۔ بعض اوقات یہ حرکت ایک ایک گھنٹے تک قائم رہتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ قلندر بابا اولیاءؒ کے سینہ میں لاکھوں دائرے ہیں اور ہر دائرہ میں کوئی مخلوق بندھی ہوئی ہے۔ ان کے دماغ سے نورانی لہر ہر دائرہ کو حرکت دے رہی ہے اور پوری کائنات میں ان کا تصرف جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں نے تمہارے لئے مسخر کردیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب۔ (القرآن)

لا کا مراقبہ دراصل ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہم علمی اعتبار سے مادی جسم میں موجود رہتے ہوئے عقل و شعور کے اعتبار سے جو کچھ جانتے ہیں اس کی نفی کردیں اور نفی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیداری میں بینائی جس طرح کام کرتی ہے اس کے طریقہ کار کو بدل دیا جائے یعنی آنکھ کے ڈیلوں کو زیادہ سے زیادہ معطل کردیا جائے۔ آنکھ کے ڈیلوں کے تعطل میں جتنا اضافہ ہوتا ہے اسی مناسبت سے باطنی نگاہ کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اگر ڈیلوں میں پوری طرح تعطل واقع ہوجائے تو لطیفہ نفسی کا کام معطل ہونے لگتا ہے چونکہ لطیفہ نفسی کو نہر تطہیر فیڈ کررہی ہے تعطل واقع ہونے سے لطیفہ نفسی میں نہر تطہیر کی روشنیوں کا اتنا زیادہ ذخیرہ ہوجاتا ہے کہ روشنیاں Over Flow ہوجاتی ہیں۔ روشنیوں کا یہ ابال باطنی نگاہ یا باطنی نگاہ کی حرکت کا سبب بن جاتا ہے۔ باطنی نگاہ جب بیدار ہوجاتی ہے اور مسلسل مشق کے ذریعے اس بیداری کو قائم رکھا جاتا ہے تو باطنی نگاہ تیز ہوجاتی ہے اور نگاہ کی تیزی ایسی نگاہ کا ذریعہ بن جاتی ہے جو نگاہ مادی خول میں بند ہوکر اور مادی خول سے آزاد ہوکر بیک وقت عالم دنیا اور عالم غیب میں دیکھتی ہے۔ ظاہر اور باطن دونوں دنیاؤں میں بیک وقت دیکھنا تصوف کی اصطلاح میں شہود کہلاتا ہے۔

جب ہم ایک چیز کو دیکھنے کے بعد دوسری چیز کو دیکھتے ہیں یا ایک منظر سے نکل کر دوسرے منظر میں داخل ہوتے ہیں تو پلک جھپکنے کے ساتھ ساتھ روشنیوں کا تعلق عارضی طور پر منقطع ہوجاتا ہے۔ تعلق کا انقطاع اور تعلق قائم ہونے میں وقفہ، اطلاع فراہم کرتا ہے کہ میں نے کیا دیکھا ہے۔ اگر ہم بیداری میں دیکھی ہوئی چیزوں کو روحانی طرزوں میں بیدار کرنا چاہیں تو ہمیں بیداری میں دیکھنے کی

www.islamiurdubook.blogspot.com

طرزوں کے خلاف اہتمام کرنا پڑے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہم اپنے ارادے اور اختیار سے آنکھ کو بند کرکے آنکھ کے ڈیلوں کو معطل اور غیر متحرک کردیں۔ آنکھ کے ڈیلوں کو معطل کرنے کے لئے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ سالک اندھیرے میں آنکھ جھپکائے بغیر نظر جمائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ارادے سے آنکھ بند کرکے آنکھوں کے اوپر کوئی روئیں دار کپڑا یا تولیہ اس طرح باندھ لے کہ آنکھوں کے ڈیلوں کی حرکت غیر متحرک ہوجائے۔ جب ہم دیکھنے کے مادی طریقے کو معطل کردیتے ہیں تو روح کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

لیکچر ۱۳

قوت القا

جس چیز کو ہم جانتے ہیں اور جن جذبات و احساسات سے ہم واقف ہیں اس کا نام شعور ہے اور جن خیالات کو نہیں جانتے ان کا نام لاشعور ہے۔ یہ جاننا اور نہ جاننا دونوں انسان کے اندر موجود ہیں۔ ان طرزوں کو جو ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آسکی ہیں، "لا" کہا جاتا ہے۔ لا کی طرزوں میں داخل ہونے کے لئے اور لا کی طرزوں سے متعارف ہونے کے لئے ہمیں اِلّا کی نفی کرنی پڑتی ہے۔ مادی دنیا میں زماں و مکاں کی جس زندگی سے ہم واقف ہیں اور جو زندگی ہمارے اوپر مسلط ہے اس کی نفی کرکے ہی ہم علم لا میں داخل ہوسکتے ہیں۔ علم لا سے واقفیت "القا" ہے۔

القا کی چار قسمیں ہیں۔ جنہیں تنزلات کہا جاتا ہے۔

پہلا تنزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات جس طرح تھی اس کا مظاہرہ ہوگیا۔ یہ مظاہرہ "علم القلم" ہے۔ تنزل دوم میں اللہ کے اسرار و رموز تجلیات میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ تجلیات مشیت ایزدی کا پورا احاطہ کرلیتی ہیں۔ تنزل سوم میں اسرار و رموز لوح محفوظ کے نقش و نگار کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ یہی نقش و نگار "تقدیر مبرم" ہے۔ تیسرے تنزل کے بعد جب کوئی شے عالم ناسوت کی حدود میں داخل ہوکر عنصریت کا لباس پہنتی ہے اور مکانیت کی بنیاد پڑتی ہے اسے تنزل چہارم کہتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر زمانے میں اختراعات و ایجادات کا سلسلہ دور

ازلیہ سے قیامت تک اور قیامت کے بعد ابد الآباد تک جو جو نئے اعمال پیش آتے رہیں گے دور ازلیہ کی حدود سے باہر نہیں ہیں۔ ابد تک ممکنات کا ہر مظاہرہ ازل ہی کے احاطے میں مقید ہے۔ اس ہی لئے علم القلم کا جو بھی تنزل پیش آرہا ہے یا پیش آئے گا وہ علم القلم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں لوح محفوظ کا مالک ہوں جس حکم کو چاہوں برقرار رکھوں اور جس حکم کو چاہوں منسوخ کردوں۔

ترجمہ :۔ ہر وعدہ ہے لکھا ہوا مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور رکھتا ہے (جو چاہے) اور اس کے پاس ہے اصل کتاب۔ (سورہ رعد آیت ۳۸۔۳۹)

مثال : ایک مشین ہے، مشین کو چلانے والا کوئی آپریٹر ہے۔ مشین کے اوپر ایک فلمی ریل ہے اس ریل کا عکس کئی Lenses سے گزر کر خلا میں ہوتا ہوا پردے پر ظاہر ہوتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آدمی سینما میں بیٹھا ہوا ہے پردے کے اوپر متحرک تصویریں ہیں اس کی نظر نہ تو خلا میں ہوتی ہے نہ مشین پر ہوتی ہے نہ ان Lenses کو دیکھتا ہے جن سے گزر کر تصویریں پردے پر آرہی ہیں۔ نہ ہی اس کے سامنے مشین چلانے والا آپریٹر ہوتا ہے لیکن پردے کے اوپر خدوخال کے ساتھ تصویریں متحرک ہوتی ہیں۔ آنکھ ان تصاویر کو دیکھتی ہے۔

یوں سمجھئے کہ جب تک مخلوق اللہ کے ذہن میں تھی خدوخال نہیں تھے لیکن واجب کے لینس سے گزرنے کے بعد جیسے ہی لوح محفوظ میں قدم رکھا حکم کے خدوخال مرتب ہوگئے۔ پھر عالم تمثال میں یہ تصویریں وجود میں آگئیں لیکن ان تصویروں میں جسد خاکی کا لباس ظاہر نہیں ہوا۔ جب تک خدوخال کے اوپر جسد خاکی یا جسمانی لباس نہیں آتا تصویر احساس سے روشناس نہیں تھی۔

(۱) القا کی پہلی منزل میں موجودات اللہ کے علم میں موجود ہیں۔ لیکن ان

میں خدوخال نہیں بنے تھے۔

(۲) احکامات اور تصویروں نے اس وقت خدوخال اختیار کئے جب وہ لوح محفوظ پر نقش ہوئیں۔

(۳) اور جب احکامات لوح محفوظ سے گزر کر برزخ میں آئے تو روشنیوں کا جسم بن گیا۔

(۴) جب یہ تصویریں جسد خاکی کا لباس پہن لیتی ہیں ان میں مکانیت اور زمانیت کا احساس پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ خود کو زمانیت اور مکانیت میں قید محسوس کرتی ہیں۔ یہی القا کی چوتھی منزل ہے۔

سالک مجذوب، مجذوب سالک

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کا نام علم حصولی ہے اور دوسرے رخ کا نام علم حضوری ہے۔ علم حصولی وہ علم ہے جو زمانیت و مکانیت کی حد بندیوں کے ساتھ شعور میں رہتے ہوئے حاصل کیا جائے۔ جتنے بھی کتابی علوم رائج ہیں وہ سب علم حصولی کے دائرے میں آتے ہیں۔

علم حضوری وہ علم ہے جو مکانیت اور زمانیت کی حدبندیوں سے آزاد ہے۔ علم حضوری سیکھنے والے طلباء و طالبات کو دو ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک کا نام سالک مجذوب ہے اور دوسرے کا نام مجذوب سالک ہے۔ سالک ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو نوافل اور ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ باطنی کیفیات میں داخل ہوجاتا ہے لیکن اگر نماز روزہ ادا کرنے کے بعد وہ باطنی کیفیات سے روشناس نہیں ہوا مخصوص قسم کی وضع قطع اور مخصوص لباس پہن کر اسے اپنے نفس کا عرفان حاصل نہیں ہوا تو ایسے شخص کو سالک نہیں کہا جا سکتا۔

سالک کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ پر اس طرح عمل کیا جائے کہ اس میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور اسے عبادات اور نوافل کے ذریعہ پہلے خود اپنا عرفان

www.islamiurdubook.blogspot.com

حاصل ہو اور پھر اللہ کا عرفان حاصل ہو جائے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

سالک کے لئے ضروری ہے کہ اس کی افتادِ طبیعت میں اس کی طرز فکر میں اس کے اعمال و حرکات میں، اس کی زندگی کے شب و روز میں اللہ کی صفات کا رنگ شامل ہو۔ اللہ کی محبت سے اس کے لطائف رنگین ہوں۔ کچھ لوگ اس شخص کو سالک کہتے ہیں جو روحانیت کا متلاشی ہے اور روحانیت کو تلاش کرنے میں مصروف ہے۔ اس کو بھی سالک نہیں کہتے۔ فی الواقع سالک وہی ہے جس کے لطائف رنگین ہو چکے ہوں۔ رنگینی سے مراد ہمیشہ دوری ہوتی ہے۔ روحانیت میں سفر کرنے والا طالب علم جب تک اپنی مادی سوچ مفروضہ اور فکشن حواس کی طرز فکر سے خود کو دور نہیں کرلیتا اس وقت تک اس کے لطائف میں رنگینی پیدا نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ روحانی سفر کرنے والے کو شیخ یا صاحب ولایت کہتے ہیں۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ روحانی سفر وہی شخص کرتا ہے جس کے لطائف رنگین ہو جاتے ہیں۔ شیخ یا صاحب ولایت اس شخص کو کہتے ہیں جو توحید افعالی سے ترقی کر کے توحید صفات کی منزل میں داخل ہو جائے۔ میری تحقیق کے مطابق شیخ صاحبان کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کا علم اتنا محدود ہوتا ہے کہ ان حضرات کو خواب کی علمی حیثیت کا بھی پتہ نہیں ہوتا اور وہ روحانیت کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ روحانیت کو ایک کھیل تماشہ بنا دیا گیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے ایک استاد جو علم جانتا ہی نہیں ہے وہ اپنے شاگردوں کو کیا پڑھائے گا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں پچیس فیصد لوگ روحانی ہوتے تھے۔ آج چودہ سو سال کے بعد یہ Percentage اس قدر کم ہو گئی ہے کہ فی زمانہ ساڑھے گیارہ لاکھ آدمیوں

میں ایک آدمی روحانی ہے۔ وجہ وہی ہے کہ بظاہر سالک اور منزل رسیدہ لوگوں میں روحانی علوم نفی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سالک مجذوب کی تعریف میں لوگ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں جو لوگ پاگل اور بدحواس ہوتے ہیں لوگ انہیں مجذوب کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ جو بندہ اللہ کے ذاتی علوم کا وارث ہے وہ پاگل کیسے ہو سکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مجذوب سالک سے افضل ہے لیکن یہ فیصلہ کیسے کیا جائے کہ سالک کون ہے؟ اور سالک مجذوب کون ہے؟ مجذوب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایسے عالم میں داخل ہوجاتا ہے جہاں اللہ خود اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ قرب فرائض اور قرب نوافل کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ قرب نوافل میں وہ تمام احکامات شامل ہیں جو ہر معاشرے میں رائج ہیں اور جن میں معاشرے کا ہر فرد بندھا ہوا ہے۔ مثلاً نماز روزہ حج زکوۃ حقوق العباد عبادات اذکار مراقبہ جات وظائف و اوراد وغیرہ قرب نوافل کے دائرے میں آتے ہیں۔ قرب نوافل کے ذریعے کسی آدمی کے لطائف رنگین ہو جاتے ہیں اور لطائف کی رنگینی کے بعد وہ سالک کہلانے کا مستحق ہے۔ لیکن توحید ذاتی میں داخل ہونے کے لئے بندے کے اندر اس طرز فکر کا متحرک ہونا ضروری ہے جو اللہ کی اپنی طرز فکر ہے۔

مجذوب ایسی طرز فکر رکھتا ہے جس طرز فکر میں وہ اللہ کی مشیت کے ساتھ ہم رشتہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ "وہ لوگ جو علم میں راسخ اور مستحکم ہیں، وہ اس علم سے واقف ہیں جو اللہ کا ذاتی علم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہر بات ہر امر اور ہر حکم اللہ کی طرف سے ہے"۔

یاد رکھئے! یقین مشاہدے سے مشروط ہے۔ جب تک کسی چیز کا مشاہدہ نہ ہو جائے یقین مکمل نہیں ہوتا۔ جس شخص کی روح میں فطری طور پر افتادِ طبیعت

کے طور پر انسلاخ واقع ہوتا ہے یعنی اس کے اندر علم راسخ ہوتا ہے، کائنات اور غیب کی دنیا اس کے مشاہدے میں آجاتی ہے۔ وہ ظاہری طور پر اور باطنی طور پر یہ سمجھتا ہے کہ غیب کے پیچھے ایک تحقق موجود ہے اور اس تحقق کے اشارے پر ہی مخفی دنیا قائم ہے اور اس عالم مخفی کے اعمال و حرکات ہی کائنات ہے۔ قرآن پاک میں جہاں اللہ نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ اسے اچک لیتا ہے مجذوب کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اسے اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

★

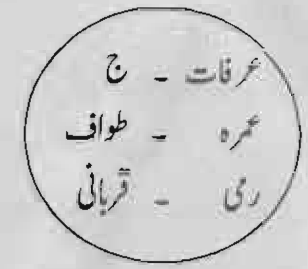
لیکچر ۱۴

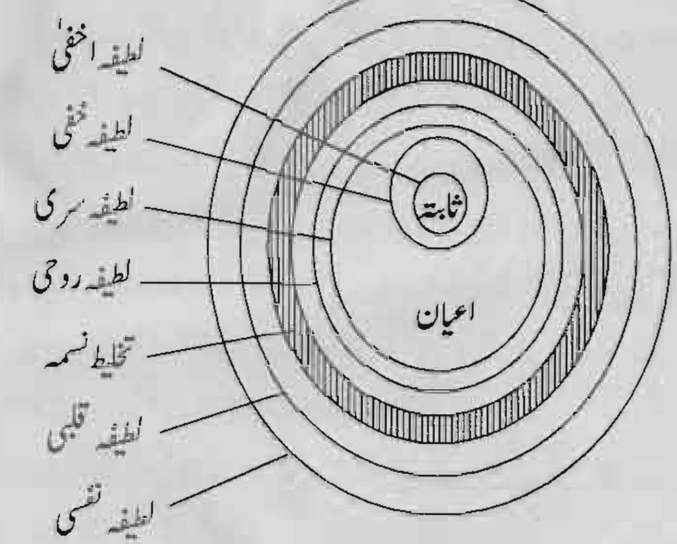
نسبتِ علمیہ

تصوف اور روحانیت کے بارے میں عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ نے روحانی علوم یا تصوف کی تدوین نہیں کی۔ چونکہ صحابہ کرام کے زمانے میں روحانی علوم کی تدوین نہیں ہوئی اور روحانی علوم کے بارے میں ایسے مشاہدات نہیں ہیں جن کو سند مان کر تصوف و روحانیت کو تسلیم کرلیا جائے۔ بعض حضرات کا یہ خیال بھی ہے کہ یہ پرانا علم ہے جو ہندوازم سے تعلق رکھتا ہے یا اس علم کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو عیسائی یہود اور راہب ہیں۔ یعنی انہوں نے دنیا کی دلچسپیاں ختم کر کے دنیا کے ہنگاموں سے اپنا رشتہ منقطع کر کے ایک ایسی راہ اختیار کی ہے جو عوام الناس کو دنیا سے دور کردیتی ہے۔ کائنات اور کائنات کے اندر موجود رنگینیاں اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا نہیں کیں کہ آدمی ان سے فرار اختیار کر کے بیاباں یا کسی گوشے میں بیٹھ جائے۔ تصوف کے بارے میں اس قسم کے اعتراضات ہمیشہ اٹھتے رہے ہیں۔

نوعِ انسانی نوعِ جنات کا تعلق اللہ تعالیٰ سے دو طریقوں پر قائم ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے اللہ کی تجلی کسی بندے کو اپنی طرف متوجہ کرلے اور اس بندے کی طرزِ فکر میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات مستحکم ہوجائیں جب وہ کوئی عمل کرے تو ارادتاً یا غیرارادی طور پر اس کا ذہن اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ یہ انبیاء علیہ السلام کی طرزِ فکر ہے۔ ایک طرز یہ ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں اور اللہ کی موجودگی کے بارے میں عملی طور پر یقین رکھتا ہو۔ اس یقین کو حضور علیہ الصلوۃ

قربِ نوافل
نسبت علمیہ





نماز ۔ روزہ ۔ زکوٰۃ ۔ آخرت ۔ نوافل ۔ تلاوت ۔ فکر ۔ ذکر ۔ استقبال ۔ حج ۔ حلق ۔

والسلام نے مرتبۂ احسان کا نام دیا ہے۔

یہ بات کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں روحانیت کے اوپر کوئی خصوصی علم مرتب نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضورؐ پر مرمٹنے والے اور فدا ہونے والے صحابہ کرامؓ کی ارواح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت سے رنگین تھیں۔ ان کے ذہن کو مکمل یکسوئی اس بات سے تھی کہ وہ حضورؐ کی باتوں میں حضورؐ کے عمل میں حضورؐ کے اٹھنے بیٹھنے اور حضورؐ کے نورانی چہرے پر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ اس غور و فکر سے حضورؐ کے قریب رہنے والے حضرات کی روحانی پیاس بجھتی رہتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کو حضورؐ کے اقوال میں بھی بہت زیادہ شغف تھا اور حضورؐ کی ذات اقدس اور حضورؐ کی گفتار میں انہماک کی وجہ سے حضورؐ کے ہر ہر قول اور ہر ہر عمل کی صحیح صحیح ادبیت اور صحیح صحیح مفہوم پوری گہرائیوں کے ساتھ ان کے اوپر واضح ہوتا رہتا تھا۔ احادیث پڑھنے کے بعد احادیث سننے کے بعد اور حضورؐ کے عمل کو دیکھنے کے بعد حضورؐ کی ذات اقدس کے انوار سے وہ لوگ پورا پورا استفادہ کرتے تھے۔ اس طرح ان کی روح کے اندر انوار کے تمثلات، ریاضت و مجاہدات کے ذریعے ذخیرہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ وہ حضورؐ کے قدسی الفاظ اور حضورؐ کے نورانی کردار اور حضورؐ کے پیغمبرانہ ذہن سے بغیر کسی کوشش کے روشناس تھے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

جب مجھے عالم بالا کی سیر کے مواقع حاصل ہوئے تو میں نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کی روح انسانی میں، ان کے لطیفہ روحی اور سری میں قرآن پاک کے انوار اور احادیث کے انوار موجود ہیں اور انوار کا تقدس اور نورانی لہریں صحابہ کرامؓ کی ارواح میں اس طرح موجود ہیں کہ ان کی روحیں نور سے لبریز ہیں۔

حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں۔

اس دور میں روحانی قدروں کا نہ ہونا اور روحانی علوم کا تفصیلی تذکرہ نہ ہونا اسی وجہ سے ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد زمانہ جیسے جیسے حضورؐ کے واصل بحق ہوجانے کے بعد دور ہوتا چلا گیا۔ اسی مناسبت سے لوگ رسول اللہؐ کے اقوال اور رسول اللہؐ کے کردار کے انوار سے دور ہوتے چلے گئے۔ تبع تابعین کے بعد لوگوں کے دلوں سے قرآن پاک کے انوار اور احادیث کے انوار معدوم ہونے لگے۔ اس دور میں ان لوگوں نے جو رسول اللہؐ سے صحابہ کرامؓ کی طرح تعلق خاطر رکھتے تھے اور جن لوگوں کی روحیں حضورؐ کی محبت سے لبریز تھیں' انہوں نے تشنگی محسوس کی اور یہ محسوس کیا کہ اگر روحانی علوم کے قوانین' قاعدے اور ضابطے جو روحانی طور پر رسول اللہؐ سے منتقل ہوئے ہیں' عام نہ کئے گئے تو امت مسلمہ میں بہت بڑا خلا واقع ہوجائے گا۔ لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کو اپنی روح میں ذخیرہ کرنے کے بعد اللہ کا عرفان حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کئے اور پھر ضابطے اور قاعدے بنائے یہ قاعدے اور ضابطے علمی اعتبار سے بنائے گئے تاکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا امتی ہر شخص یہ علم حاصل کرسکے۔

رسول اللہؐ کے انوار سے اپنی روح کو لبریز کرے اور ان روحانی قدروں سے اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوجائے۔ چنانچہ شیخ نجم الدینؒ اور ان کے شاگرد مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردیؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ ایسے حضرات گزرے ہیں جنہوں نے علمی حیثیت میں اللہ کے ان اسماء اور قرآن پاک کی ان آیات کا انتخاب کیا جن کے ورد سے ذہن انسانی میں زیادہ سے زیادہ نورانی ذخیرہ ہوتا ہے۔ شیخ حسن بصریؒ کے زمانے تک یہ چیزیں نہیں ملتیں۔

یہ بات تاریخ کے صفحات پر موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے تمام واعظین کو وعظ کرنے سے منع کردیا تھا۔ صرف ایک ہستی شیخ حسن بصریؒ ایسی تھی جن کو حضرت علیؓ کی طرف سے وعظ کرنے کی اجازت تھی۔ حضرت حسن بصریؒ کے بعد

ایسا دور آیا کہ حضورؐ کی ذات بابرکات سے متعلق انوار و تجلیات' لوگوں کے ذہن سے دور ہونے لگے اور اللہ کی صفات کے جاننے میں وہ انہماک نہیں رہا جو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں تھا۔ لہٰذا علمائے باطن اولیاء اللہ نے اللہ کی ذات اور حضورؐ کے انوار کو سمجھنے کے لئے طرزِ فکر کی قدریں قائم کیں۔ اس طرزِ فکر کو حاصل کرنے کے لئے جو قاعدے اور ضابطے متعین کئے گئے ان کا اصطلاحی نام "نسبت علمیہ" ہے۔

قربِ نوافل۔ قربِ فرائض

روحانی علوم سیکھنے اور روحانی دنیا میں داخل ہونے کے لئے دو طرزیں معین ہیں۔ ایک طرز کا نام قرب نوافل ہے اور دوسری طرز کا نام قرب فرائض ہے۔

قرب نوافل ہو یا قرب فرائض دونوں علوم مرشد کریم اور کسی ولی اللہ سے منتقل ہوتے ہیں۔ براہ راست اولیاء اللہ کی ارواح سے منتقل ہونے والے روحانی علوم نسبت اُویسیہ کے تحت منتقل ہوتے ہیں۔

نسبتِ اُویسیہ

نسبت اُویسیہ کا پہلا انکشاف حضرت عبدالقادر محی الدین جیلانیؒ کے طریقہ تصرف میں ہوا۔ نسبت اُویسیہ کے ذریعہ سالک کی روح میں علوم منتقل کردیئے جاتے ہیں اور وہاں سے یہ علوم چشمے کی طرح پھوٹ پڑتے ہیں اور پھر یہی چشمہ یا علوم کا خزانہ اندر ہی اندر بہتے ہوئے فوارے کی طرح ابل پڑتا ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ پیران پیر دستگیر کے بعد سے یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری ہے۔ نسبت اُویسیہ کا فیضان مخفی طور پر ملاء اعلیٰ کے ذریعے یا انبیاء کرام کی ارواح کی معرفت اور اولیاء اللہ کی ارواح کے واسطے سے ہوتا ہے۔ نسبت اُویسیہ کے فیض کے لئے مادی جسم کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ نسبت بہت قوی نسبت ہے اور اس

نسبت کا مظاہرہ بہت دیر میں ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ جس بندے کو یہ نسبت حاصل ہوجاتی ہے اسے آخر وقت تک اس نسبت کا علم نہیں ہوتا۔ اولیاء اللہ کی ارواح یا انبیاء کی ارواح یا ملاءِ اعلیٰ کے ذریعے منتقل ہونے والے روحانی علوم سے جب عین یا ثابتہ بھر جاتے ہیں یا روح انسانی اور روح اعظم ان سے معمور ہوجاتی ہیں تو سالک کے اوپر شہودی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ نسبت اُویسیہ سے فیض یافتہ سالک کی پہلی نظر ملاءِ اعلیٰ کے شہود پر کھلتی ہے۔ ملاءِ اعلیٰ سے مراد گروہ جبرائیل اور گروہ میکائیل ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ کا شہود بیت المعمور میں ہوتا ہے۔ بیت المعمور عرش کے اوپر کا مقام ہے۔

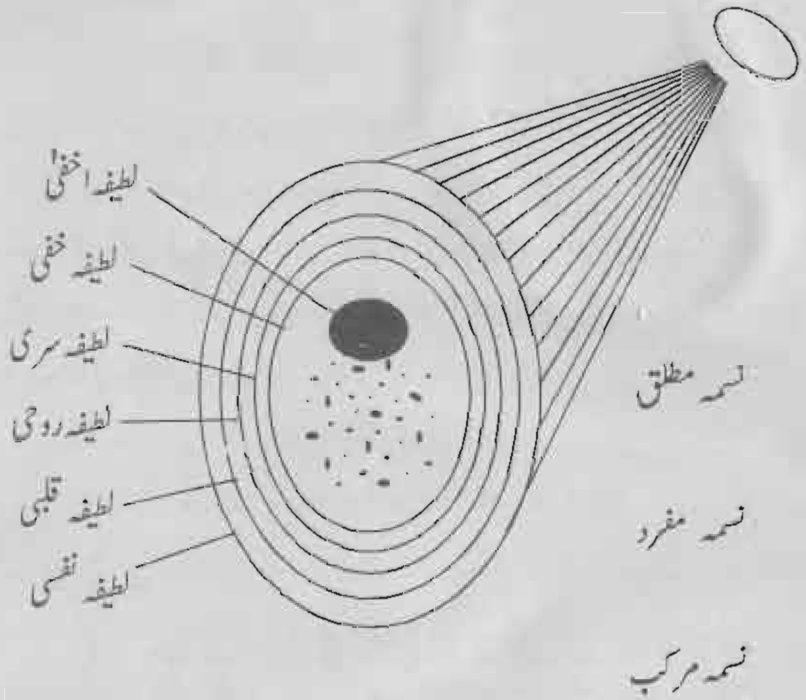
نسبتِ سکینہ

نسبت سکینہ وہ نسبت ہے جو صحابہ کرام کو حاصل تھی۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ صحابہ کرام کو سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اتنا شغف اور انہماک تھا کہ ان کے عین نور نبوت سے معمور رہتے تھے۔ نسبت سکینہ کی تعریف یہ ہے کہ پہلے سالک کسی روحانی آدمی کے اندر خود کو جذب کر دیتا ہے یا کسی روحانی آدمی کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ جذب ہونے کے بعد یا روحانی آدمی کی روشنیوں کو جذب کرلینے کے بعد جو کیفیت وارد ہوتی ہے اس کیفیت کا نام عشق ہے۔ یعنی جذب اور عشق کی کیفیت کا نام نسبت سکینہ ہے۔

اس نسبت سے سالک کی طرزِ فکر میں پیرومرشد کی طرزِ فکر منتقل ہوجاتی ہے۔ اس کے خیالات، تصورات اور احساسات میں اتنی تبدیلی واقع ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے پیرومرشد کی طرح سوچتا ہے اور پیرومرشد کی طرح اس کے تمام اعمال وافعال ہوجاتے ہیں۔

ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ بزرگ کی ٹانگ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ٹانگ میں درد ہے۔ مسافرت کرکے

قربِ فرائض
نسبت جذب



www.islamiurdubook.blogspot.com

جب وہ ان ہی بزرگ کے مرید کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ مرید کی ٹانگ میں بھی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ مرید نے بھی بتایا کہ ٹانگ میں درد ہے۔

نسبتِ عشق

سالک کا ذہن مرشد کریم کی طرزِ فکر سے جب معمور ہو جاتا ہے یا پیر و مرشد کی روحانی طرزیں مرید کے اندر نہ صرف یہ کہ منتقل ہو جاتی ہیں بلکہ متحرک ہو جاتی ہیں تو مرید کے لطیفے رنگین ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ تصوف میں رنگینی سے مراد دوری ہے۔ یعنی سالک کے لطیفے اپنے ذاتی رنگ سے نکل کر پیر و مرشد کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور یہ نسبت جب پیر و مرشد سے منتقل ہو کر لطیفوں کو رنگین کر دیتی ہے تو لطیفوں پر پے در پے انوار الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے اور اس طرح اللہ کے ساتھ عشق کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ سالک جب بھی اپنے اعیان میں دیکھتا ہے اُسے اللہ نظر آتا ہے۔ اسی بات کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نوازؒ نے اس طرح فرمایا ہے۔

یاردم بدم بار باری آید

میں ہر سانس کے ساتھ اللہ کا جلوہ دیکھتا ہوں۔

نسبتِ جذب

یہ وہ نسبت ہے جس کو تبع تابعین کے بعد سب سے پہلے خواجہ بہاء الحق والدین نے نشان بے نشانی کا نام دیا ہے۔ نقشبندی سلسلہ کے افراد اس نسبت کو یادداشت کے نام سے جانتے ہیں۔ نشان بے نشانی سے مراد یہ ہے کہ عارف کا ذہن اس سمت میں سفر کرے جس سمت میں ازل سے پہلے کے نقوش موجود ہیں۔ جب ازل سے پہلے کے نقوش یعنی اللہ کا ذہن عارف کے قلب میں بار بار دور کرتا ہے تو سالک کو ہر سمت ہر طرف ہر لاموجود اور موجود شے میں اللہ نظر آنے لگتا

ہے۔ کوئی بھی کام ہو کوئی بھی عمل ہو سالک کی افتادِ طبیعت یہ بن جاتی ہے کہ وہ غیر اختیاری اور اختیاری طور پر ہر چیز ہر بات ہر عمل میں اللہ کو تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا ذہن از خود ہر کام میں اور ہر عمل میں اللہ کی وحدانیت کو تلاش کر لیتا ہے۔ جب یہ صورت حال اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ سالک ان میں اس طرح گھر جاتا ہے کہ اسے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تو عقل و شعور سے دست بردار ہو کر خود کو اس نسبت کی روشنیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے:

ہر آدمی روزانہ کئی گلاس پانی پی لیتا ہے لیکن کبھی اس کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ پانی کیا چیز ہے؟ پانی کے اندر سیرابی کیا ہے پانی کیسے نکلتا ہے کنواں کا پانی ہے، چشمے کا پانی ہے یا دریا کا پانی ہے؟

عام بندے کا ذہن ان باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اسے جب پیاس لگتی ہے پانی پی لیتا ہے لیکن جس بندے کو نسبت جذب حاصل ہوتی ہے وہ پانی کے اندر اللہ کو تلاش کرتا ہے، وہ غور کرتا ہے کہ پانی اللہ نے تخلیق کیا ہے۔ جب وہ پانی کے بارے میں سوچتا ہے تو پانی سے متعلق تمام وسائل اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ مثلاً سمندر بادل بارش پہاڑوں پر برف کا پگھلنا وغیرہ۔

بچہ پیدا ہوتا ہے تو لوگ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بات ختم ہو جاتی ہے۔ عارف جب پیدا ہونے والے بچے کو دیکھتا ہے تو اس کا ذہن از خود بغیر کسی ارادے و اختیار کے اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ اللہ نے اس بچے کو نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں رزق فراہم کیا ہے جس اللہ نے بچے کو نو ماہ تک رزق فراہم کیا ہے اور اس رزق سے بچے کی نشو و نما ہوئی ہے وہ اللہ مجھے بھی رزق دیتا ہے اور جب تک میں دنیا میں ہوں مجھے رزق ملتا رہے گا۔ اس کے برعکس ساٹھ سال کا آدمی یہ نہیں سوچتا کہ میں کبھی دو دن کا بچہ تھا۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

نسبت جذب رکھنے والا بندہ بار بار اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ اللہ نے دو دن کے بچے کو ساٹھ سال تک وسائل فراہم کئے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس نسبت کی شعاعوں کا ہجوم اس قدر وسعت اختیار کرلیتا ہے کہ عارف کا ذہن ہر طرف سے ہٹ کر یہ سوچنا شروع کردیتا ہے کہ فی الواقع میری اپنی کوئی ہستی نہیں ہے۔ میری ہستی کے اوپر اللہ محیط ہے اور اس احاطے ہی میں میں پیدا ہوا۔ اس احاطے ہی میں پروان چڑھا اور اس احاطے ہی میں میں دنیا سے رخصت ہوکر دوسری دنیا میں انتقال کرجاؤں گا۔ یہ کیفیت عقل وشعور پر اس طرح طاری ہوجاتی ہے کہ آدمی کی انا اور ارادہ نسبت جذب کے احاطے میں معدوم ہوجاتے ہیں۔

لیکچر ۱۵

شخص اکبر

نسبت ذہنی ارتباط سے قائم ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کو جتنا حضورؐ سے عشق تھا اسی مناسبت سے حضورؐ کی محبت کے ذریعے ان کے اندر انوار ذخیرہ ہوتے رہتے تھے۔ نور نبوت سے صحابہ کرام کے اعیان رنگین ہوگئے۔ لطیفوں کی رنگینی کے بارے میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی جاچکی ہے کہ رنگین ہونے سے مراد ہر انسان کی اپنی ذاتی طرز فکر سے دوری ہے۔ ذاتی طرز فکر سے دوری یہ ہے کہ انسان اپنے ذہنی رجحانات کے زیر اثر نسلی اعتبار سے جو زندگی گزارتا ہے زندگی ان ہی قدروں میں مختصر ہوجاتی ہے۔ ایک طرز فکر سے دوسری طرز فکر میں داخل ہونے کیلئے انسان کو پہلی طرز کی نفی کرنا پڑتی ہے۔ انسان ایک طرف اپنی انا کی نفی کرتا ہے اور دوسری طرف کسی ہستی کے تشخص کو اپنے اوپر محیط کرلیتا ہے۔ جیسے جیسے تشخص محیط ہوتا ہے طرز فکر میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ دو بندوں کی طرز فکر ایک بن جاتی ہے۔ یعنی جو تشخص انسانی انا پر محیط ہے وہی تشخص احاطہ کرکے بندے کا ذہن بن جاتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا واقعہ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ ایک نان بائی حضرتؒ کا دوست تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اس کے یہاں کھانا کھاتے تھے اور وہ خواجہ صاحبؒ کے ساتھ ساتھ خواجہ صاحب کے مہمانوں کیلئے بھی طعام کا انتظام کرتا تھا۔ ایک روز خوش ہوکر خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے دوست نان بائی سے کہا۔

جو مانگنا ہے مانگ لے۔

نان بائی نے جواباً عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے جیسا بنا دیں۔ نان بائی کے اصرار پر خواجہ باقی باللہؒ نے نان بائی کے اوپر توجہ کی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب اپنے اور نان بائی کے سر کے اوپر سے حضرت باقی باللہؒ نے رومال ہٹایا تو دونوں کی شکلیں ایک جیسی تھیں۔ حضرت باقی باللہ نقشبندیؒ کا تشخص نان بائی کے اندر اس طرح منتقل ہو گیا کہ نان بائی کی شکل و صورت بھی حضرت باقی باللہؒ جیسی ہو گئی۔ نان بائی اس تصرف کو برداشت نہیں کر سکا اور چند دن زندہ رہ کر عالم بالا میں منتقل ہو گیا۔

جب کسی سالک کے اوپر اس کے پیر و مرشد کا تشخص محیط ہو جاتا ہے تو اس کی طرز فکر میں بھی بتدریج احاطہ کرنے کی مناسبت سے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ دو بندوں کی طرز فکر ایک ہو جاتی ہے۔ **مختصر** یہ کہ سالک کے اندر روحانی استاد (مرشد کریم) کی طرز فکر کی منتقلی کا نام نسبت ہے۔ جس طرح طرز فکر میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اسی طرح ذہنی سکت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر روحانی استاد کی رفتار پرواز ساٹھ ہزار گنا ہے تو مرید کے ذہن کی رفتار بھی ساٹھ ہزار گنا ہو جاتی ہے۔

ایک بار سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے دریافت فرمایا۔ جب تم پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ وحی لے کر تم میرے پاس اترتے ہو، کیا تم اس ذات اقدس کو دیکھتے ہو؟

حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا۔ میں صرف آواز سنتا ہوں اور میرے لئے بیت المعمور سے اوپر پرواز کرنا ممکن نہیں ہے۔

فروغ تجلی بسوزد پرم

سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اب تم ہماری نسبت سے پرواز کرنا۔ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہمت یا نسبت منتقل ہونے

کے بعد سکت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ نسبتوں کے بہت سارے مرحلے ہیں اور اولیاء کرام نے بہت ساری نسبتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ بہت سی نسبتوں سے مراد ایک ہی ہے وہ یہ کہ کسی شخص کو پیر و مرشد سے کتنا تعلق اور کتنی محبت ہے۔ مرید میں نسبت کے ذریعہ علوم کا ذخیرہ بتدریج منتقل ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ مرید اپنے اوپر پیر و مرشد کی نسبت کا غلبہ محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد سالک کو نبی کریمؐ کی نسبت احاطہ کر لیتی ہے اور سالک ہر وقت سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اقدس میں حضورؐ کی تعلیمات میں حضورؐ کے اخلاق میں حضورؐ کی صفات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ اور جب حضورؐ کی نسبت سے لطیفے رنگین ہو جاتے ہیں تو سالک کے اندر گداز پیدا ہو جاتا ہے اور سالک حضورؐ کی ہر شان میں خود کو پگھلتے ہوئے دیکھتا ہے حضورؐ کی تعریف توصیف میں کوئی شعر سنتا ہے یا نعت پڑھی جاتی ہے تو بے اختیار رونے لگتا ہے اس کی زندگی کا ہر لمحہ حضور کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے کے بعد تیسرا مرحلہ خفی روشنی کا آتا ہے۔ جس طرح خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز فکر اللہ کی طرز فکر ہے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کی معرفت سوچتے تھے اسی طرح سالک کی بھی طرز فکر یہ بن جاتی ہے کہ کوئی بات اس کے سامنے آئے کوئی کام درپیش ہو وہ ہر لمحہ میں اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس کے دماغ میں از خود اس قسم کی لہریں دور کرتی رہتی ہیں کہ بغیر ارادے کے ذہن ہر عمل کو اللہ کی طرف موڑ دیتا ہے۔ کثرت سے استغفار پڑھتا ہے۔ اللہ کے رحم و کرم کی صفات کو یاد کرتا ہے اور اللہ میں گم رہتا ہے۔ اللہ کی آیات میں تفکر کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ بشر میں اللہ کی عظمت و جلال کا عکس آ جاتا ہے اور کبھی اللہ کی رحمت سے سرشار رہتا ہے۔

مثال : ہر آدمی پھول دیکھتا ہے وہ پھول کے رنگ اور پھول کی خوشبو

دیکھ کر گزر جاتا ہے یا اس کے اندر خوشی و مسرت کا ہلکا سا ایک ارتعاش پیدا ہوتا ہے لیکن جس بندے کے لطیفے وحدت فکر سے رنگین ہو جاتے ہیں پھول کے رنگ پھول کی پنکھڑیوں پھول کی خوبصورتی پھول کی خوشبو کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے کہ پھول کو اللہ نے کتنا خوبصورت بنایا ہے۔ زمین اللہ کی صناعی کا کتنا حسین مرقع ہے کہ ایک ہی جگہ کتنے رنگ کے پھول ہیں۔ چھوٹے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اس خوشی کی لہر کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ ہر خوبصورت چیز کی تعریف کرتا ہے اور بظاہر بدصورت شے میں خوبصورتی ڈھونڈتا ہے۔ لیکن جس آدمی کے لطائف وحدت سے رنگین ہیں اور جس عارف کو حضورؐ کی طرز فکر منتقل ہو جاتی ہے وہ اس بچے کے ایک ایک عضو میں اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کبھی وہ بچے کا چھوٹا سا ہاتھ دیکھتا ہے، کبھی اس کی نظر بچے کے نازک اور کومل جسم پر پڑتی ہے، کبھی نرم و نازک پھول جیسے حسین چہرے کو دیکھتا ہے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس چھوٹے جسم میں ایک بڑا آدمی موجود ہے اور کیسی شان کبریائی ہے کہ چند بالشت کے بچے کے اندر سات فٹ کا آدمی چھپا ہوا ہے۔ جو ایک توازن کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے۔ طرز فکر کی اس منتقلی کا نام "تنزل" ہے۔

تنزلات کی تین قسمیں ہیں۔ ان تنزلات میں ایک طرف لہروں کا نزول جلی ہوتا ہے اور دوسری طرف خفی ہوتا ہے یعنی ایک نمایاں ہوتا ہے اور دوسرا مخفی رہتا ہے۔ پہلا جلی تنزل سر اکبر ہے، دوسرا جلی تنزل روح اکبر ہے اور تیسرا جلی تنزل شخص اکبر ہے۔ روحانی اساتذہ شخص اکبر کو کائنات کہتے ہیں۔

ٹائم اسپیس

قلندر شعور اکیڈمی کے طلبا اور طالبات یہ شعور حاصل کر چکے ہیں کہ نسبت سے مراد طرز فکر کی منتقلی ہے۔ جیسے جیسے نسبت کا نزول سالک کے دماغ پر وارد ہوتا ہے مرشد کریم کی نسبت سے سالک میں علوم منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ نسبت

دراصل مراد کی طرز فکر مرید کے اندر منتقل ہونے کا ایک وصف ہے۔ مراد کے اندر جو علوم ذخیرہ ہیں وہ علوم لہروں کی شکل میں مرید کے ثابتہ میں، عین میں، جویہ میں نزول کرتے ہیں۔ ہر تنزل کے ساتھ ایک رخ واضح ہوتا ہے اور دوسرا رخ چھپا ہوا یا غیر واضح ہوتا ہے۔ جو رخ روح اعظم پر نازل ہوتا ہے اس کو خفی تنزل کہتے ہیں۔ یہ جلی و خفی تنزلات ہر آن و ہر لمحہ دماغ کے اوپر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ جلی تنزلات کے تین رخ متعین ہیں۔

ہر جلی تنزل کے ساتھ ایک خفی تنزل ہے۔ اور ہر جلی و خفی تنزل کے ساتھ ورود و شہود کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پہلا جلی تنزل سر اکبر ہے۔ دوسرا جلی تنزل روح اکبر ہے۔ اور تیسرا جلی تنزل شخص اکبر ہے۔

جس کائنات کو مادی آنکھ دیکھتی اور پہچانتی ہے اس کی بنیاد روشنی کے اوپر قائم ہے۔ ایسی روشنی جس کے اندر بہاؤ ہے۔ اس روشنی اور روشنی کے اسی بہاؤ کو قرآن پاک "ماء" کہتا ہے۔ قرآن پاک نے جس روشنی کو ماء یعنی پانی کے نام سے متعارف کرایا ہے سائنس اسی روشنی یا پانی کو گیسوں کے نام سے جانتی ہے۔ روشنیوں کے بہاؤ سے مراد یہ ہے کہ صدہا گیسوں کے اجتماع سے شکلیں وجود میں آتی ہیں۔

ایک گلاس میں پانی بھر کر دیوار پر پھینک دیں۔ پانی پھینکنے کے بعد جب پانی پوری طرح پھیل جائے اسے غور سے دیکھیں۔ دیوار کے اوپر مختلف شکلیں نظر آئیں گی۔ جس طرح دیوار کے اوپر پانی پھیل کر اور بکھر کر مختلف شبیہیں بنا لیتا ہے اسی طرح نزول کرنے والی روشنیاں جب کائنات کی اسکرین پر نزول کرتی ہیں تو شکلیں بنتی ہیں یہی شکلیں افراد کائنات ہیں۔

ماء کے ٹکرانے کے بعد شبیہہ کے اندر بنیادی مصالحہ پارے کی طرح ہوتا ہے۔ روشنیوں کے بہاؤ کے بعد روشنیوں سے مل کر اور ایک دوسرے کے اندر

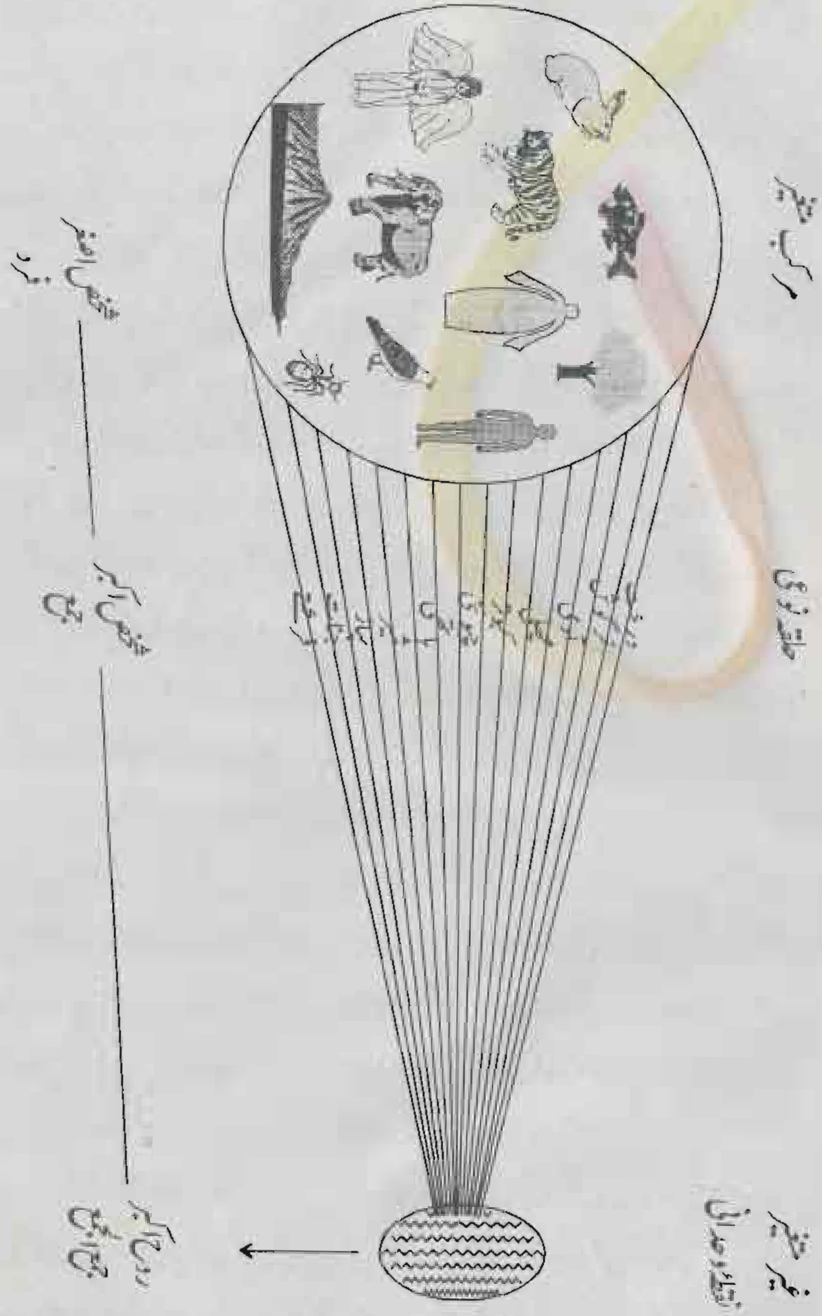
www.islamiurdubook.blogspot.com

جذب ہو کر جو اجسام بنتے ہیں انہی اجسام کو حیوانات، نباتات اور جمادات کہا جاتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے گیسوں کے مجموعے سے گیس کی ابتدائی شکل کا نام نسمہ بیان کیا ہے، یعنی نسمہ ان بنیادی لہروں یا ان بنیادی شعاعوں کا نام ہے جو وجود کی ابتدا کرتی ہیں۔ روشنیوں کی یہ لہریں جب Flow کرتی ہیں یا ان کے اندر بہاؤ پیدا ہوتا ہے تو انہیں لکیروں سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ یہ لکیریں کائنات میں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں کہ نہ تو ایک دوسرے سے فاصلے پر ہیں اور نہ ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔

اس کی مادی مثال سینما میں چلنے والی فلم ہے۔ ایک مخصوص روشندان کے ذریعے لہروں کا بہاؤ ہوتا ہے، روشنیوں اور لہروں کا یہ بہاؤ اسکرین پر نزول کرتا ہے اور اسکرین سے ٹکرا کر مختلف شکلوں اور صورت میں مظاہرہ کرتا ہے۔ جب ہم پروجیکٹر سے نکلنے والی روشنیوں یا شعاعوں کو دیکھتے ہیں یہ لکیریں نہ ایک دوسرے سے فاصلے پر ہوتی ہیں اور نہ ایک دوسرے میں پیوست ہوتی ہیں لیکن ہر لکیر میں تصویر کا کوئی نہ کوئی خدوخال ہوتا ہے۔ جس طرح پروجیکٹر سے نکلنے والی روشنیاں اسکرین سے ٹکرا کر تصویریں بنتی ہیں، اسی طرح خلا میں سے گزر کر نسمہ کی لکیریں مادی اجسام بنتے ہیں۔ نسمہ کی لکیریں مادی اجسام میں ایک بنیادی واسطہ ہیں۔ پروجیکٹر سے نکلنے والی شعاعوں کو مادی آنکھ دیکھ سکتی ہے لیکن نسمہ کی لکیروں کو صرف شہود کی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ مادی ذریعہ سے ابھی تک نسمہ کو دیکھنا ممکن نہیں ہوا۔ البتہ ان لکیروں کے تاثرات کو سائنسی ایجادات کے ذریعے دیکھ لیا گیا ہے۔ آج کل Aura کی اصطلاح زبان زد عام ہے نسمہ کی لہروں کا انعکاس Aura ہے۔ لیکن نسمہ کا دیکھنا ابھی تک ممکن نہیں ہوا۔

نسمہ ایسی لہروں کو کہتے ہیں جن لہروں سے جسمانی خدوخال بنتے ہیں۔ یہ



www.islamiurdubook.blogspot.com

لہریں دو طرح کی ہیں ایک لہر مفرد ہے دوسری لہر مرکب ہے۔ مفرد لہروں میں بھی خدوخال اور نقش و نگار ہیں اور مرکب لہروں میں بھی خدوخال ہیں۔ مفرد اور مرکب لہریں خلا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ لکیریں مفرد ہوں یا مرکب، مادی اجسام میں خدوخال بنتی ہیں اور خدوخال کو ہر دوسرے فرد پر منعکس کرتی ہیں۔ ان ہی لہروں کے تاثرات سے حسیں Senses بنتی ہیں۔ یہ لہریں انسانی دماغ کے اوپر جب نزول کرتی ہیں تو دماغ کے اوپر ہلکا سا دباؤ پڑتا ہے، اتنا ہلکا دباؤ کہ حواس کے دائرہ کار میں نہیں آتا۔ یہ ہلکا سا دباؤ زندگی کے کسی عمل سے متعلق ہو یا ماضی اور حال سے متعلق ہو۔ "واہمہ" کہلاتا ہے۔ جب یہ دباؤ ذرا زیادہ ہوتا ہے تو حواس میں ہلکا سا ارتعاش ہوتا ہے اس ارتعاش سے ذہن کے اوپر بنی ہوئی تصویر میں خاکہ بنتا ہے اور تصویر اس خاکہ میں گہرائی محسوس کرتی ہے۔ اہل تصوف اس کیفیت کو "خیال" کہتے ہیں۔

روشنیوں کا نزول جب اور گہرا ہوتا ہے اور دماغ کے اوپر نقش و نگار زیادہ واضح ہوجاتے ہیں تو ذہن میں یہ بات آنے لگتی ہے کہ فلاں چیز کے بارے میں خیال آرہا ہے اہل روحانیت اس کیفیت کو "تصور" کہتے ہیں۔

یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتے ہوئے، تصور کے بعد احساس بن جاتا ہے اور احساس کے اندر جب گہرائی پیدا ہوتی ہے تو نسمے کی لہروں کے اندر مخفی رنگ نمایاں ہوجاتے ہیں۔ یعنی احساس کے اندر رنگینی واقع ہوجاتی ہے۔ جب احساس کے اندر رنگینی پیدا ہوجاتی ہے تو واہمہ، خیال، تصور اور احساس اپنے پورے خدوخال کے ساتھ مظہر بن جاتا ہے۔

دنیاوی علوم کی طرزوں میں ہم نسمے کی تعریف ڈرائنگ سے کرسکتے ہیں۔ ایک کاغذ ہے جس پر سیدھی لکیریں بنی ہوئی ہیں اور ان سیدھی لکیروں میں کوئی تصویر ابھری ہوئی ہے۔ دوسرے کاغذ میں سیدھی لکیر کو دوسری لکیر کاٹ رہی ہے

اور ان دونوں لکیروں کے عمل سے کاغذ کے اوپر چھوٹے چھوٹے چوکور خانے بن جاتے ہیں ہم ان چوکور خانوں سے ایک تصویر بناتے ہیں اور تصویر بناتے وقت گراف کے خانوں کو معین تعداد کے ساتھ تصویر کے خدوخال بناتے ہیں۔ یعنی ہم ان خانوں کے ناپ اور خانوں کی تعداد سے مختلف اعضاء کی ساخت کا تناسب مقرر کرتے ہیں۔ اور گراف پر تصویر کشی کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح نسمے کی لکیریں مادی اجسام کی ساخت میں اصل کا کام دیتی ہیں اور ان ہی لکیروں سے نوعیں بنتی ہیں اور نوعوں کے خدوخال وجود میں آتے ہیں۔

لوح محفوظ کے قانون کی رو سے احساس میں رنگینی پیدا ہونے کے بعد رنگ مظہر بنتے ہیں لیکن جب تک اس کے اندر گہرائی اور رنگینی پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ہم لہروں یا شعاعوں کو کسی رنگ کا نام نہیں دے سکتے۔ اس لئے مادی آنکھ ان کا احاطہ نہیں کرتی۔ دراصل نسمے کی لکیریں یا بے رنگ شعاعیں ہی کائنات اور افراد کائنات کی چھ بڑی حرکات ہیں۔ ان لہروں لکیروں، یا بے رنگ شعاعوں کا جتنا اجتماع ہوجاتا ہے اتنا ہی یہ لہریں ضرب اور تقسیم ہوتی ہیں۔ لہروں کے نزول اور ان کے بکھرنے سے کشش ثقل بنتی ہے۔ ان ہی لہروں کی حرکات اور گردشیں وقفہ بناتی ہیں۔

لکیروں کی اجتماعیت ایک طرف مکانیت سے آشنا کرتی ہے دوسری طرف ان ہی لکیروں کا دماغ پر بکھرنے کا عمل زمانیت ہے۔ لکیروں کے نزول لکیروں کے بکھرنے لکیروں کی گردش اور لکیروں کی ضرب تقسیم نسمہ کا "جذب" ہے۔ یعنی نسمہ اپنی ضرورت اور طبعی تقاضوں کے تحت ممکن کی شکل و صورت اختیار کرلیتا ہے۔ تصوف میں ممکن کا مطلب ہے کسی چیز کو تکمیل کے بعد مادی آنکھ دیکھ لے۔
جب تک شے کی مادی صورت وجود میں نہ آئے اس حالت کو تمثّل یا تحقق کہتے ہیں۔

ابتدائی حالت کو روح کی آنکھ اور انتہائی حالت کو جسم کی آنکھ دیکھتی ہے۔
نسمہ دراصل وہ مخفی روشنی ہے جس کو نور کی روشنیوں میں دیکھا جا سکتا ہے اور نور وہ مخفی روشنی ہے جو خود بھی نظر آتی ہے اور دوسری مخفی روشنیوں کو بھی دکھاتی ہے۔

روشنی اور نور

حواس پانچ ہیں اور ان میں دو طرح حرکت ہوتی ہے۔ ایک حرکت یہ ہے کہ مادی آنکھ دیکھتی ہے اور دوسری حرکت یہ ہے کہ مادی آنکھ سے وہ چیز اوجھل ہوتی ہے لیکن روحانی آنکھ دیکھتی ہے۔ جس شکل و صورت کو مادی آنکھ دیکھتی ہے' تصوف میں اسے تشخص کہتے ہیں اور جس شکل و صورت کو روحانی آنکھ دیکھتی ہے' اسے تحقق یا تمثل کہا جاتا ہے۔

دیکھنے کی طرزوں میں یہ بات زیادہ اہم ہے کہ وہ چیز مادی آنکھ سے دیکھی جائے یا روحانی آنکھ سے دیکھا جائے۔ دونوں صورتوں میں روشنی بنیاد ہے اور روشنی نور سے نظر آتی ہے۔ نور خود بھی نظر آتا ہے اور دوسری روشنیوں کے دکھانے کا ذریعہ بھی ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے "اللہ نور السموات والارض" کی آیت میں تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم جس چیز کا نام حس رکھتے ہیں وہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہو اس کے دو اجزاء یا دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک رخ یہ ہے کہ اس میں خدوخال ہوتے ہیں' ٹھوس پن ہوتا ہے اور وہ مادی آنکھ سے نظر آتا ہے۔ دوسرا رخ روشنیوں کا بنا ہوا ہے لیکن اس کے اندر پورے پورے حواس موجود ہیں۔ آسان زبان میں اس طرح سمجھئے کہ کائنات میں جتنی بھی موجودات ہیں وہ مرئی ہیں یا غیر مرئی ہیں۔

ایک رخ ٹھوس گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچہ پر قائم ہے۔ دوسرا رخ یا دوسرا جسم بالکل گوشت پوست کی طرح ہے لیکن روشنی کا بنا ہوا ہے۔ (اس

کی مثال ٹیلی ویژن پر نظر آنے والی تصویر ہے) روشنی کا جسم غیر مرئی ہے جب کہ گوشت پوست کا جسم مرئی ہے۔

مرئی جسم کے بھی دو رخ ہیں۔

1۔ ایسی روشنیوں کا بنا ہوا جسم جو نظر آتی ہیں۔
2۔ ان روشنیوں کا جسم جو نظر نہیں آتیں۔

مرئی جسم کی طرح غیر مرئی جسم کے بھی دو رخ ہیں۔

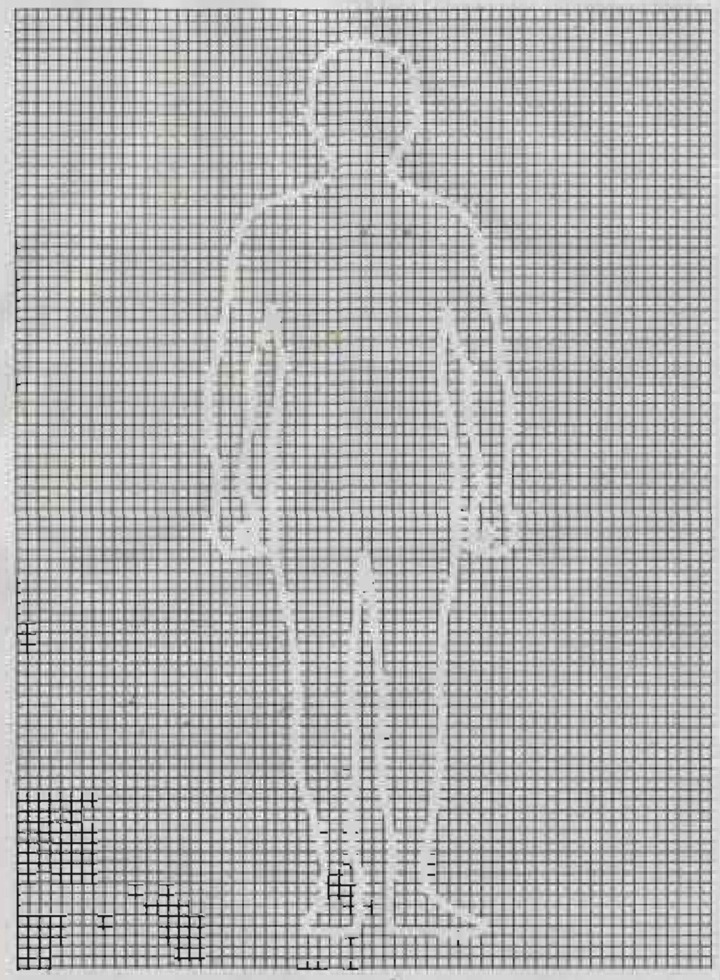
1۔ ایک رخ روشنی ہے۔
2۔ دوسرا رخ نور ہے۔

نور وہ مخفی روشنی ہے جو غیر مرئی جسم کو دکھاتی ہے۔

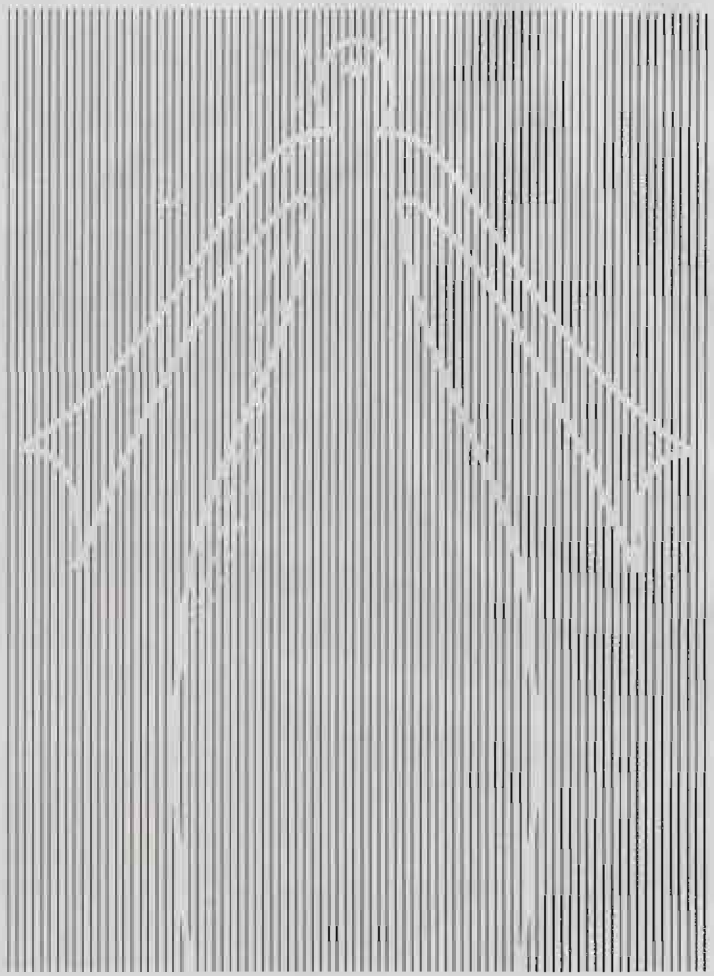
کائنات میں موجود ہر تخلیق کے دو رخ ہیں اور ان دونوں رخوں کے بغیر کوئی قالب مکمل نہیں ہوتا۔

لوح محفوظ کے قانون کے تحت کائنات میں کوئی بھی چیز وہ غیر مرئی یا مرئی ہو' بغیر شکل و صورت کے نہیں ہوتی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس شکل کو جسمانی آنکھ نہ دیکھ سکے۔ لیکن روح کی آنکھ اس وجود کو اسی طرح دیکھتی ہے جس طرح جسمانی آنکھ مادی قالب کو دیکھتی اور محسوس کرتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مرئی جسم میں خدوخال ہوتے ہیں اسی طرح غیر مرئی جسم میں خدوخال ہوتے ہیں۔ غیر مرئی جسم کو ہیولیٰ کہا جاتا ہے۔ کسی چیز کی موجودگی پہلے ایک تمثل یا ہیولیٰ کی شکل میں وجود پذیر ہوتی ہے اور اس کے بعد جسمانی خدوخال میں مظاہرہ کرتی ہے۔ جب تک شکل و صورت ہیولیٰ کے اندر موجود ہے نسمہ مفرد ہے۔ اور جب نسمہ مفرد یا غیر مرئی وجود مادی جسم میں اپنا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کو نسمہ مرکب کہتے ہیں۔ نسمہ مرکب سے مراد ثقل (Gravity) ہے۔ ثقل کتنا ہی عارضی ہو جمود ہے۔ اس جمود کا نام ٹھوس حس



انسان یا انسان کی دنیا ۔ نسمہ مرکب یا حرکت مرکب



جن یا جن کی دنیا ۔ نسمہ مفرد یا حرکت مفرد

www.islamiurdubook.blogspot.com

ہے۔ مرئی اور غیر مرئی وجود دو رخوں سے مرکب ہے۔ مرئی شے نسمہ مرکب ہے۔ غیر مرئی شے نسمہ مفرد ہے۔ نسمہ مفرد ہو یا نسمہ مرکب دونوں حرکت ہیں۔ ایک حرکت ایک سمت سے دوسری سمت میں جاری ہے' جو اکہری ہے۔ ایک سمت سے دوسری سمت سے جاری رہنے والی اکہری حرکت نسمہ مفرد ہے اور دوسری حرکت پہلی حرکت کے خلاف سمت میں جاری و ساری ہے اور اس طرح جاری و ساری ہے کہ پہلی حرکت میں پیوست ہوجاتی ہے اس دوہری حرکت کو نسمہ مرکب کہتے ہیں۔ ایک سمت سے دوسری سمت جاری و ساری حرکت میں دوسری حرکت شامل ہوجائے اور اس کے اوپر جو نقش و نگار ہیں انسان اور انسان کی دنیا ہے۔ نسمہ مفرد اکہری حرکت جن اور جنات کی دنیا ہے۔ حرکت جب تک غیر محسوس دائرے میں رہتی ہے' تمثل ہے اور جب غیر مرئی محسوس سے نکل کر محسوس میں داخل ہوجاتی ہے تو مادہ (Matter) ہے۔

لیکچر ۱۴

آدم کا شرف

انسان کی دنیا طول و عرض میں روشنیوں کے تاروں سے یا روشنیوں کی لہروں سے بنی ہوئی ہے اور زندگی کی تمام حرکات و سکنات انہی تاروں کے اوپر قائم ہیں۔ بہت زیادہ فکر طلب یہ بات ہے کہ ان لہروں کی طوالت جس طرح معین ہے اسی طرح ہر تار کی صفات بھی معین اور مخصوص ہیں اور ہر مخصوص صفت کسی نہ کسی ساخت کو اور کسی نہ کسی نقش کو ظاہر کرتی ہے۔

علیٰ ہٰذالقیاس کائنات میں جتنی چیزیں موجود ہیں' جتنے رنگ و روپ ہیں جتنی صلاحیتیں ہیں جتنی نوعیں ہیں اور ہر نوع کے جتنے افراد ہیں۔ ہر ایک کے لئے ایک مخصوص طول حرکت موجود ہے۔ انہی حرکات کی مخصوص آمیزش کا نتیجہ کسی نوع کے افراد کی شکل و صورت ہے۔

تانے بانے کی اسکرین پر جو تصویر روشنیوں سے بنی ہوئی ہے اس کا ایک رخ خود تصویر ہے اور دوسرا رخ روشنی کے تار ہیں۔

عالم ارواح میں کائنات کی موجودگی اس طرح ہے کہ وہاں احساس کی درجہ بندی نہیں ہے۔ عالم ارواح میں موجود کائنات کے تمام اجزاء عالم تخیل میں ہیں۔ انہیں کچھ پتہ نہیں ہے کہ وہ کیوں ہیں کہاں ہیں کس لئے ہیں اور ان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس سکوت کو توڑنے کے لئے افراد کائنات کو عالم تحیر سے عالم تعارف میں داخل کرنے کے لئے اپنی آواز سے سماعت عطا کی۔ جیسے ہی اللہ تعالیٰ

www.islamiurdubook.blogspot.com

کی سماعت منتقل ہوئی تو ابعاد کا پہلا درجہ تخلیق پا گیا۔ یعنی فرد کے اندر سماعت کا پہلا نقش مرتب ہوا۔ سماعت کے بعد ساتھ ہی ساتھ اسے یہ حس حاصل ہوئی کہ کوئی آواز دے رہا ہے۔ جیسے ہی آواز کی طرف ذہن منتقل ہوا دوسرا ابعاد یا دوسرا Dimension تخلیق میں آ گیا یہ دوسرا Dimension یا ابعاد نگاہ ہے۔ بصارت کے ساتھ تعارف کی حس تخلیق ہوئی۔ جاننے اور سمجھنے کا Dimension جیسے ہی وجود میں آیا تو قوت گویائی کا مظاہرہ ہوا۔ قوت گویائی کے حاصل ہوتے ہی کسی چیز کو رد کرنے یا قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

جب دو رخ ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں اور ان دونوں کو کئی دوسرے رخ مل کر ایک مجموعی حیثیت دے دیتے ہیں تو اس اجتماع کو "وجود شے" کہتے ہیں۔ وجود شے میں متصل ہونے کے ساتھ ساتھ رخوں کا الگ الگ تعین ہے یہ تعین ہی زمان اور مکان ہے۔ یعنی وجود اشیاء کا درمیانی فصل زمان و مکاں ہے۔ عالم ارواح میں زمان و مکاں نہیں ہوتے۔ وہاں شے کا وجود امر کی شکل و صورت میں موجود ہے۔

حرکت میں ایک رخ ہمیشہ غالب رہتا ہے اور دوسرا رخ مغلوب رہتا ہے۔ جو رخ غالب رہتا ہے اس کو شخص اکبر اور جو رخ مغلوب رہتا ہے اسے شخص اصغر کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں تذکرہ کیا ہے کہ ہم نے آدم کو علم الاسماء عطا کیا۔ اس سے منشاء یہ ہے کہ آدم کو روئے زمین کے اوپر جتنی بھی موجودات ہیں ان کے خواص کا علم دے دیا گیا ہے۔ خواص سے مراد یہ ہے کہ کن چیزوں میں اللہ کے کون سے اسماء صلاحیت بن کر مظاہرہ کر رہے ہیں۔

علم الاسماء سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے عنوانات ان کی خاصیتوں اور چیزوں کی ماہیتوں کا علم آدم کو سکھا دیا۔ چیزوں کی خاصیتوں اور

ماہیتوں کا علم ہی وہ علم ہے جو انسان کے شرف کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کی بنیاد پر انسان کو شخص اکبر کا درجہ حاصل ہے۔ چیزوں کی ماہیتوں خاصیتوں اور اسماء کے علم کا حامل بندہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے۔ افراد کائنات میں نوع ملاء اعلیٰ ہوں نوع ملائکہ ہوں نوع اجنّہ ہوں نوع نباتات ہوں، نوع جمادات ہوں، سب پر آدم کو فضیلت حاصل ہے۔ اگر آدم کو علم الاسماء حاصل نہیں ہے تو وہ اشرف المخلوقات نہیں ہے۔

اسمائے الٰہیہ

الہامی کتابیں اور آسمانی صحائف کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طرز کلام اور طرز تخاطب اس طرح ہے کہ وہ ایک بات کو مختلف زاویوں اور مختلف پیراؤں میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں تفکر کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن میں ایک ہی بات کو بار بار دوہرایا گیا ہے اور یہ دوہرانا تکرار Repetation ہے۔ حالانکہ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ انسانی شعور کی سکت کے مطابق کسی بات کو مختلف زاویوں سے بیان کیا گیا ہے۔ کسی بات کو مختلف زاویوں میں بیان کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے اور انسانی عقل و شعور میں اضافہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے تخلیقی عوامل میں مختلف زاویوں سے، مختلف پیراؤں سے اور مختلف مثالوں کے ذریعے غور کرے۔

اللہ تعالیٰ جب اپنی ربوبیت اور خالقیت کا تذکرہ فرماتے ہیں تو زمین پر پھیلی ہوئی موجودات کی مثال دیتے ہیں کبھی زمین سے باہر آسمان، کرسی اور عرش کی مثال دیتے ہیں۔ کبھی بادلوں سے بارش برسنے کی مثال دیتے ہیں کبھی بارش کس طرح برستی ہے اس کی مثال دیتے ہیں۔ ہواؤں کی مثال دے کر انسانی شعور کو اپنی تخلیق کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ سورہ رحمان میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے

www.islamiurdubook.blogspot.com

انعامات و اکرامات کا تذکرہ کیا ہے تو کئی بار ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طرز تخاطب ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی سنت ہے جس میں تغیر اور تعطل نہیں ہوتا۔

جتنے بھی پیغمبران علیہم السلام تشریف لائے۔ سب نے یہ بات ضرور ارشاد فرمائی ہے کہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے ہیں۔ باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ جب ہم پیغمبروں کی تعلیمات پر غور کرتے ہیں تو باوجودیکہ بات ایک ہی ہے لیکن ہر پیغمبر نے قوم کے مزاج، شعور اور عقلی تقاضوں کے تحت اپنی بات کو مختلف مثالوں میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے جب اللہ کا اور کائنات کے تخلیقی رشتوں کا تذکرہ فرمایا تو فرمایا۔ (God said light, and there was light) خدا نے کہا روشنی اور روشنی کا مظاہرہ ہوگیا۔ اسی بات کو سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔

قرآن پاک میں جب جب دولت پرستی اور حرص و ہوس اور ذخیرہ اندوزی کا تذکرہ ہوا تو قران پاک کے الفاظ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ بات اس طرح بیان فرمائی کہ وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ نے اس بات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

اپنے حواریوں سے کہو کہ کوئی آدمی تم سے آکر یہ کہے کہ سوئی کے سوراخ میں سے اونٹ گزر گیا تو یہ ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بندہ تم سے یہ کہے کہ سرمایہ دار جنت میں داخل ہوگیا تو یہ نہیں ہوسکتا۔ بات ایک ہے لیکن زاویئے الگ ہیں۔ ظاہر ہے جو بندہ عذاب میں گرفتار ہوتا ہے اس پر آسمانی دروازے بند

ہوجاتے ہیں۔

علیٰ ہذالقیاس جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں ان کے اندر جب تفکر اور تدبر کیا جاتا ہے تو سب ایک ہی بات کا پرچار کرتی ہیں لیکن بیان کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔

خالق اور بندے کا ایک مخصوص رشتہ ہے اور خالق نے یہ کائنات اس لئے تخلیق کی ہے کہ وہ پہچانا جائے۔ خالق نے مخلوق کو محبت کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور اس محبت کی وجہ سے کائنات کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لئے وسائل فراہم کئے ہیں اور ان وسائل میں ایسی تدبیر ایسی تدوین اور ایسا تسلسل قائم کیا ہے کہ کسی آن اور کسی لمحے یہ تدبیر و تدوین تعطل کا شکار نہیں ہوتیں۔ اس بڑے نظام کو سمجھنے کے لئے اللہ نے ایسے بندے مبعوث کئے ہیں جن بندوں کو خود یہ علم سکھا کر اللہ نے نیابت اور خلافت کے اختیارات عطا کئے ہیں۔ زندگی کی حرکات و سکنات قائم رکھنے کے لئے وسائل کی پیدائش، وسائل کی فراہمی اور وسائل کی تقسیم کے انتظام کو روحانیت میں تکوین کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو جن خدوخال پر اور اپنی جن صفات پر تخلیق کیا ہے ان کو سمجھنے کے لئے انتظامی امور میں داخل ہونا اور انتظامی امور میں داخل ہونے کے لئے تکوینی امور کا جاننا ضروری ہے۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق تکوینی علوم اللہ تعالیٰ نے صرف آدم کو سکھائے اور جہاں اپنی نیابت اور خلافت کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں بھی پوری کائنات میں صرف آدم کو منتخب کیا ہے۔

★

قضاء و قدر

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اس لئے تخلیق کیا تاکہ وہ پہچانا جائے۔ پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ کائنات کے تخلیقی عناصر اور کائنات میں موجود تمام مخلوقات کی نوعیں اور افراد کا علم جاننے والا کوئی ہو۔ اس شعبے کو پر کرنے کے لئے اللہ نے کائنات کے انتظامی امور انسان کو سکھا دیئے۔ چونکہ یہ علوم براہ راست خالق کے تخلیقی فارمولوں سے متعلق ہیں' اس لئے انسان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی ہو گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نیابت و خلافت کے منصب پر فائز کر دیا تو یہ بات از خود یقینی ہو گئی کہ اللہ کے بنائے ہوئے تمام کائناتی شعبے اور ان شعبوں میں انسان کو تصرف کا حق حاصل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کی روشنی میں انسان کو کائنات کے چلانے کا اور کائنات کو متحرک اور قائم رکھنے کا اختیار تفویض کر دیا ہے۔ نیابت کا یہی اختیار ہے جس کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کہا ہے۔ نیابت کے تذکرہ میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ کائنات کی بنیادی حیثیت کو سمجھا جائے۔ کائنات جن اصولوں قاعدوں اور فارمولوں پر تخلیق کی گئی ہے جن قاعدوں ضابطوں مقداروں پر کائنات چل رہی ہے ان سب امور کے یکجائی پروگرام کا نام تکوین ہے۔

جس طرح کسی ملک کے انتظامی شعبوں کو Administration کہا جاتا ہے' اسی طرح کائناتی نظام کو تکوین کہا جاتا ہے۔ حکمت تکوین پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات لامحالہ زیر بحث آجاتی ہے کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔

روحانیت کے ماہرین کا کہنا ہے کہ کائنات کی تشکیل چار شعبوں پر مشتمل ہے۔ کائنات کا پہلا مرحلہ اس طرح وجود میں آیا کہ کائنات کی موجودگی میں وسائل کا دخل نہیں ہے۔ بغیر اسباب و وسائل کے افراد کائنات کی موجودگی کے شعبے کو ابداء کہتے ہیں۔ یہ کائنات کا آغاز بھی ہے اور کائناتی انتظام کا پہلا شعبہ بھی ہے۔ یعنی کائنات کی موجودگی اس طرح وقوع پذیر ہو گئی کہ وسائل زیر بحث نہیں آئے۔ اللہ نے جب "کُن" فرما دیا تو کائنات وجود میں آ گئی۔ عالم موجودات میں شکل و صورت' حرکت و سکون کی طرزیں جب نمایاں ہوئیں اور زندگی کے مراحل وقوع میں آنا شروع ہوئے تو تکوین کا دوسرا شعبہ بنا۔ اس شعبہ کا نام "خلق" ہے۔ تکوین کا تیسرا شعبہ "تدبیر" ہے۔ جس میں موجودات کی زندگی کے تمام اعمال و حرکات ترتیب (زمان مکان) کے ساتھ مرتب ہو گئے۔

چوتھا شعبہ تدلّی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ افراد کائنات میں انتظامی امور کے تحت قضاء و قدر کی حکمت اور فیصلے مرتب ہو گئے۔ اس کی Summary یہ ہے:۔

پہلا شعبہ جہاں تکوین کا آغاز ہوا یہ ہے کہ ساری کائنات وجود میں آ گئی۔ لیکن اسباب و وسائل کے بغیر موجود ہو گئی۔ جب کہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر وسائل کے وجود میں نہیں آتی۔ زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ایجادات اور تخلیقات اور نئی نئی چیزوں پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ایک چیز بھی نظر نہیں آتی جہاں وسائل کی محتاج نہ ہو لیکن خالق کائنات کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسباب و وسائل کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے ارادے و اختیار سے از خود وسائل مہیا ہو جاتے ہیں اور یہ وسائل کائناتی خدوخال اختیار کر کے مظہر بن جاتے ہیں۔

دوسرا شعبہ یہ ہے کہ کائنات کے افراد کو اس بات کا علم حاصل ہوا کہ اس کے اندر حرکت و سکون ہے اور افراد کائنات میں ہر فرد شکل و صورت کا محتاج

ہے۔ دوسرے شعبے میں کائنات میں حرکت کا آغاز ہوگیا۔

کائنات جب بغیر وسائل و اسباب کے موجود ہوگئی تو اس کے اندر حرکت و سکون کی طرزیں نہیں تھیں اور نہ ہی کائنات کے افراد اپنی شکل و صورت سے واقف تھے۔ ایک حیرت کا عالم تھا اور بس۔!

دوسرے شعبے میں جب کائنات میں حرکت کا آغاز ہوگیا تو موجودات کی زندگی میں ترتیب واقع ہوگئی اور موجودات نے یہ جان لیا کہ میری اپنی ایک انفرادی حیثیت ہے۔ جب موجودات کے علم میں یہ بات آگئی کہ اس کی اپنی انفرادی حیثیت ہے۔ اس کے اندر حرکت سکون کی طرزیں موجود ہیں تو وہ اس بات سے بھی واقف ہوگئیں کہ ان کی زندگی ایک ایسے دائرے میں بند ہے کہ جہاں وہ قضا و قدر کے فیصلوں کی محتاج ہے۔

تکوین کے چار شعبے۔

۱۔ وسائل کے بغیر تخلیق
۲۔ حرکت کا آغاز
۳۔ ترتیب اور خودشناسی
۴۔ مخلوق قضا و قدر کے فیصلوں کی محتاج ہے۔

کائناتی نظام

آدم کو تکوین کے چار شعبوں کا علم اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے اپنے فرائض پورے کرسکے اور کائناتی امور کو چلا سکے۔ انسانی علوم اور اللہ تعالیٰ کے علوم میں یہ واضح فرق ہے کہ انسان جب نائب کی حیثیت سے تکوینی نظام کو چلاتا ہے تو وہ اسباب و وسائل کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو تخلیقات عمل میں آجاتی ہیں اور قضا و قدر کے فیصلے مدون ہوجاتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ عطا کیا ہے وہ یہ ہے کہ

انسان کائنات میں واحد فرد ہے جو بحیثیت نائب کے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات کو اور کائنات میں موجود انتظامی امور کو اپنے اختیارات سے چلاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی حاکمیت عطا کردی ہے۔ حاکمیت کا وصف ہی دراصل نیابت خلافت کے تقاضے پورے کرتا ہے اور جس طرح دنیاوی Administration میں بے شمار لوگ اپنے اپنے شعبوں کو چلاتے ہیں، اسی طرح کائنات میں بھی مختلف شعبوں کے سربراہ ہوتے ہیں اور ان کی سربراہی میں یہ کائناتی شعبے متحرک ہیں۔

میں نے "لوح و قلم" لکھتے ہوئے حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو نیابت و خلافت عطا کردی تو انسان اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں کس طرح تصرف کرتا ہے اور جب کائنات پہلے سے وجود میں آگئی اور قضا و قدر کے فیصلے مدون ہوگئے افراد کائنات حرکت و سکون کی طرزوں سے واقف ہوگئے تو پھر انسان نائب کی حیثیت سے کیا کام کرتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔

کائنات مسلسل تخلیق پذیر ہے۔ ہر آن ہر لمحے نئے نئے سیارے بنتے ہیں اور پرانے سیارے ٹوٹتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بندے جو نیابت کے فرائض انجام دیتے ہیں ان امور کی نگہبانی کرتے ہیں۔ ان کی Duty یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کائناتی تخلیق میں کوئی نئی تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو اپنے نائب حضرات کی ڈیوٹی لگادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے موجودات کی زندگی کے اسباب و وسائل، شکل و صورت، حرکت و سکون کی طرزیں متعین کرکے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کردیتے ہیں۔ اس کو Administration کی زبان میں یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نائبین پالیسی بناتے ہیں اس پالیسی کو اللہ تعالیٰ اگر قبول کرلیتے ہیں تو

www.islamiurdubook.blogspot.com

انتظامی امور چلانے والے دوسرے بے شمار افراد اس نظام پر عمل در آمد کرتے ہیں۔ تکوینی امور میں نائبین کے ساتھ فرشتے بھی کام کرتے ہیں۔ لیکن فرشتوں کو ذاتی اختیار نہیں ہوتا۔

آدم بحیثیت خلیفتہ اللہ ' اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات کا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات سے وہ کائنات کی حرکات و سکنات کو ایک ترتیب اور معین مقداروں کے ساتھ قائم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اپنی نیابت و خلافت سونپی تو نیابت اور خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے کائنات کی ساخت اور کائنات کی حرکات و سکنات اور کائنات کی زندگی سے متعلق تمام اسرار و رموز اسے سکھادیئے۔

کائنات کی ساخت کو سمجھنے کے لئے ہم نے اس بات کی وضاحت کی تھی کہ کائنات میں انسان کی حکمرانی جس عالم سے شروع ہوتی ہے اس کو باطن کہتے ہیں اور جس عالم میں اس حکمرانی کا مظاہرہ ہوتا ہے اس کو ظاہر کہتے ہیں۔ عالم ناسوت میں خلیفتہ اللہ کے دیئے ہوئے احکامات میں نقش و نگار مرتب ہوکر ان کا نزول ہوتا ہے تو اس نزولی کیفیت کا نام زمان اور مکان ہے۔

حرکت کے بے شمار شعبوں کا تعلق روح سے ہے اور روح کا تعلق تجلی سے ہے۔ تجلی کے دو شعبے ہیں۔ ایک شعبہ اخفی اور دوسرا شعبہ خفی ہے۔

لطیفہ اخفیٰ اور لطیفہ خفی روح اعظم ہے۔ تجلی کے نزول کے بعد پہلا تنزل جس شعبے میں واقع ہوتا ہے یا جہاں سے تجلی کے اندر نقش و نگار اور حرکت کا مظاہرہ شروع ہوتا ہے اس شعبے کا نام لطیفہ سری ہے اور اس کے بعد جیسے جیسے نزول ہوتا رہتا ہے اسی مناسبت سے ماہیت اور فعلیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لطیفہ خفی اور اخفیٰ کو ثابتہ (روح اعظم) کہتے ہیں اور دوسرے دو شعبے سری اور روحی یا روح انسانی ہے اور باقی دو شعبے قلبی اور نفسی نسمہ ہے۔

روح کے چھ شعبے ہیں دو شعبے باطنی ہیں اور چار شعبے ظاہری ہیں۔ باطنی شعبوں سے مراد تجلی مطلق ہے اور ظاہری شعبوں سے مراد حرکت اور نقش و نگار ہیں۔

تجلی کی پہلی رو کا نام "نہر تسوید" ہے۔ تجلی کا پہلا نزول جہاں ہوتا ہے اس کا نام "نہر تجرید" ہے۔ تجلی کے نزول کے بعد جب مزید نزول ہوتا ہے تو اس رو کا نام "نہر تشہید" اور چوتھی نہر کا نام "نہر تطہیر" ہے۔

شیطانی وسوسوں کی ابتدا وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں تجلی کے نزول کے بعد نقش و نگار بنتے ہیں۔ تجلی کے نزول کے بعد نقش و نگار بننا تجلی سے دوری کے نتیجہ میں واقع ہوتا ہے۔

روح انسانی کا پہلا شعبہ سری ہے۔ اسی مقام سے وسوسوں کی ابتداء ہوتی ہے۔

یہی شعبہ ہے جہاں وسوسوں اور شک و شبہات میں مبتلا ہوکر انسان مطلقیت اور صفت ربانیت کو بھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی اپنی اصل سے گریز کرتا ہے۔ گریز سے مراد یہ ہے کہ انسان تجلی مطلق سے دور ہوگیا۔ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان علم الاسماء کے ان علوم کو جانتا ہو جن علوم کے ذریعہ انسان کو تجلی سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

تصرف اور علم شے

جب تک کسی شے کا علم وجود نہیں بنتا اس وقت تک شے مظہر نہیں بنتی۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کا ذاتی علم اور وصف ہے۔ جب اللہ نے کائنات کو بنانا چاہا تو کائنات کے خدوخال حرکات و سکنات نقش و نگار اور کائنات کو زندہ رکھنے کے لئے وسائل کی فراہمی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذہن میں پہلے سے موجود تھا۔ کائنات اور کائنات کے تمام اجزائے ترکیبی پہلے سے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھے اور اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجودگی اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

کائنات پہلے علم ہے پھر شے ہے۔ علم شے چونکہ اللہ کا براہ راست ذاتی علم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے علم کو دوام حاصل ہے۔ شے چونکہ علم کے بعد کی مظاہراتی شکل و صورت ہے اس لئے اس کو فنا ہے۔ شے کی تخلیق میں یہ بات مخفی ہے کہ شے ہر آن گھٹتی ہے اور ہر آن بڑھتی ہے۔ گھٹنے بڑھنے کا عمل بالآخر فنا ہے۔

اللہ کا علم تجلی ہے۔ تجلی تنزل کرتی ہے تو نور بن جاتی ہے اور نور تنزل کرتا ہے تو روشنی بن جاتی ہے۔ مظہر تجلی اور نور سے تخلیق ہوتا ہے تجلی اور نور میں گم ہوجاتا ہے۔ تصوف میں ایک اصطلاح "تصرف" ہے۔ تصرف یہ ہے کہ کسی شے کے خدوخال میں تبدیلی واقع ہوجائے۔ تصرف یہ بھی ہے کہ انسانی خیالات ارادے اور اختیار کو تصرف کے تابع کردیا جائے۔ تصرف علم شے میں ہوتا ہے۔ شے میں نہیں ہوتا۔ باریک بین نظر سے دیکھا جائے تو کہا جائے گا کہ ساری

کائنات اللہ کا تصرف ہے۔ یعنی اللہ کے ذہن میں جس طرح علم شے تھا اللہ تعالیٰ نے اس علم میں تصرف کر کے کائنات کو وجود بخش دیا۔

روحانی انسان اسی قانون کے تحت علم شے میں تصرف کرتا ہے۔

تصرف کی تین قسمیں ہیں۔

معجزہ، کرامت اور استدراج۔

استدراج وہ علم ہے جو اعراف کی بری روحوں یا شیطان پرست جنات کے زیر سایہ کسی آدمی میں مخصوص حالات کی بنا پر پرورش پاتا ہے یعنی شیطان صفت لوگ، ان کا تعلق اعراف کی روحوں سے ہو یا ان کا تعلق شیطانوں سے ہو ایسے آدمی کو اپنا شکار کرلیتی ہیں جو ذہنی طور پر یکسو رہتا ہے یا اسے قدرتی طور پر یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ یہ شیطانی طاقتیں اس کی روح میں یعنی علم شے میں تصرف کر کے اپنا ہم خیال بنالیتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اور شیطانی گروہ میں تصرف اور تصرف کا عمل دخل ہے۔

جس طرح ایک روحانی انسان کے تصرف سے شے پر براہ راست اثر پڑتا ہے اسی طرح بری روح یا شیطان کے تصرف سے بھی شے پر اثر مرتب ہوتا ہے جس طرح ایک روحانی انسان فرشتوں کی حرکات سکنات کو دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح شیطانی گروہ سے تعلق رکھنے والا بندہ بھی ملائکہ کی حرکات و سکنات کو دیکھ سکتا ہے۔

اس کی مثال سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ملتی ہے۔

٭ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ابن صیاد نام کا ایک لڑکا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اس لڑکے کے قریب تشریف لے گئے اور اس سے گفتگو کے بعد جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا لب لباب ہے کہ یہ لڑکا فرشتوں کی حرکات و سکنات دیکھتا تھا اور فرشتوں کی حرکات و سکنات سے واقف بھی تھا لیکن اس کا

علم ناقص تھا۔

۲۔ صاحب استدراج کو جو علم حاصل ہوتا ہے (اس کا تعلق چاہے آسمانی دنیا سے ہو) اس میں شک ہوتا ہے۔

۳۔ ابن صیاد فرشتوں کی سرگرمیوں کو دیکھتا تھا فرشتوں کی آوازیں بھی سنتا تھا لیکن اس کا علم محدود تھا۔ اس واقعہ میں ہمیں بہت بڑا سبق ملتا ہے۔

ہمارے علماء اور بڑے بڑے دانشور یہ کہتے ہیں کہ کوئی انسان علم غیب نہیں سیکھ سکتا۔ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام نہیں ہو سکتا فرشتوں سے بات نہیں کر سکتا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب شیطان کے گروہ کا ایک بندہ ملائکہ کی سرگرمیاں دیکھ سکتا ہے' ملائکہ کی آوازیں سن سکتا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم رکھتا ہے (وہ علم ناقص ہی سہی)۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رسالت کا تذکرہ کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خدا پرست بندہ آسمانی دنیا میں داخل نہ ہو اور فرشتوں سے متعارف نہ ہو سکے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت عمرؓ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس تشریف لے گئے اس سے گفتگو فرمائی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو غیب بینی کا علم حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اس کا علم ناقص ہے۔ جب ابن صیاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا تو آپؐ نے فرمایا۔ تو شک میں پڑ گیا۔

علم استدراج کی حیثیت تو مسلم ہے لیکن اس علم میں شکوک و شبہات کا دخل ہے اور اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

استدراج

استدراج کے برعکس جب انسان غیب کی دنیا میں داخل ہوتا ہے فرشتوں

کی Activities دیکھتا ہے تو اس کا علم ناقص نہیں ہوتا اور نہ اس کے علم میں شکوک و شبہات در آتے ہیں اور جیسے جیسے ترقی کرتا ہے اس کا محدود علم لامحدود ہوتا رہتا ہے۔

غیب کی دنیا میں لفظ اور معنی کوئی چیز نہیں۔ ہر لفظ ایک شکل رکھتا ہے۔ خواہ وہ وہم ہی کیوں نہ ہو۔ وہم ہو خیال ہو احساس ہو کائنات میں ہر شے کی شکل و صورت ہوتی ہے۔ شکل و صورت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر توازن ہوتا ہے۔ وہ چیز نظر آئے یا نہ آئے' اس کے اندر خدوخال ہوتے ہیں۔ ہر آدمی دیکھتا ہے کہ وہم کا مریض تقریباً" زندگی سے کٹ جاتا ہے اور وہم کی طاقت سے اس کا دماغ بکھر جاتا ہے زندگی ایک نقطے پر رک جاتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ معاشرے میں عضو معطل بن کر زندگی گزارتا ہے۔

وہم میں شکل و صورت' وزن اور طاقت نہ ہو تو کوئی آدمی وہم میں مبتلا ہو کر مریض نہیں بن سکتا ہے۔ ہوا ایک شے ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن جب ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں تو اس کی طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اگر ہوا کی شکل و صورت نہیں ہے ہوا میں خدوخال نہیں ہیں ہوا میں طاقت نہیں ہے تو طوفانی ہواؤں سے بڑی بڑی بستیاں نیست و نابود کس طرح ہو جاتی ہیں؟

ہر فرد جانتا ہے کہ جب ہوا تیز چلتی ہے تو انسان کے جسم پر ہوا کے اثرات براہ راست مرتب ہوتے ہیں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز جسم سے ٹکرا کر گزر رہی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شے نظر آتی ہو یا نظر نہ آتی ہو اس کی شکل و صورت ہے اس میں وزن ہوتا ہے اس میں طاقت ہوتی ہے اسی طاقت سے آدمی اور دوسری مخلوق متاثر ہوتی ہے۔ اگر انسان کوشش کرے یا ایسے حالات اس کے ساتھ پیش آجائیں جن حالات کی بنا پر وہ یکسو ہو جائے تو اس کے اندر چھٹی حس بیدار ہو جاتی ہے۔

انسان کے اندر پانچ حواس کے علاوہ بے شمار حواس کام کرتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ پانچ حواسوں میں ہر حواس بے شمار حسوں سے مرکب ہے۔ اگر ان کی تعداد کا اندازہ لگایا جائے تو انسانی زندگی کے اندر وہ زندگی جسمانی ہو روحانی ہو برزخ کی زندگی ہو یا اعراف کی زندگی، جتنی حسیں کام کرتی ہیں ان کی تعداد کم و بیش ساڑھے گیارہ ہزار ہے۔ چھٹی حس مادی آنکھ کی طرح ہر چیز کو دیکھتی ہے۔ چھٹی حس سے دیکھنے کے عمل کو "غیب بینی" کہتے ہیں۔

عبرانی زبان میں نبی غیب بین کو اور رسول غیب کے قاصد کو کہتے ہیں۔ ابن صیاد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو اسی لئے نہیں سمجھ سکا کہ اسے روحانی طرزوں میں معرفت الٰہی حاصل نہیں تھی۔ استدراج کا علم اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ استدراج کے علم میں چونکہ شک و شبہات ہوتے ہیں اس لئے یہ علم ناقص اور محدود ہے استدراج اور علم نبوت میں یہی فرق ہے کہ علم نبوت کے راستے پر چلنے والا سالک اور منزل رسیدہ عارف غیب بینی کی حدود سے نکل کر اللہ کی معرفت تک پہنچ جاتا ہے۔ علم نبوت سے فیض یافتہ بندے کے اندر شکوک و شبہات باقی نہیں رہتے اور یہ علم ناقص علم نہیں ہوتا۔

علم نبوت لامحدود ہے۔ جب کہ استدراج محدود ہوتا ہے چونکہ علم محدود ہوتا ہے بے یقینی اور وسوسے اس میں شامل ہوتے ہیں اس لئے یہ علم شیطانی علم ہے۔ اس علم کے زیر اثر جو خرق عادت صادر ہوتی ہیں اس کو استدراج کہتے ہیں۔

علم روحانیت میں کسی ایسے بندے سے خرق عادت صادر ہو جو اللہ کا پیامبر ہے اور اللہ کا نبی ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے روحانی بندے سے جو انبیاء کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتا ہے اور نبیوں کی روحوں سے اس کا تعلق قائم رہتا ہے۔ ملائکہ اور انبیاء کی ارواح اس کی روح کے اندر تصرف کرتی ہیں۔ اگر خرق عادت صادر ہوتی ہے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

استدراج کے زیر اثر جو تصرف کیا جاتا ہے اس کا اثر عارضی اور غیر مستقل ہوتا ہے۔ اتنا عارضی اور غیر مستقل کہ فضا کے ردوبدل سے خودبخود ختم ہوجاتا ہے۔

اگر کسی آدمی پر جادو سفلی (استدراج) کا اثر ہوجائے اور وہ پانی پر سے گزر کر ایک مقام سے دوسرے مقام پر چلا جائے تو جادو کا اثر ختم ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس علم حق یا انبیاء کے علم کے تحت تصرف کا اثر مستقل ہوتا ہے۔ جب تک صاحب تصرف اثرات کو خود ختم نہ کرے تصرف کے اثرات قائم رہتے ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ بیعت کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ بھال کرلو۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ آدمی بیعت کرکے بیعت توڑ نہیں سکتا۔

بیعت کے سلسلے میں یہ قانون فکر طلب ہے کہ سالک بیعت کرکے ازخود آزاد نہیں ہوسکتا۔

روحانی بندہ کا تصرف چونکہ مستقل ہوتا ہے اس لئے جب تک مراد تصرف ختم نہیں کرتا مرید تصرف کے اثر سے آزاد نہیں ہوتا۔ اگر مرید اپنے مرشد سے ناراض ہوکر اس راستے سے انحراف کرتا ہے جس راستے پر مرشد نے ڈال دیا ہے تو وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس جاتا ہے۔ کیونکہ مرشد تصرف ہٹانے پر آمادہ نہیں۔ مرید کی اتنی سکت نہیں کہ تصرف کا مقابلہ کرسکے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرید دماغی طور پر پست ہوجاتا ہے اور اس کی شعوری کیفیات معطل ہوجاتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بیعت کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ دیکھ بھال کر اور پرکھ کر بیعت کی جائے۔

مرشد تصرف اس لئے ختم نہیں کرتا کہ تصرف ختم کرنے سے مرید کے شعور میں سے وہ انوار اور روشنیاں ختم ہوجاتی ہیں جو اس نے بڑی محنت سے جمع کی ہیں۔ روحانی راستہ پر چلنے کے لئے اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ راستہ

دکھانے والا خود بھی راستہ سے واقف ہے یا نہیں۔

میرے ایک دوست بہت بڑے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ روحانی ڈائجسٹ اولیاء اللہ کی تصنیف ہے۔ روحانی علوم سکھاتا ہے۔ علم الاسماء کے بارے میں وضاحت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی اور روحانی رشتہ جوڑتا ہے۔ آپ اپنے مریدوں میں اسے متعارف کرائیں۔

پیر صاحب نے فرمایا۔ روحانی ڈائجسٹ میں پڑھتا ہوں۔ اس سے استفادہ کرتا ہوں۔ مرید حضرات کو اس لئے پڑھنے کو نہیں دیتا کہ اس رسالے میں روحانی کیفیات شائع ہوتی ہیں۔ کسی نے مجھ سے میری کیفیات کے بارے میں پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ بس اللہ نے بھرم رکھا ہوا ہے۔

لیکچر ۱۹

معجزہ کرامت استدراج

طرز فکر میں اگر رحمانی علوم کا غلبہ ہے اور انسانی شعور علم نبوت کے زیر اثر کوئی عمل کرتا ہے اور اس عمل کے نتیجے میں کوئی خرق عادت صادر ہوتی ہے اسے کرامت کہتے ہیں۔ اگر یہی عادت کسی نبی سے سرزد ہوتی ہے تو اس کا نام معجزہ ہے۔ لیکن اگر یہی خرق عادت کسی ایسے انسان سے صادر ہوتی ہے جس انسان کے شعور میں رحمانی علوم کا غلبہ نہیں ہے اور طرز فکر میں شکوک و شبہات اور وسوسوں کی دنیا آباد ہے تو اس کا نام جادو ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فرعون کا دربار لگا ہوا ہے۔

ایک طرف فرعون کے پروردہ کاہن اور نجومی کھڑے ہیں۔ دوسری طرف ایک فرد واحد اللہ کا پیامبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہیں۔

جادوگر رسیاں اور بانس پھینکتے ہیں تو خرق عادت کا ظہور ہوتا ہے۔ رسیاں سانپ اور بانس اژدھے بن جاتے ہیں۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا پھینکتے ہیں تو یہ عصا ایک بڑا اژدھا بن کر فرعون کے دربار میں دوڑتے ہوئے بے شمار سانپوں اور اژدھوں کو نگل لیتا ہے۔

فرعون کے دربار میں موجود تمام کاہن اور جادوگر جب اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر فرعون کی خوشنودی ہے اور اس فن کے مظاہرے

www.islamiurdubook.blogspot.com

میں دنیاوی لالچ اور فرعون سے قربت کا احساس ہے۔ اس کے برعکس موسیٰ علیہ السلام نے جب معجزہ دکھایا تو ان کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ ان کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ میں بہت بڑا فن کار ہوں انہیں انعام کا لالچ نہیں تھا۔ ایک فرد واحد بہت بڑے دربار میں سینکڑوں جادوگروں کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں صرف یہ بات ہے کہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔

اس واقعے سے روحانیت اور استدراج کا فرق واضح ہوجاتا ہے۔ اگر خرق عادت میں دنیاوی لالچ اور اللہ کی دوری کے عناصر موجود ہیں تو وہ جادو یا استدراج ہے اور اگر خرق عادت میں محض اللہ کی خوشنودی ہے تو معجزہ یا کرامت ہے۔

سوال یہ ہے کہ استدراج جس کا نام ہم تخریب کے علاوہ کچھ نہیں رکھ سکتے کیسے وجود میں آیا۔

آپ جانتے ہیں کہ کائنات کی اصل تجلی ہے۔ کائنات کی شروعات تجلی سے شروع ہوتی ہے اور تجلی کائنات کے ہر ذرے میں گشت کرتی رہتی ہے اور اس طرح گشت کرتی ہے کہ شے کے محدود ترین مرکز سے بھی گزرتی ہے۔ شے کے محدود ترین مرکز یا خول سے مراد یہ ہے کہ کائنات میں جتنی تخلیقات ہیں اور کائنات میں جتنے عناصر ہیں اور ان عناصر میں جتنے ذرات ہیں ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ کی تجلی گشت کر رہی ہے۔

اللہ نور السموات والارض۔

کائنات کے ہر ذرے میں مسلسل و متواتر حرکت ہو رہی ہے۔ اگر حرکت کو کائنات کے ذرات سے گزرتے وقت کوئی ناپسندیدہ عمل پیش آجائے تو اس کے اندر ایک طوفانی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے یعنی حرکت میں عدم توازن پیدا ہوجاتا ہے۔ عدم توازن سے معین مقداروں میں تغیر واقع ہونے لگتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام میں تغیر واقع ہورہا ہے۔ تغیر کے اثر کی وجہ سے کوئی نہ

کوئی تخریبی اثر مرتب ہوجاتا ہے۔

انسانی جسم کے اندر خون دور کرتا رہتا ہے۔ فکر اور خیالات کا اثر براہ راست انسانی جسم پر پڑتا ہے۔

خیالات میں اگر کثافت اور بیزاری ہے تو خون میں اس کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ ایک آدمی سڑی ہوئی غذائیں استعمال کرتا ہے یا ایک آدمی ایسے خیالات میں زندگی گزارتا ہے جو خیالات خود اس کے ضمیر کو ملامت کرتے ہیں تو اس حال میں شعوری واردات و کیفیات اور جسمانی نظام ضرور متاثر ہوتا ہے۔

تجلی میں وسوسے شامل کردیئے جائیں تو اس کی قوتیں خیر کے برعکس تخریب میں کام کرنے لگتی ہیں۔

سادھو جب جسم پر راکھ مل کر جسم کے مسامات بند کرلیتا ہے۔ جلدی مسامات بند ہونے سے جسم کے اندر دور کرنے والی لطیف روشنیاں، کثیف ہو کر رقیق بن جاتی ہیں۔ یہی کثیف روشنیاں اور یہی تعفن ایک جسم سے منتقل ہو کر دوسرے جسم میں بہنے لگتا ہے۔ وہاں یہ کثیف روشنیاں اپنی تاثیر پیدا کرکے تخریبی سرگرمیوں (استدراج) میں عمل کرنے لگتی ہیں۔

ہر مذہب میں عبادت کے لئے غسل یا وضو کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ عبادت کا تعلق جسمانی اعضا سے نہیں ہے عبادت کا تعلق ذہن سے ہے۔ جب عبادت کا تعلق ذہن سے ہے تو غسل اور وضو کیوں ضروری ہے۔ عبادت کرنے سے پہلے غسل یا وضو اس لئے ضروری ہے کہ وضو کرنے سے ہماری طرز فکر میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ اس پاکیزگی سے طبیعت شگفتہ ہوجاتی ہے اور شگفتگی عبادت میں انہماک پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

کشش کا قانون

تجلی نے جب نزول کیا تو نور میں جلوہ گر ہوئی اور نور تنزل کر کے روشنی یا

www.islamiurdubook.blogspot.com

مظہر بن گیا۔ یہ سلسلہ ازل سے ابد تک جاری ہے۔

نوعوں کا اجتماعی پروگرام جس نقطے پر مرکوز ہے اس نقطے کا نام شخص اکبر ہے اور جب یہ اجتماعی پروگرام نوعی شکل میں الگ الگ متحرک ہوتا ہے تو اس کا نام شخص اصغر ہے۔ ہر نوع معین مقداروں کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ معین مقداروں کے ساتھ زندہ رہتی ہے اور معین مقداروں کے ساتھ فنا ہوجاتی ہے۔ معین مقداریں اگر شخص اکبر سے متعلق ہیں تو ہر نوع کی زندگی اجتماعی نقطے (شخص اکبر) سے وابستہ ہے اور نوع کے افراد کا تعلق شخص اصغر سے ہے۔ جب ہم نوعی اعتبار سے نوع کے افراد کا مطالعہ کرتے ہیں اور نوعی زندگی میں تقاضوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ ہر نوع میں جذبات مشترک ہیں۔ زندگی کے اعمال و اشغال اور جسمانی تقاضے مشترک ہیں۔

تقاضوں میں یکسانیت اس بات کا ثبوت ہے کہ ساری کائنات کسی ایک نقطے میں بند ہے۔

انسان فی الواقع اطلاع کا مظہر ہے اور اطلاع علم ہے۔ یعنی کائنات ایک علم ہے اور یہ علم چار شعوروں پر پھیلا ہوا ہے۔

Summary :

۱۔ کائنات کا لاشعور

۲۔ کائنات کا شعور

۳۔ کائنات کا ارادہ

۴۔ کائنات کی حرکت

کائنات کا لاشعور تجلی ہے اور کائنات کا شعور تجلی کی صفت ہے اور تجلی کی صفت ارادہ ہے اور ارادے میں حرکت مظہر ہے۔

یہ چاروں شعور کائنات کی اصل ہیں۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو کہتے ہیں

میں نے لکھا' یا کہتے ہیں ہم نے کھانا کھایا۔ ہم وہاں گئے یہاں آئے۔

یہ گفتگو کا انداز اگر صحیح ہوتا تو ہم کہتے کھانا میرے منہ نے کھایا تحریر میرے ہاتھ نے لکھی سفر میرے پیروں نے کیا۔ رائج گفتگو کو ہم کسی بھی طرح حقیقی گفتگو نہیں کہہ سکتے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے برائی اور بھلائی کا خالق فی الواقع اللہ ہے۔ لیکن اللہ کے اوپر کسی فعل کے حدود کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔ اس لئے جس طرح اللہ نے تخلیق کی ہے اس ہی طرح انسان کو برائی یا بھلائی اختیار کرنے کا ارادہ بھی عطا کیا ہے۔ اس کی مثال آدم کا قصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم کو جنت میں رکھا اور Time and Space کی حد بندیوں سے آزاد کردیا۔ جنت میں موجود شجر ممنوعہ دکھا کر اور سمجھا کر یہ بات فرمائی کہ اس درخت کے قریب نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ نے ممانعت کرنے سے پہلے آدم کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ وہ شجر ممنوعہ کے قریب جائے یا نہ جائے۔ ایسی صورت میں برائی یا بھلائی سرزد ہونا آدم کا ذاتی وصف ہے۔

یہ علم اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ کائنات میں کوئی چیز اللہ سے باہر نہیں ہے۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے علم کا ایک ریکارڈ ہے۔ اس ریکارڈ کو پڑھ لینا اس ریکارڈ سے واقفیت حاصل کرلینا اللہ کی معرفت ہے۔ اللہ کی معرفت اللہ کی طرح قدیم ہے۔ جس طرح اللہ کی موجودگی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اسی طرح اللہ کی صفت قائم ہے اور قائم رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اللہ کا علم ہے اور جب اللہ کی صفت ارادہ کرکے حرکت بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو علم القلم اور اللہ کی صفت حکم کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔ یہ دونوں ریکارڈ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس کائنات کی ابتداء اور کائنات کی انتہا غیب کے اوپر قائم ہے۔ تمام احکامات خدوخال کے

ساتھ عالمِ غیب میں موجود ہیں اور یہ احکامات اللہ تعالیٰ کی مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق مادی دنیا میں نازل ہوتے رہتے ہیں۔
چار شعوروں کو چار نہریں بھی کہتے ہیں۔ ان چار نہروں کے مقامات یہ ہیں۔

۱۔ نہرِ تسوید کی حدود عالمِ لاہوت

۲۔ نہرِ تجرید کی حدود عالمِ جبروت

۳۔ نہرِ تشہید کی حدود عالمِ ملکوت

۴۔ نہرِ تظہیر کی حدود عالمِ ناسوت

عالمِ لاہوت وہ مقام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا علمِ غیب کی شکل و صورت میں موجود ہے۔ اس مقام میں ایسے لاشمار دائرے ہیں جو خفیف ترین نقطے سے دائرے کی شکل میں توسیع اختیار کر کے پوری کائنات پر محیط ہوتے ہیں۔ عالمِ لاہوت کو تجلی یا دائرہ تجلی بھی کہا جاتا ہے۔ تجلی کا ہر لفظ جب دائرہ بنتا ہے تو پہلے ہر نقطے کے دائرے سے بڑا ہوتا ہے۔ تجلی کے یہ بے شمار دائرے کائنات کی تمام اصلوں کی بنیاد ہیں۔ تجلی کے انہی دائروں سے کائنات نوعوں کی شکل میں تبدیل ہوتی ہے۔ اس دائرے کو غیب الغیب کہتے ہیں۔

تخلیق کی اصل روح ہے اور روح کی اصل تجلی ہے۔ غیب الغیب کی بنیاد نہرِ تسوید ہے۔ جسے عالمِ لاہوت کہا جاتا ہے اور جب کائنات کی ماہیت خدوخال میں منتقل ہو جاتی ہے تو اس عالم کو نہرِ تجرید یا عالمِ جبروت کہتے ہیں۔ عالمِ جبروت کے اندر مقیم نوع یا افراد کائنات کی صفات نزول کرتی ہیں تو الگ ایک شعور بن جاتی ہیں۔ اسی دائرہ شعور کا نام نہرِ تشہید یا عالمِ ملکوت ہے۔ عالمِ ملکوت کے اندر خدوخال اپنی حدوں سے جب نزول کرتے ہیں یا عالمِ ملکوت سے باہر آجاتے ہیں تو عالمِ محسوسات کی بنیاد پڑ جاتی ہے اس مقام کو عالمِ ناسوت کہتے ہیں۔

لطائف کے تذکرے میں لطیفوں کے مقام کا تذکرہ ہوا ہے۔ لطیفہ نفسی

ناف کے مقام پر، لطیفہ قلبی قلب کے مقام پر لطیفہ روحی سینے کے وسط میں، لطیفہ سری دائیں پستان کے نیچے۔ لطیفہ خفی پیشانی میں اور لطیفہ اخفی ام الدماغ کے مقام پر ہے۔ اگر ان لطیفوں کو اللہ کی صفت علم کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے تو سارے لطائف دائروں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح گھڑی میں اسپرنگ ہوتا ہے۔ اسپرنگ کی خاصیت یہ ہے کہ اسے اکٹھا کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ سمیٹ کر کم سے کم کرلیا جاتا ہے اور اسے پھیلا کر زیادہ سے زیادہ طویل کیا جا سکتا ہے۔ اسپرنگ کا ہر دائرہ محدود بھی ہے اور اس محدودیت کے مقابلے میں طویل ترین بھی ہے۔

انا کا فلسفہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تفکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ ستارے کی چمک دیکھ کر کہا۔ یہ میرا رب ہے اور جب ستارہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا غروب ہو جانے والا چھپ جانے والا گھٹ جانے والا معبود نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ستارے سے زیادہ روشن اور چمک دار چاند کو دیکھا۔ چاند بھی غروب ہو گیا۔ اس کے بعد چاند سے زیادہ روشن سورج کو دیکھا اور یہ سوچا کہ اب تک دیکھی جانے والی چمک دار چیزوں میں سب سے زیادہ روشن سورج ہے۔ سورج بھی غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ غروب ہونے والا خدا نہیں ہو سکتا اور میں اس خدا کی طرف اپنا رخ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ تغیر پذیر شئے پرستش کے قابل نہیں ہے۔

انسانی زندگی کا تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ زندگی کسی لمحے ٹھہرتی نہیں ہے۔ ہر آن اور ہر منٹ زندگی کی تجدید ہوتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کو دو قسموں پر پیدا کیا۔

ان دو قسموں کو سمجھنے کے لئے ہمیں انسان کے اندر کام کرنے والے شعوری اور لاشعوری حواس کو سمجھنا پڑے گا۔ شعوری اسباب جب زیر بحث آتے ہیں تو ہمارا واسطہ ہر ہر قدم پر غیر رب سے پڑتا ہے اور ہم زندگی گزارنے کے لئے رب کے علاوہ دوسری بہت ساری چیزوں سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ اس کے برعکس ہماری زندگی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے بھی کسی ہستی سے رشتہ قائم کرنے پر مجبور ہیں۔ یہی لاشعوری حواس غیر رب کی نفی کرتے ہیں اور زندگی کو بحال رکھنے کے لئے ایک مسلمہ حقیقت ہیں اور زندگی کے لئے جزو اعظم ہیں۔

آدھی زندگی شعور میں اور آدھی لاشعور میں گزرتی ہے پیدائش کے بعد انسانی زندگی کا بڑا حصہ لاشعور میں گزرتا ہے۔

بارہ سال تک کی شعوری عمر میں افہام و تفہیم نہیں ہوتی۔ آٹھ سال یا بارہ سال کی عمر تک نیند کا وقفہ شمار کیا جائے تو بیداری سے زیادہ ہے۔ انسان لاشعور میں عمر کا ایک تہائی حصہ صرف کرتا ہے اور عمر کا باقی حصہ شعور میں صرف کرتا ہے۔ لاشعوری زندگی کا حصہ غیر رب کی نفی کرتا ہے اور اس نفی کا اختیار انسان کو حاصل ہے۔ اگر انسان شعوری زندگی میں رہتے ہوئے لاشعوری زندگی میں زیادہ وقت گزارے تو اسے لاشعوری زندگی میسر آجاتی ہے۔

ترجمہ : اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی دیر یا نصف رات۔

قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ بے شک رات کو اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے۔ (سورہ مزمل شریف)

اس آیت میں اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ شعوری زندگی میں رہتے ہوئے لاشعوری زندگی میں داخل ہو کر اللہ کی طرف متوجہ رہو اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو۔ بے شک وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔

زندگی کا ایک وقفہ یہ ہے کہ ہم لاشعوری حواس میں بے عمل رہتے ہیں اور بیداری میں وظیفہ اعضاء پورا کرتے ہیں۔ ان حواس میں ہمارے اوپر زمان اور مکان کا غلبہ رہتا ہے۔ یعنی ہم خود کو ہر ہر قدم پر پابند اور مقید محسوس کرتے ہیں۔ زندگی کے دوسرے وقفے نیند کی حالت میں ہمارے اوپر زمان و مکان کی پابندی ٹوٹ جاتی ہے۔

رات کو نماز قائم کرنا یا تہجد میں اٹھنا اسی طرف دعوت ہے۔ یہ وہ وقفہ ہے جو پابند شعور سے آزاد کردیتا ہے۔ سورۃ مزمل شریف میں یہی قانون بیان فرمایا گیا ہے جس طرح غیر شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے سے جسمانی زندگی تعمیر ہوتی ہے اسی طرح شعوری طور پر غیر رب کی نفی کرنے سے روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

الہامی کتابیں

روحانیت کو سمجھنے کے لئے الہامی کتابوں پر یقین ہونا ضروری ہے۔ الہامی کتابیں ہی روحانی علوم کو منکشف کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یہ کتاب نہیں ہے شک اس میں یہ کتاب ان لوگوں کو ہدایت دیتی ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔

قرآن پاک کے الفاظ کی تشریح میں یہ بات یقینی بن گئی ہے کہ اگر کسی بندے کے اندر شک اور وسوسہ ہے تو یہ کتاب اس بندے کی رہنمائی نہیں کرتی۔ یہ کتاب صرف ان لوگوں کو ہدایت بخشتی ہے جو راست باز اور راست گو ہیں۔ یہی لوگ متقی ہیں۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق متقی لوگوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ غیب کے اوپر یقین رکھتے ہیں۔ غیب سے مراد وہ تمام چیزیں وہ تمام دنیائیں اور دنیاؤں میں گروہ در گروہ فرشتے ہیں جو ظاہر آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔

قانون یہ ہے کہ غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کے لئے غیب کی دنیا پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ جب تک کوئی چیز دیکھ نہ لی جائے۔ اس وقت تک یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔ یہ قانون صرف غیب کی دنیا میں ہی نافذ نہیں ہے ہماری روزمرہ کی زندگی میں بھی یہی قانون نافذ ہے۔ نوع انسانی کی زندگی کا ہر شعبہ اس قانون میں بندھا ہوا ہے۔ ان آیات کی روحانی تشریح یہ ہے کہ قرآن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ کتاب ایسے لوگوں کو ہدایت بخشتی ہے جو

غیب کی دنیا میں اور اللہ کے معاملات کے اوپر شک نہیں کرتے اور وہ غیب کے اوپر اس لئے یقین رکھتے ہیں کہ غیب ان کے مشاہدے میں ہوتا ہے۔ اس بات کو دو لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ قرآن ان لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے جو لوگ غیب کی دنیا سے متعارف ہیں یعنی غیب ان کے مشاہدے میں ہے۔

ہزارہا مفسرین نے اپنی ذہنی کاوشوں سے تفاسیر لکھی ہیں۔ لیکن جب ہم تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہر تفسیر دوسری تفسیر سے متضاد نظر آتی ہے۔ حقیقت میں تضاد نہیں ہوتا حقیقت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تغیر واقع نہ ہو۔ ہمارا منشا مفسرین کی نیت پر شک کرنا نہیں ہے انہوں نے مخلصانہ طرزوں میں کوشش کی ہے۔ اس کا صلہ کیا ہے اللہ جانے اور وہ جانیں۔ لیکن لوح محفوظ کے قانون کے مطابق جب تک غیب مشاہدے میں نہ ہو قرآن پاک کی تعلیمات کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ

قرآن پاک صرف وہ لوگ سمجھتے ہیں جن کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن پڑھایا ہو یا قرآن کی تشریح خود اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہو۔

یہ بات لوح محفوظ کے قانون کے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے شمار قدسی نفس حضرات نے دیکھا ہے اور ان سے علوم سیکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یہ کتاب نہیں ہے شک اس میں اور یہ کتاب ہدایت دیتی ہے متقی لوگوں کو اور متقی لوگ وہ ہیں جو غیب پر ایمان (یقین) رکھتے ہیں۔ (یقین کی تکمیل مشاہدہ کے بغیر نہیں ہوتی) متقی لوگ وہ ہیں جن کا اللہ کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے اور وہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایمان لائے یعنی

مشاہدہ کیا۔ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر جو نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو یقینی (مشاہداتی) طور پر جانتے ہیں۔ وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں جو مراد کو پہنچے۔ صلوٰۃ کا ترجمہ اللہ سے ربط قائم کرنا ہے۔ قائم کرتے ہیں صلوٰۃ یعنی یکسو ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا تعلق اللہ سے قائم ہو جاتا ہے۔

انسانی ذہن کی ساخت

ہر ذی شعور انسان جانتا ہے کہ زندگی یقین کے اوپر قائم ہے۔ اس یقین کو تصوف میں "انا" کہتے ہیں۔ انا یا ذات انسانی روشنی کا ایک ہیولا ہے اور روشنی کا یہ ہیولا دو سمتوں سے بندھا ہوا ہے۔ ایک طرف اپنی اصل کے ساتھ اور دوسری طرف اپنی نوع کے ساتھ۔ انا کی اصل صفات الٰہیہ ہیں۔

یہی صفات الٰہیہ ہیں جن کے ذریعے کائنات کے تمام افراد ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ہم نے کتاب نظریہ رنگ و نور میں تالاب کی مثال دے کر صفات الٰہیہ کی وضاحت کی ہے کہ

ایک تالاب ہے اس میں آپ ایک چھوٹی سی کنکری پھینک دیں۔ بہت بڑے تالاب میں ایک چھوٹی سی کنکری سے دائرے بنتے ہیں اور یہ دائرے بیچ سے شروع ہو کر تالاب کے چاروں کناروں پر گھوم جاتے ہیں ان دائروں کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

تالاب میں یہ دائرے کائنات اور کائنات کے تمام افراد ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ تالاب کے اندر بننے والے دائرے جس طرح تالاب کی سطح پر ابھر کر متحرک ہوتے ہیں اسی طرح حرکت پوری کرنے کے بعد دوبارہ مل جاتے ہیں۔ کائنات اور افراد کائنات صفات الٰہیہ کے سمندر پر دائروں کی شکل میں متحرک ہیں اور یہ تمام دائرے دوبارہ صفات الٰہیہ میں جذب ہو جاتے ہیں۔

اسی قانون کو قرآن پاک نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہہ کر بیان کیا ہے۔ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یعنی تمام کائنات صفات الٰہیہ کا مظہر ہے کائنات اور کائنات کے افراد اپنی شکل و صورت اعمال و اشغال کے ساتھ ایک معینہ حرکت کے بعد دوبارہ صفات الٰہیہ میں جذب ہو جاتے ہیں۔ ہم نے ابھی تالاب میں لہروں کی مثال دی ہے تالاب میں ہر لہر کسی ایک نوع کی شکل و صورت کا نام ہے۔ اس شکل و صورت کا نام ایک طرف نوع ہے اور دوسری طرف فرد ہے۔ ہر فرد کا احساس دو رخوں سے مرکب ہے۔ یہ احساس دریا کی تہہ سے اپنا سفر شروع کر کے دریا کی سطح تک پہنچتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جب ہم نے تالاب میں کنکری پھینکی تو تالاب کے اندر بے شمار لہریں دائروں کی شکل میں متحرک ہو گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تالاب کے اندر لہریں شکل و صورت میں موجود تھیں۔

سطح سے ابھرنے کے بعد لہر کی شکل میں ظاہر ہونا فرد کا شعور ہے جب تک لہر پانی کے اندر ہے فرد کا لاشعور ہے۔

جب ہم نے یہ بات تسلیم کر لی کہ تالاب کی سطح پر ابھرنے والی تمام لہریں افراد کائنات ہیں تو یہ بات از خود تصدیق ہو گئی کہ ساری کائنات میں ایک مخفی رشتہ قائم ہے اور وہ مخفی رشتہ تالاب کا پانی ہے۔ تالاب کے پانی میں جب حرکت ہوتی ہے تو تالاب کی سطح پر ابھرنے والے تمام افراد خود کو ایک دوسرے سے متعارف اور مانوس محسوس کرتے ہیں اور ساتھ ہی خود کو الگ الگ بھی محسوس کرتے ہیں۔

جب آدمی آسمان اور ستاروں کو دیکھتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ وہ ان سے واقف ہے اس کے ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ آسمان اور ستارے بھی میری طرح اس کائنات کا ایک فرد ہیں۔ بظاہر ان کے ساتھ کوئی رشتہ نظر نہیں آتا لیکن جب انسان ان کو دیکھتا ہے تو اپنے اندر ایک قربت کا احساس محسوس کرتا ہے۔ یہ

بات ذہن میں نہیں آتی کہ آسمان اور ستاروں سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہی نسبت اور تعلق تالاب کی تہہ میں ہر نوع کے ہر فرد کو حاصل ہے۔

ایک شخص کو پیاس لگتی ہے اور پانی پینے کے بعد اس کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ یہی صورتحال زمین کی ہے۔ یہی حال درختوں کا ہے پرندوں نباتات و جمادات کے ساتھ بھی یہی عمل جاری ہے۔ جس طرح انسان کو پیاس لگتی ہے اور وہ پانی پی کر سیراب ہوجاتا ہے' اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی مخلوق پانی پی کر اپنی تشنگی بجھالیتی ہے۔

انسان کی زندگی کی طرح تمام جذبات و احساسات ہر نوع کے ہر فرد کے اندر کام کرتے ہیں۔ نسل کشی کے سلسلے پر غور کیا جائے تو کائنات میں درخت حیوانات جمادات نباتات سب اس صفت میں انسان کے ساتھی ہیں۔

صعود سے زوال

کائنات ایک بساط پر قائم ہے۔ کائنات کی بساط پر ہر شے کا روحانی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ جب یہ ہستی صعود سے زوال کرتی ہے تو خدوخال کا لباس زیب تن کرلیتی ہے۔ ہم اس خدوخال کے وجود کو کسی بھی طرح روح سے الگ نہیں کرسکتے۔ وجود کا تعلق جب تک روح سے ہے وجود میں حرکت ہے اور جب روح اس وجود سے تعلق منقطع کرلیتی ہے تو وجود باقی نہیں رہتا۔ جس طرح وجود روح کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح روح یا ساری کائنات اللہ کے ذہن کے ساتھ وابستہ ہے۔

"ہوجا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی چیز موجود ہے جس کو اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں تمام صورتیں وجود میں آگئیں۔

پہلا نزول یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص علم کو حکم دیا کہ اس کا مظاہرہ ہو اور کائنات تخلیق ہوگئی۔ لیکن افراد کائنات میں گویائی سماعت اور

بصارت نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میں تمہارا رب ہوں"

اور جواب میں کائنات نے اقرار کیا۔

"جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں۔"

ان آیات سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ کائنات کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت سماعت منتقل ہوئی۔ آواز سننے کے بعد جیسے ہی کائنات اس آواز کی طرف متوجہ ہوئی اسے نگاہ مل گئی۔ اللہ تعالیٰ کی آواز سننے کے بعد اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد کائنات نے اس بات کا اقرار کیا۔ جی ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ اور کائنات گونگے' بہرے پن سے باہر آگئی اور اس کو سماعت بصارت احساس اور قوت گویائی منتقل ہوگئی۔ "الست بربکم" کہنے سے پہلے کائنات میں حواس نہیں تھے۔ "کُن" کے بعد الگ الگ افراد تخلیق نہیں ہوئے بلکہ پوری کائنات کے افراد تخلیق ہوئے۔ چونکہ تمام افراد کی ایک ساتھ تخلیق ہوئی اس لئے تمام افراد کے حواس ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی صفات ایک سمندر ہے جس کی سطح پر کائنات کی تمام صورتیں بن گئیں اور ہر صورت اپنی نوع کے اعمال و اشغال انجام دے کر اسی سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ کائنات کی اربوں' سنکھوں' زمینوں پر اگر غور کیا جائے تو منکشف ہوتا ہے کہ ہر عمل ہر حرکت ہر احساس کہیں سے آرہا ہے اور کہیں جاکر گم ہورہا ہے۔ کائنات مسلسل حرکت کر رہی ہے۔ ایک حرکت کو ہم نزولی حرکت کہتے ہیں' دوسری حرکت کو ہم صعودی حرکت کہتے ہیں۔

نزولی صعودی حرکات ایک مخفی رشتے کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں اور یہی مخفی رشتہ کسی ایک نوع یا نوع میں سے ایک فرد کا احساس یا شعور بن رہا ہے۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

فرد کی جسمانی حرکت خدوخال کے ساتھ واقع ہوتی ہے لیکن جسمانی خدوخال کے ساتھ اس حرکت کو اختیاری حرکت نہیں کہہ سکتے۔ یہ حرکت بہرحال کسی نہ کسی حرکت کے تابع ہے۔

(۱) جسمانی خدوخال کے ساتھ جو حرکت صادر ہوتی ہے وہ شعوری حرکات ہیں جن کو خارجی زندگی کہتے ہیں۔

(۲) مخفی احساس جس کے اوپر جسمانی وجود حرکت کرتا ہے کو داخلی زندگی کہتے ہیں۔

(۳) کائنات ایک ہستی کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کو کائنات کا اجتماعی شعور کہتے ہیں۔

ہم نے تالاب کی مثال دے کر یہ سمجھایا تھا کہ پہلے جب ہم تالاب میں کنکری پھینکتے ہیں تو پورے تالاب میں دائرے بنتے ہیں۔ پہلے ایک دائرہ بنتا ہے پھر لاشمار دائرے بنتے ہوئے کنارے تک آجاتے ہیں اور کناروں پر آکر تالاب میں چھپ جاتے ہیں یا تالاب انھیں اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔

۱۔ تالاب وہ بساط ہے جس کے اوپر ساری کائنات قائم ہے۔

۲۔ تالاب میں حرکت وہ امر ہے جس کی وجہ سے حرکت وجود میں آتی ہے۔

۳۔ تالاب میں دائرے کائنات کے اندر نوعیں اور نوعوں کے افراد ہیں۔

۴۔ دائروں کا تالاب کے اندر جذب ہوجانا اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا ہے۔

۵۔ تالاب کے اوپر دائرے بننا اور ان دائروں میں حرکت پیدا ہونا نزولی حرکت ہے دائروں کا تالاب کے اندر جذب ہوجانا صعودی حرکت ہے

"ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔"

جب سالک تالاب کے اندر دائروں کے علم سے واقف ہوجاتا ہے۔ تو وہ جان لیتا ہے کہ کائنات کے جتنے بھی افراد ہیں (سیارے نوعیں کہکشائیں) سب ایک ہی ہستی کے تابع ہیں۔ زمین سورج چاند ستارے جنات فرشتے جمادات سب تالاب کے اندر مخفی دائرے ہیں۔

اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ انسان کائنات کی مختلف صفات سے متعارف ہے اور انسان اپنی کوششوں کے ذریعے ان صفات سے زیادہ سے زیادہ تعارف حاصل کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے سب چیزوں کو دو قسموں پر پیدا کیا ہے۔

دو قسمیں یا دو رخ مل کر ایک وجود بنتا ہے۔

پیاس شے کا ایک رخ اور پانی دوسرا رخ ہے۔ پیاس روح کی شکل و صورت اور پانی جسم کی شکل و صورت ہے۔ یعنی جب ہم پیاس کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں دو رخ آتے ہیں۔ ایک رخ روح اور دوسرا رخ جسم۔

قانون:

اگر دنیا سے پیاس کا احساس فنا ہوجائے تو پانی بھی فنا ہوجائے گا۔ پانی اس لئے موجود ہے کہ پانی کی روح موجود ہے۔ روح کی موجودگی سے جسم کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جسم کی موجودگی سے روح کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ روزمرہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آدمی مرجاتا ہے، جسمانی اعتبار سے تمام خدوخال موجود ہوتے ہیں لیکن حرکت نہیں ہوتی اور جب تک روح جسم کے ساتھ متصل ہے آدمی گلتا سڑتا نہیں ہے اور نہ ہی جسم بکھر کر فنا ہوتا ہے۔

اگر دنیا میں کہیں وبائی امراض پھوٹ پڑے تو اللہ کے قانون کے مطابق یہ

www.islamiurdubook.blogspot.com

امر یقینی ہے کہ اس کی دوا پہلے سے موجود ہوتی ہے۔

جب ہم گرمی محسوس کرتے ہیں اس وقت احساس کے اندرونی رخ پر سردی کا احساس ہوتا ہے۔ جب تک اندرونی طور پر سردی کا احساس باقی رہتا ہے، خارجی طور پر گرمی محسوس ہوتی ہے۔

اگر گرمی سردی دونوں رخوں میں سے کوئی ایک رخ فنا ہوجائے تو ہم نہ گرمی کا تذکرہ کرسکتے ہیں نہ سردی کا تذکرہ کرسکیں گے۔ احساس دو رخوں کا اجتماع ہے۔ جب تک دونوں رخ موجود نہ ہوں، حرکت نہیں ہوتی۔ ایک رخ علم شے اور دوسرا رخ شے ہے۔ علم شے سے مراد نفس یا روح ہے۔ روح کے بغیر جسمانی وجود برقرار نہیں رہتا اور جسمانی وجود کے مظاہرے میں روح کا عمل دخل امرلازم ہے۔ مرشد کی نظرکرم سے علم شے کا سراغ مل جائے یا علم شے کا علم حاصل ہوجائے تو تصرف کے ذریعے شے کا مظاہرہ ہوجاتا ہے۔

لیکچر ۲۱

روشنی کی قسمیں

جب بھی کائنات کا تذکرہ آتا ہے کائنات کے خدوخال کا تعارف کرایا جاتا ہے انسان ٹائم اسپیس میں محدود ہوکر بات کرتا ہے۔ زندگی کا تعارف خدوخال اور نقش و نگار سے ہوتا ہے۔ زندگی کا ایک حصہ خدوخال اور نقش و نگار پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ رفتار کے اوپر قائم ہے۔ خدوخال میں تبدیلی نظر آتی ہے لیکن جس وقت (رفتار) پر خدوخال نشوونما پاتے ہیں وہ نظر نہیں آتا۔

زندگی کا ایک رخ آنکھوں کے سامنے ہے اور دوسرا رخ چھپا ہوا ہے۔ جو رخ آنکھوں کے سامنے ہے اسپیس ہے اور آنکھوں سے اوجھل رخ ٹائم ہے۔ یعنی انسان جہاں سے آیا اس کا بچپن لڑکپن جوانی اور بڑھاپا جہاں گم ہوگیا وہ ٹائم ہے۔ بچپن لڑکپن جوانی اور بڑھاپے کے خدوخال اسپیس ہیں۔

زندگی کے دو رخ ہیں ایک رخ قائم ہے اور دوسرا رخ ایک طرف گھٹتا ہے تو دوسری طرف بڑھتا ہے اور تیسری طرف فنا ہوجاتا ہے۔ زندگی جس رخ پر قائم ہے وہ زماں ہے۔ زندگی جس رخ پر گھٹ رہی ہے بڑھ رہی ہے اور فنا ہو رہی ہے "مکان" ہے۔

روحانی علوم انسان کی رہنمائی کرتے ہیں کہ کائنات میں رشتہ داری کا دارومدار روشنی پر ہے۔ ایک روشنی مادی آنکھ سے نظر آتی ہے اور دوسری قسم کی روشنی باطنی آنکھ سے نظر آتی ہے۔

روشنی کی اصل غیر متغیر ہے اور روشنی کی وہ حیثیت جہاں مکانیت ہے متغیر

www.islamiurdubook.blogspot.com

ہے۔

غیر متغیر روشنی میں بھی خدوخال ہوتے ہیں۔ اس روشنی کے اندر جسم اور نقش ونگار بھی ہوتے ہیں۔

انسانی زندگی کا ہر عمل اور انسانی زندگی کی ہر حرکت خیال کی محتاج ہے۔ جب تک ہمیں کسی عمل یا کسی حرکت کے بارے میں اطلاع فراہم نہ ہو ہم عمل نہیں کرسکتے۔

اطلاع کے ساتھ ہی حرکت واقع ہوتی ہے اور اس حرکت کا مظاہرہ عمل ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ ایک طرف بڑھ رہا ہے اور دوسری طرف فنا ہو رہا ہے یعنی ہر لمحہ کہیں سے آرہا ہے اور کہیں ریکارڈ ہورہا ہے۔ اس آنے اور ریکارڈ ہونے پر انسانی ارتقاء کا دارومدار ہے۔

یہ بات بہرحال تسلیم کرنا پڑے گی کہ پیدائش سے پہلے انسان کہیں موجود تھا۔ وہاں سے اس دنیا میں آیا۔ اور اسے اس دنیا سے جانا ہے۔ اس دنیا میں آنا نزولی حرکت ہے اور واپس جانا صعودی حرکت ہے۔ خاکی دنیا کے ساتھ ایک دوسری دنیا بھی آباد ہے اور اس کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک رخ کا نام اعراف ہے اور دوسرے رخ کا نام برزخ ہے۔ انسان انفرادی حیثیت میں لوح محفوظ سے زمین پر نزول کرتا ہے۔ لوح محفوظ اور دنیا کے درمیان ایک زون ہے اس زون سے انسان کو زمانیت مکانیت کی اطلاع فراہم ہوتی ہے۔ اس زون کو برزخ کہتے ہیں۔ جس طرح فرد عالم ارواح سے برزخ میں آتا ہے اسی طرح اس دنیا سے جانے کے لئے ایک اور زون میں قیام کرنا پڑتا ہے اس کا نام اعراف ہے۔

اعراف کی دنیا یا برزخ کی دنیا میں زندگی اسی طرح رواں دواں ہے جس طرح عالم ناسوت میں زندگی رواں دواں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عالم ناسوت میں انسان ان اطلاعات کو قبول کرتا ہے جو لوح محفوظ اور برزخ سے گزر کر اسے مل

رہی ہیں اور ان اطلاعات میں وہ معانی پہناتا ہے۔

معانی پہنانے کے دو رخ ہیں۔

ایک رخ میں تخریب ہے اور دوسرے رخ میں تعمیر ہے۔ لیکن جب ہم ایک دو چار دس بیس اعمال پر غور کرتے ہیں تو عمل کی حیثیت ایک ہی نظر آتی ہے۔ معانی پہنانے سے عمل کے اندر تعمیر یا تخریب پیدا ہوجاتی ہے۔

ایک آدمی آگ اس لئے روشن کرتا ہے کہ کھانا پکانا یا سردی رفع کرنا مقصود ہے۔ دوسرا آدمی گھر جلانے کے لئے آگ جلاتا ہے۔ آگ ایک ہی ہے لیکن معانی پہنانے سے تخریب یا تعمیر بن گئی۔

کائنات میں جتنی بھی اشیاء ہیں' ان سب کی اصل اطلاع ہے۔ اور یہ اطلاع ہی منفی یا مثبت زندگی بن جاتی ہے۔ عمل سے پہلے خبر یا اطلاع کا ہونا ضروری ہے۔ عمل ہمیں نظر آتا ہے اور اطلاع ہمیں نظر نہیں آتی۔

اب ہم یوں کہیں گے کہ انسانی زندگی میں کائنات کی ساخت ایسی بساط پر قائم ہے جس کا دباؤ ہم محسوس کرتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آتی۔

منفی اور مثبت صلاحیتوں سے مراد یہ ہے کہ ہم پوری زندگی کے ہر لمحے کو ایک طرف نفی کر رہے ہیں اور دوسری طرف قبول کر کے زندگی میں حرکت پیدا کر رہے ہیں۔

پانی کی موجودگی اس لئے ہے کہ پانی کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ پانی سیرابی کے لئے ضروری شے ہے۔ اطلاع دینے والی چیز کو ہم روح کہتے ہیں اور اطلاع کے اندر معانی پہنانے کو پانی کہتے ہیں۔

پیاس روح ہے اور پانی جسم ہے۔ پانی ایک رخ ہے اور پیاس دوسرا رخ ہے۔ اگرچہ یہ دونوں رخ ایک دوسرے سے متضاد نظر آتے ہیں لیکن ایک ہی وجود کے دو اجزاء ہیں۔ پیاس کو پانی سے اور پانی کو پیاس سے الگ نہیں کیا جا

سکتا۔ جب تک پیاس کا تقاضا ہے پانی موجود ہے۔ پیاس پانی کی دلیل ہے اور پانی کی ہستی پیاس کے بغیر نہیں ہے۔

دو رخ مل کر ایک وجود بنتے ہیں۔ کوئی وجود دو رخوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ البتہ وجود کے ساتھ کہیں مکانی فاصلہ ہے اور کہیں زمانی فاصلہ ہے۔ کسی بھی شے کے دو رخوں میں مکانی فاصلہ نمایاں ہوتا ہے یا زمانی فاصلہ نمایاں ہوتا ہے۔ ایک آدمی کرہ ارضی پر پیدا ہوتا ہے اور مرجاتا ہے۔ اس زمانی فاصلے کے نقش و نگار اس کی زندگی ہیں اور زندگی کے اعمال و حرکات مکانیت ہیں۔

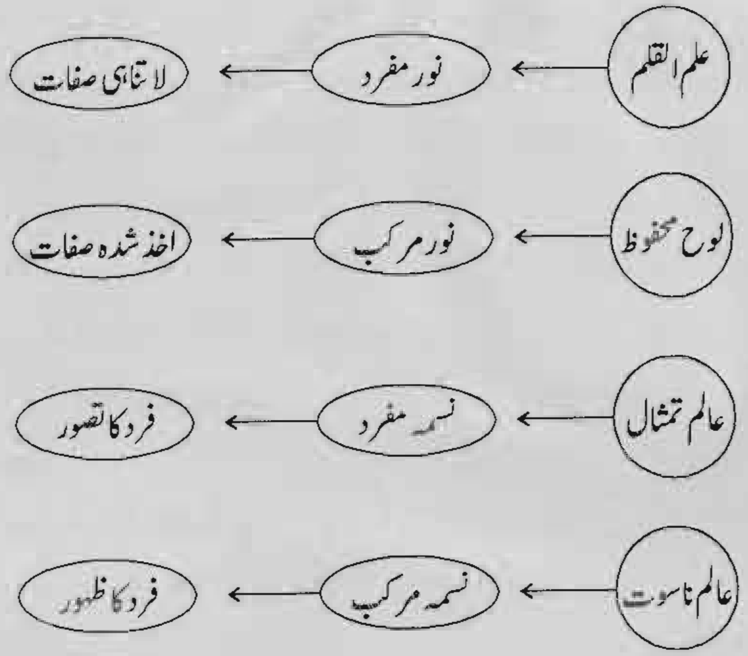
ملکوتی صفت اور بشری صفت

پیاس اور روح کی مثال دی جاچکی ہے۔ پیاس سے پانی موجود ہے اور پانی سے پیاس موجود ہے۔ اگرچہ پانی اور پیاس ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن پیاس کو پانی سے اور پانی کو پیاس سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر چیز کی موجودگی میں دو رخ کام کرتے ہیں۔ یہ دونوں رخ زمانی اور مکانی ہوتے ہیں۔

نسمہ ایسی روشنی ہے جسے خلا کے علاوہ دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ خلا ایک وجود ہے۔ خلا جب وجود ہے تو اس میں حرکت بھی ہے۔ خلا ایک ایسا متحرک وجود ہے جو ازل سے ابد کی طرف سفر کررہا ہے۔ ازل سے ابد تک حرکت میں مختلف دائرے ہیں' حرکت کے پہلے دائرے کا نام عالم ملکوت ہے۔ عالم ملکوت میں مادی عناصر موجود نہیں ہوتے۔

زمانیت نسمہ ہے۔ نسمہ روشنی ہے' روشنی خلاء ہے' خلاء وجود ہے اور وجود حرکت ہے۔ خلاء کی اکہری حرکت کا نام نسمہ مفرد ہے۔ خلاء کے اندر فاصلہ شامل ہوجائے تو خلا کی حرکت اور فاصلے کی حرکت ایک جگہ جمع ہوکر نقش و نگار بن جاتے ہیں۔ اس دوہری حرکت کا نام نسمہ مرکب ہے۔ اس کو موالید ثلاثہ بھی کہا جاتا ہے۔

نور اور نسمہ



زمانیت اصل ہے۔ مکانیت اصل کے اوپر نقش و نگار ہیں۔ مکانیت کو مادی آنکھ دیکھ سکتی ہے' زمانیت مادی آنکھ سے مخفی ہے' زمانیت نسمہ ہے روشنی ہے خلاء ہے۔ مکانیت وجود ہے' حرکت ہے اور حرکت ایسا مظاہرہ ہے جس کو مادی آنکھ دیکھ لیتی ہے' نسمہ مرکب (مکانیت) میں جیسے جیسے دلچسپی بڑھتی ہے اسی مناسبت سے نسمے میں روشنیوں کا ہجوم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ روشنیوں کے ہجوم کے بھی دو مراتب ہیں۔ ایک کو عین دوسرے کو مکان کہتے ہیں۔ عین ماہیت ہے اور مکان مظہر ہے۔ ماہیت نظر نہیں آتی چیز نظر آتی ہے۔ مثلاً ایک چیز ہے اس کی خاصیت ہے ٹھنڈ پہنچانا۔ چیز نظر آتی ہے' ٹھنڈ نظر نہیں آتی۔ لیکن محسوس ہوتی ہے۔ گلاب کے پھول نظر آتے ہیں۔ خوشبو نظر نہیں آتی۔ ہم جب خوبصورت آدمی دیکھتے ہیں تو صورت نظر آتی ہے لیکن حسن کی کشش نظر نہیں آتی۔

کائنات کی ہر شے میں حس ہے اور ہر چیز کی حس دو رخوں پر قائم ہے۔ ایک رخ باطن ہے اور دوسرا رخ ظاہر ہے۔ باطن رخ زمانیت ہے اور ظاہر رخ مکانیت ہے۔ کسی چیز کے حیات کے بارے میں جب ہم تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارا منشا زندگی کے دو رخوں کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ زندگی کا ایک رخ زمانیت ہے اور زندگی کا دوسرا رخ مکانیت ہے۔ تمام نقش و نگار اور انسانی زندگی کی جسمانی حرکات و سکنات مکانیت ہیں اور انسانی زندگی کے نقش و نگار اور اعمال جس بساط پر قائم ہیں زمانیت ہے۔ زندگی کا کوئی عمل کوئی نقش کوئی حرکت زمانیت کی بساط کے بغیر موجود نہیں ہے۔ زمانیت مادی آنکھ سے اوجھل ہے زمانیت کا اصطلاحی نام نسمہ ہے۔ نسمہ ایسی روشنی ہے جو دو سمتوں میں سفر کرتی ہے۔ ان میں سے ایک رخ گریز ہے۔ دوسرا رخ کشش ہے۔

انسان کی ذات روشنیوں کا مجموعہ ہے۔ ذات میں جو روشنیاں کام کر رہی ہیں ان روشنیوں کے اندر مسلسل دو حرکتیں واقع ہو رہی ہیں ایک حرکت کشش ہے یعنی انسان اپنی بساط کی طرف کھینچ رہا ہے دوسری حرکت یہ ہے کہ انسان زندہ رہنے کے لئے روشنیاں اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔ وہ حرکت جو اس ہستی کی طرف کھینچ رہی ہے جس ہستی کے حکم سے کائنات وجود میں آئی ہے ملکوتی صفت ہے۔ اور وہ روشنی جو گریز کی شکل میں انوار سے دور کر رہی ہے صفت بشری ہے۔ ان دونوں صفات میں ہر صفت ایک قاعدے اور ضابطہ کی پابند ہے۔ آدمی جتنا گریز میں یا خارجی دنیا میں مستغرق ہوجاتا ہے اسی مناسبت سے کشش کی روشنیوں سے دور ہوجاتا ہے۔ روشنیوں سے دور ہونے کے باعث انوار ضائع ہوتے رہتے ہیں اور آدمی گریز سے جتنا قریب ہوجاتا ہے اسی مناسبت سے اس کے اندر سے صفت ملکونیت کم سے کم ہوجاتی ہے۔ نتیجے میں وہ عالم ملکوت سے اتنا دور ہوجاتا ہے کہ اس کے علم میں یہ بات ہی نہیں رہتی کہ انسان کی ایک صفت "ملکونیت" بھی ہے جو فی الواقع انسان کی اصل ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ انسان صراط مستقیم سے اتنا دور ہوجاتا ہے کہ اس کی تمام دلچسپیاں مکانیت میں مجتمع ہوجاتی ہیں اور وہ صفت ملوکیت سے انکار کر بیٹھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے ان کے دلوں پر مہر کردی اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔

عذاب الیم سے مراد یہ ہے کہ وہ صفت ملوکیت سے محروم کردیئے گئے۔

عالم ملکوت اور عالم ناسوت میں زندگی گزارنے کے فارمولے کی مزید وضاحت یہ ہے :۔

روشنیوں کی ایک متعین مقدار ہے جو ملکونیت اور بشریت کا توازن برقرار رکھتی ہے۔ روشنی کے توازن میں اگر مقدار کم ہوجائے تو حیوانی اور مادی تقاضے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ صفت ملوکیت عالم امر میں

صعود کرتی ہے۔ یعنی انسان کے اندر بشری صفت کے متضاد ملوکیت ایسی صفت ہے جو انسان کو حاکم مطلق اللہ کی طرف کھینچتی ہے اور اللہ کی طرف کھینچنا ہی عالم امر میں صعود ہے۔

اس کے برعکس جب انسان کے اندر بشری تقاضے بڑھ جاتے ہیں اور مکانیت میں استغراق بڑھ جاتا ہے تو صفت ملکوتیت کی جگہ مادی تقاضے یا دنیا میں دلچسپیاں اتنی زیادہ ہو جاتی ہیں کہ انسان عالم ناسوت میں قید ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم سے فرمایا تھا کہ تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ جیسے ہی ذہن ماوراء ہستی سے دور ہوا۔ روشنیوں کا توازن بگڑ گیا اور آدم کے اوپر بشریت کا اظہار ہوا آدم نے خود کو ننگا محسوس کیا اور آدم نے اپنے اوپر کثافتوں کا بوجھ محسوس کیا۔ کثافتوں کے ہجوم کی وجہ سے آدم نے خود کو جنت میں رہنے کے قابل نہیں سمجھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ہم نے انسان کو بہترین صناعی کے ساتھ پیدا کیا اور پھر اس کو اسفل سافلین میں پھینک دیا۔" یعنی جب کشش کے رشتہ میں توازن نہیں رہا تو جنت نے آدم کو رد کردیا۔ تسخیر کائنات کے فارمولے میں یہ بات پوری طرح واضح کردی جاتی ہے کہ جس طرح آدم نے کشش سے گریز کرکے اپنے اوپر ملوکیت کے دروازے بند کرلئے اسی طرح گریز کرکے کشش میں داخل ہو کر آدم کے لئے عالم ملکوت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

★

لیکچر ۲۲

ازل تا قیامت

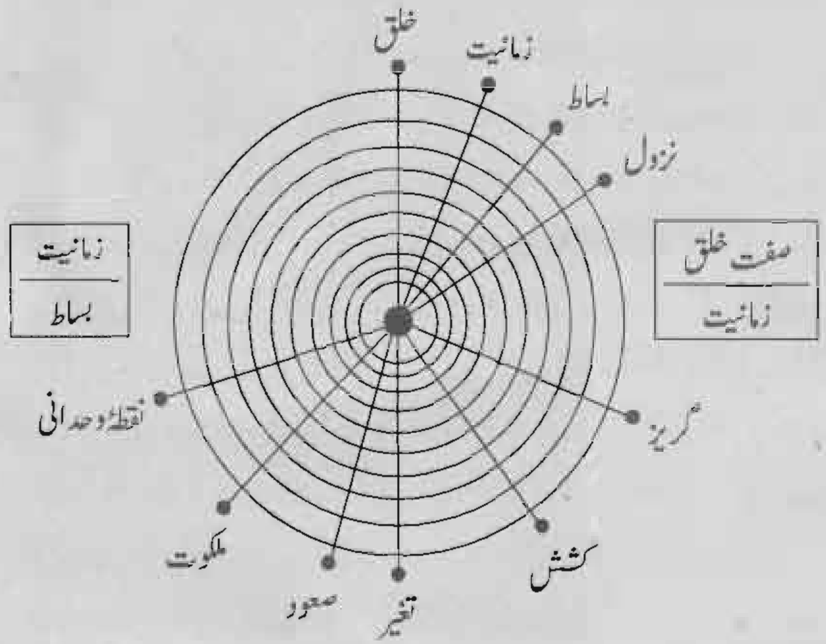
زندگی کا جس زاویے سے بھی تذکرہ کیا جائے تو لازماً" زندگی کے دو رخ متعین ہوتے ہیں۔ ایک رخ کا نام مکانیت ہے اور دوسرے رخ کا نام زمانیت ہے۔ مکانیت (Space) اور زمانیت (Time) ہے۔ ہم جب زندگی میں نقش و نگار کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ زندگی کے نقش و نگار کہیں سے آرہے ہیں۔ استقرار حمل میں نقش و نگار نہیں ہوتے جیسے جیسے ماں کے پیٹ میں نشوونما ہوتی ہے نقش و نگار بنتے رہتے ہیں۔ پیدائش کے بعد دوسری حقیقت جس سے کوئی فرد واحد انکار نہیں کرسکتا موت ہے۔ موت کے بعد بھی نقش و نگار موجود رہتے ہیں لیکن زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نقش و نگار اور زندگی دو الگ الگ شے ہیں۔ جب تک زندگی نقش و نگار کو متحرک رکھتی ہے نقش و نگار موجود رہتے ہیں بصورت دیگر معدوم ہو جاتے ہیں۔ نقش و نگار کو متحرک کرنے والی شے آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ مگر اس نظر نہ آنے والی ہستی پر زندگی قائم ہے۔ "زندگی" زمانیت ہے اور زندگی کے نقش و نگار مکانیت ہیں۔ نقش و نگار والا رخ مکانی رخ ہے اور نقش و نگار کو حرکت دینے والا رخ زمانی رخ ہے۔ انسانی اعضاء ہاتھ پیر ناک کان وغیرہ مکانیت ہیں انہیں حرکت میں رکھنے والی شے زمانیت ہے۔ زمانیت مادی آنکھ سے نظر نہیں آتی اور مکانیت مادی آنکھ سے نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

امر + ارادہ + کُن = خلق

زمانیت — تخلیق



اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری ہستی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے۔ یعنی کائنات کی تمام حرکات و سکنات کا منبع و مخزن' اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر حرکت ایک حکمت ہے۔ یہ حکمت ہی نوع انسانی کے اندر فکر کی وسعتیں ہیں۔ فکری وسعتیں علم کی گہرائی ہے جو زمانیت سے قریب کرتی ہے۔ زندگی کا دارومدار زمانیت پر ہے۔ زندگی کا نقش و نگار کے ساتھ حرکت کرنا مکانیت ہے۔ اس بات کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے تمام اعمال و حرکات زمانیت پر قائم ہیں۔ زمانیت بندے کو اللہ تعالیٰ سے متعارف کراتی ہے۔ جب کوئی انسان یہ بات جان لیتا ہے کہ میری اصل اللہ کا امر (زمانیت) ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام نوعیں اور کہکشانی نظام اللہ کے حکم کے ساتھ قائم ہیں اور اللہ کے حکم کے ساتھ ہی تخلیق ہوتے ہیں۔ کائنات کے نقش و نگار اللہ کے علم سے ترتیب اور توازن کے ساتھ عالم خلق یا عالم ظاہر میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ عالم خلق سے مراد زمانیت ہے' عالم ظاہر سے مراد مکانیت ہے۔ عالم خلق اور عالم امر ایک ہی بات ہے۔

جب ہم کائنات کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہیں تو فارمولا یہ بنتا ہے کہ اسپیس کے اوپر بے شمار مخلوق ہیں اور ہر مخلوق اپنے مخصوص نقش و نگار رکھتی ہے۔ نوعی اعتبار سے ہر مخلوق کی اپنی الگ حیثیت ہے لیکن ہر نوع دوسری نوع سے ہم رشتہ ہے۔ جب ہم کبوتر اور انسان کا تذکرہ کرتے ہیں تو کبوتر اور انسان الگ الگ نوع نظر آتی ہے۔ لیکن جب ہم مکانیت کے دائرے میں کبوتر اور انسان کا تذکرہ کرتے ہیں تو کبوتر اور انسان ایک مشترک رشتے میں بندھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انسان اور کبوتر دونوں پانی اور غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ افزائش نسل انسان میں کبوتر اور دوسری انواع میں مشترک ہیں۔ بولنا اور اپنے خیال کو ایک دوسرے کے ساتھ تبادلۂ خیال کرنا انسانوں کے اندر بھی رائج ہے پرندوں اور چوپایوں میں

www.islamiurdubook.blogspot.com

بھی رائج ہے۔

نوع انسانی ہو۔ نوع جنات یا نوع ملائکہ ہو سب مکانیت کے دائرے میں نقش و نگار کے اعتبار سے اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن انفرادی حیثیت کے باوجود ایک ایسا رشتہ موجود ہے جس رشتے میں کائنات کے تمام افراد بندھے ہوئے ہیں۔ اس رشتے کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے۔

نظر کا قانون:

مکانیت میں رہتے ہوئے خارجی نگاہ کام کرتی ہے۔ ہم جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ زید نے بکر کو دیکھا تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ زید و بکر کے درمیان جو فاصلہ ہے اس فاصلے نے دونوں کے درمیان ایک تعلق قائم کیا اس لئے کہ فاصلے کے بغیر دیکھنے کا عمل پورا نہیں ہوتا۔ یہ فاصلہ ہر چیز کے درمیان مشترک ہے۔ فاصلہ ہی ہمیں ایک دوسرے سے متعارف کراتا ہے۔ دو افراد ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں دونوں کے درمیان فاصلہ ہے لیکن یہ فاصلہ حذف ہوجائے تو یہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ فاصلہ ہی تعارف کا سبب ہے۔

کائنات کے اندر فاصلہ کائنات کو دکھانے کا ذریعہ ہے۔ ہم سورج کو دیکھتے ہیں' سورج کا فاصلہ زمین سے نو کروڑ میل ہے۔ لیکن جب ہم سورج کو دیکھتے ہیں تو سورج کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح کسی چیز کو ایک انچ کے فاصلے سے دیکھتے ہیں۔ نو کروڑ میل دیکھنے میں ہماری نگاہ کا زاویہ نہیں بدلتا۔ ہم سورج کو دیکھتے ہیں۔ جب کہ وہ نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان اور سورج کے درمیان رشتہ موجود ہے جو ایک دوسرے کو پہچاننے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

جس طرح ہماری نگاہ نو کروڑ میل دور سورج کو دیکھتی ہے اگر روحانی اسباق کے ذریعے ہم اپنے اور سورج کے درمیان فاصلے سے واقفیت حاصل کرلیں تو ابتدائے آفرینش سے انتہائے آفرینش تک دیکھنا ممکن العمل بن جاتا ہے۔

حجاب محمود۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ بیت المعمور

روشنی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک روشنی وہ ہے جو ہم نگاہ کے ظاہر رخ سے دیکھتے ہیں اور دوسری قسم کی روشنی وہ ہے جو ہم نگاہ کے باطنی رخ سے دیکھتے ہیں۔ باطنی رخ سے نظر آنے والی روشنی ازل سے یکساں حالت پر قائم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اس روشنی میں نقش و نگار نہیں ہوتے البتہ ذات کا ادراک ہوتا ہے۔ ازل سے یکسانیت پر قائم رہنے والی روشنی کا نام صادر العین ہے۔

روشنی کی دوسری اصل جو ازل سے یکسانیت پر قائم نہیں ہے اور یکسانیت پر قائم نہ ہونے کی وجہ سے جس میں تغیر ہوتا رہتا ہے کا نام عین ہے۔ صادر العین اور عین یعنی غیر تغیر اور تغیرپذیر کی اصلیں عالم امر میں قائم ہیں۔ صادر العین اور عین کے بعد نقش و نگار اور خدوخال کا عالم شروع ہوتا ہے۔

نقش و نگار کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک کا نام مثالیت ہے اور دوسرے کا نام عنصریت ہے۔

عنصریت کے جسم کا مرکز مادی دنیا میں ہوتا ہے۔ روشنی کا جسم اور روشنی کے جسم کے خدوخال دونوں کا تعلق عالم امکان سے ہے۔ کائناتی تخلیق میں حدوں کا تعین' گریز اور کشش کا عمل دخل ہے۔ زید کی حدود کا تعین' بکر کی حدود کا تعین' زید میں کشش و گریز' بکر میں کشش و گریز ان کو تصوف میں بعد کہا گیا ہے۔

چار بعد کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ صادر العین یعنی کائنات کی وہ اصل جو غیر متغیر ہے۔

۲۔ عین روشنی کی وہ اصل جو تغیرپذیر ہے لیکن روشنی کی اس اصل میں ابعاد نہیں ہوتے۔

۳۔ مثالیت۔ روشنی کا ایسا جسم جس میں خدوخال ہوتے ہیں لیکن نقش و نگار کا تعلق مادی دنیا سے نہیں ہے۔

۴۔ عنصریت۔ روشنی کا ایسا جسم جو مادی دنیا سے تعلق رکھتا ہے
عنصریت وہ جسم ہے جو مادی آنکھ سے نظر آتا ہے۔
مثالیت۔ وہ جسم جو مادی آنکھ سے نظر نہیں آتا باطنی آنکھ سے نظر آتا ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کائنات سے پہلے کیا تھا تو آپ نے فرمایا۔

"امعاء"

اس کے بعد سوال کیا گیا پھر کیا ہوا؟

فرمایا۔ "ماء"

امعاء عربی اصطلاح میں ایسی منفیت کو کہتے ہیں جو عقل انسانی سے ماوراء ہے۔ امعاء میں خدوخال نہیں ہوتے۔

اور ماء عربی میں مثبت کو کہتے ہیں خدوخال نہ ہونے کے باوجود عقل انسانی اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ یہ مثبت عالم امر ہے۔ مثبت سے ماوراء امعاء عالم نور ہے۔ انسانی تفہیم و تعلیم اور شعور و لاشعور کی معراج عالم انوار ہے جس مقام تک ہے اس کا نام حجاب محمود ہے۔ حجاب محمود عرش کی بلندی ہے۔ وہ بلندی جس کو عرش کی انتہا کہا جا سکتا ہے۔ انسان کے اندر اتنا ادراک موجود ہے کہ وہ حجاب محمود کی تفہیم کا خود کو خوگر بنا سکتا ہے اور حجاب محمود میں اللہ کی تجلیات و صفات کو سمجھ سکتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں مقرب فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس عالم سے نیچے ایک اور عالم سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ مقرب فرشتوں کی پرواز کی انتہا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے نیچے ایک اور بلندی "بیت المعمور" ہے۔

ملائکہ کے گروہ

انسان یا کائنات دو جسموں سے مرکب ہے ایک جسم روشنی کا جسم ہے اور

دوسرا جسم Material Body ہے جو مادی آنکھ سے نظر آتا ہے اگر روشنی کا جسم مادی جسم کو اطلاعات فراہم نہ کرے تو مادی جسم بیکار اور عضو معطل ہو جاتا ہے۔ جب تک روشنی کا جسم مادی جسم کو اطلاعات فراہم کرتا رہتا ہے مادی جسم متحرک اور فعال رہتا ہے۔ جب روشنی کا جسم مادی جسم کو اطلاعات دینا بند کر دیتا ہے تو مادی جسم پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ جب روشنی کا جسم مادی جسم کو اطلاعات نہیں دیتا تو جسم کے اندر وہ عناصر جن سے نقش و نگار بنتے ہیں، بیکار ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جتنے تقاضے احساسات اور جذبات ہیں اسی وقت تک متحرک ہیں جب تک روشنی کا جسم مادی جسم کو اطلاعات فراہم کرتا رہتا ہے۔

کائنات کی چار جہتیں چار سمتیں ہیں۔ ایک جہت میٹر (Matter) ہے۔ دوسری جہت روشنی ہے۔ تیسری جہت نور ہے اور چوتھی جہت اللہ کا ذہن ہے۔ اللہ کے ذہن کو علم واجب کہتے ہیں۔ انسان کے علم کی معراج یہ ہے کہ وہ علم واجب (حجاب محمود) کو دیکھ لیتا ہے۔ حجاب محمود سے مراد عرش اعظم کی انتہا ہے۔ ہم جب عرش کہتے ہیں تو ہمارے سامنے زمین سات آسمان عرش سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور ہوتا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور سے آگے کے مقامات حجاب عظمت حجاب کبریا اور حجاب محمود ہیں۔

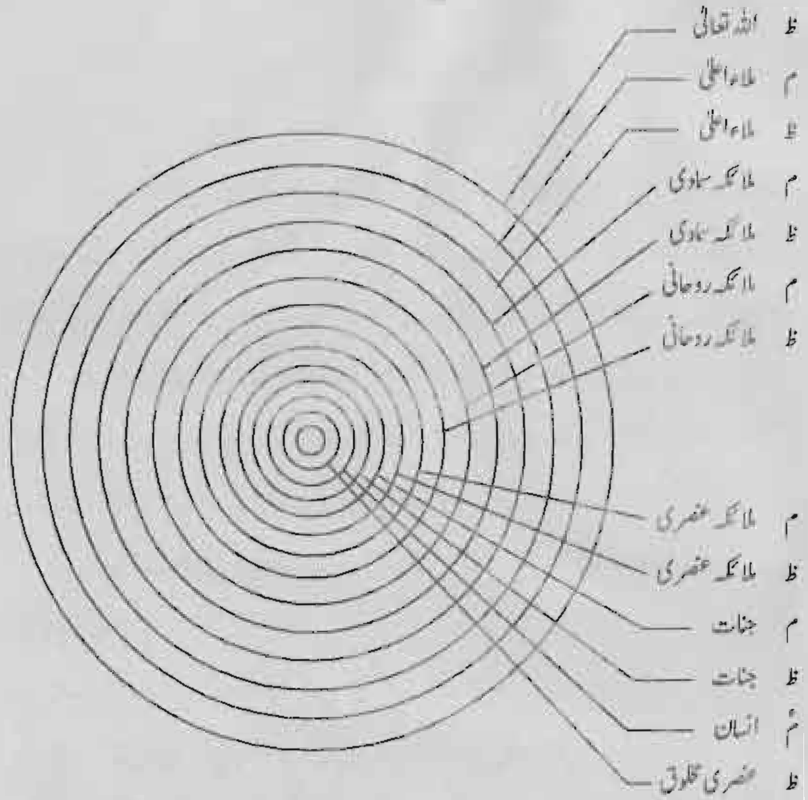
اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام میں بڑی حد تک ملائے اعلیٰ کا عمل دخل ہے۔ لیکن ملائے اعلیٰ کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہیں ہے۔ یعنی انسان کی پرواز ملائے اعلیٰ سے بہت آگے ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کی حد میں رہنے والے اور پرواز کرنے والے فرشتے جن طبقوں پر مشتمل ہیں ان میں ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ تسبیح و تحلیل میں مشغول رہتا ہے۔ یہ فرشتوں کا لامتناہی سلسلہ ہے جو کسی بھی طرح شمار میں نہیں آتا۔ یہ گروہ رکوع و سجود میں ہمہ وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے۔

دوسرا گروہ اللہ تعالیٰ کے احکامات عالمین تک پہنچاتا ہے اور تیسرا گروہ ان فرشتوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو عالم امر کے لئے ذہن میں محفوظ رکھتا ہے۔

ملائکہ مقربین یا ملاء اعلیٰ کے چھ پر ہوتے ہیں اور ان کو عالم نور کی فراست حاصل ہوتی ہے۔ عالم نور سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکامات ہیں جو اللہ تعالیٰ عرش سے صادر فرماتے ہیں۔ عالم نور کے فرشتوں یا ملائکہ مقربین کے پیغامات ملائکہ سماوی سمجھتے ہیں۔ ملائکہ سماوی کے پیغامات ملائکہ روحانی تک پہنچتے ہیں اور ملائکہ روحانی کے پیغامات ملائکہ عنصری سمجھتے ہیں۔

پہلے درجے میں ملائے اعلیٰ (ملائکہ مقربین) دوسرے درجہ میں ملائکہ سماوی، تیسرے درجہ میں ملائکہ روحانی اور چوتھے درجہ میں ادنیٰ فرشتے ہیں۔ ادنیٰ فرشتوں کو عنصریوں کہتے ہیں۔ عنصری فرشتے ان احکامات کی تعمیل کرتے ہیں جو انہیں ملائکہ روحانی سے ملتے ہیں اور ملائکہ روحانی ان احکامات کی تعمیل کرتے ہیں جو انہیں ملائکہ سماوی سے ملتے ہیں۔ ملائکہ سماوی ان احکامات کی تعمیل کرتے ہیں جو انہیں ملائے اعلیٰ سے ملتے ہیں اور ملائے اعلیٰ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکامات صادر ہوتے ہیں۔ عنصری فرشتے زمین کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہی فرشتے دنیاؤں میں بسنے والی مخلوق کو انسپائر کرتے ہیں۔

ایک نشست میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ سے فرمایا کہ انسان کے ساتھ ہمہ وقت بیس ہزار فرشتے کام کرتے ہیں۔ ہر انسان کے اندر زندگی اس وقت زندگی بنتی ہے جب فرشتے اس کی راہ نمائی کرتے ہیں۔ یوں سمجھا جائے کہ ہر انسان میں بیس (۲۰) ہزار ڈوریاں بندھی ہوئی ہیں۔ جب تک بیس ہزار ڈوریوں کو فرشتے ہلاتے جلاتے نہیں انسان حرکت نہیں کرتا۔ بیس ہزار فرشتے انسان کے اندر بیس ہزار صلاحیتیں انسپائر کرتے رہتے ہیں۔



نوٹ : "ظ" سے مراد ظہور ہے اور "م" سے مراد مثال ہے۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

آپ نے کٹھ پتلی کو دیکھا ہے کہ [illegible] تاروں کی حرکت [illegible]
حرکات کرتی ہے۔ اسی طرح انسان روشنی اور [illegible]
ہوا ہے۔ روشنی اور نور کے بیس ہزار تاروں کو [illegible]
ہیں۔

ملائکہ مقربین میں چھ پروں [illegible]
وہ عالم نور کے احکامات کو سمجھنے کی اہلیت [illegible]
عقل یا ایک فراست اسی طرح ملائکہ [illegible]
چھ پروں سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ [illegible]
کی طرح نظر آتے ہیں۔ چھ بازو کی وضاحت [illegible]

۱۔ انہیں کچھ نہ کچھ ذات کا عرفا[illegible]
۲۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی [illegible]
جانتے پہچانتے ہیں۔
۳۔ عالم امر کے صادر العین کی [illegible]
۴۔ عین کی ترتیب اور تخلیق سے وا[illegible]
۵۔ عالم امکان یا عالم خلق کی [illegible]
ہے۔
۶۔ عالم خلق یا عالم امکان کے اجزاء [illegible]
فارمولوں سے پوری طرح واقف ہیں۔

اس بات کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ ملاء ا[illegible] چھ علوم کی رو[illegible]
کا مجموعہ ہیں۔ علم بالذات خود روشنی ہے۔ دراصل رو[illegible] علم
کی یہی شکل اپنی مخصوص صفات میں الگ الگ رنگوں کا مظاہرہ کرتی ہے۔ جب ہم
رنگوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو نیلا، پیلا، کالا، سفید جتنے بھی رنگ بیان کرسکتے ہیں ہر

رنگ ایک علم ہے۔ علم شکل و صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ کسی نہ کسی روشنی میں اپنی مخصوص صفات میں مظاہرہ کرتا ہے۔

یہ بات بہت زیادہ توجہ طلب ہے کہ علم حضوری (علم حقیقت) میں کوئی شے شکل و صورت کے بغیر نہیں ہے۔ ہم ہوا کا تذکرہ کرتے ہیں ہوا کے تاثرات سے متاثر ہوتے ہیں، ہوا کی راحت یا تکلیف ہمیں محسوس ہوتی ہے لیکن مادی آنکھ ہوا کو دیکھ نہیں سکتی۔ علم حضوری جاننے والا کوئی بندہ جب ہوا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ہوا شکل و صورت میں نظر آتی ہے۔ عقل و شعور سے بھی ہوا کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ جب ہوا چلتی ہے تو گوشت پوست کے جسم پر چوٹ پڑتی ہے۔ ہوا اگر لطیف اور خوشگوار ہے تو جسم ہلکا سا ارتعاش اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ لیکن ہوا نظر نہیں آتی۔

نسبت یادداشت

علم کی دو قسمیں ہیں۔ اکتسابی علم، حضوری علم۔ علم جو اکتساب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اس میں مظاہر کا عمل دخل ہوتا ہے اکتسابی علم مفروضہ حواس کی مسلسل تجدید کا ذریعہ ہے۔ علم اکتساب میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسانی شعور جن مفروضہ باتوں پر قائم ہے وہ شعور کی گرفت سے آزاد نہ ہوں۔ ہم جب انسانی شعور کی چھان پھٹک کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسانی شعور فکشن پر قائم ہے۔ ہم جب اپنے بارے میں غور کرتے ہیں تو ہمیں بے چارگی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً ہمارا معاشی نظام شماریات پر قائم ہے لیکن ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم ثابت کر سکیں کہ ایک اور ایک دو ہوتے ہیں۔ تو اسی طرح جب ہم اپنے بچوں کو علمی میدان میں اتارتے ہیں تو کہتے ہیں الف۔ اس وقت بھی ہمارے پاس کوئی یقین دہانی نہیں ہے کہ ب' الف ہے یا الف' ب ہے۔ اگر چھوٹا سا بچہ ہم سے سوال کرے کہ الف' الف کیوں ہے اور ب' الف کیوں نہیں ہے تو ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔

بچے کے لئے ضروری ہے کہ شعوری فکشن کے تعین کو سوچے سمجھے بغیر قبول کرلے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو علم نہیں سیکھ سکتا۔

دوسرا علم علم حضوری ہے۔ علم حضوری علم اکتسابی کے متضاد ایسا علم ہے۔ جہاں کوئی بات اس وقت تک قابل یقین قرار نہیں ہے۔ جب تک اس کا مشاہدہ نہ ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے نقطۂ ذات میں چاروں عالموں کو یکجا کردیا ہے۔

۱۔ عالم نور

۲۔ عالم تحت الشعور (ملائکہ مقربین)

۳۔ عالم امر

۴۔ عالم خلق

عالم امر کی وضاحت اس طرح ہے۔ ہماری کائنات اجرام سماوی' موالید ثلاثہ اور بے شمار نادیدہ مخلوقات کا مجموعہ ہے۔ کائنات کے تمام اجزاء اور افراد میں ایک ربط موجود ہے۔ مادی آنکھیں اس کو دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں لیکن اس کے وجود کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

جب ہم کسی چیز کی طرف دیکھتے ہیں وہ چیز نظر کے سامنے آجاتی ہے یہ ایک عام بات ہے۔ ذہن انسانی کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ چیز نظر کیوں آتی ہے؟

روحانیت میں کسی چیز کی وجہ تلاش کرنا ضروری ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی ادنیٰ درجہ کی چیز ہو۔ ہم جب کسی شے کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ہم اس کی صفات ٹھیک طرح سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ شاہد جس چیز کو دیکھتا ہے اس شے کی معرفت نگاہ میں منتقل ہوجاتی ہے۔ گویا دیکھنے والا خود دیکھی ہوئی چیز بن کر اس کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

جب تک ہم گلاب کے پھول کی صفات میں منتقل نہ ہوں گلاب کو نہیں دیکھ سکتے۔ گلاب کی خصوصیات میں منتقل ہوکر ہی ہمیں گلاب کے پھول کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

عالم خلق کا ہر فرد اپنے نقطہ ذات کو دوسری شے کے نقطۂ ذات میں تبدیل کرنے کی ازلی صلاحیت رکھتا ہے اور جتنی مرتبہ اور جس طرح چاہے وہ کسی چیز کو

اپنی معرفت میں مقید کر سکتا ہے۔ ہر انسان کی ذات میں پوری کائنات کی صفات مجتمع ہیں۔

عالم امر کی ایک شان یہ ہے کہ جب آپ کسی شے کا نام سنتے ہیں۔ مثلاً آپ نے محمود کا نام سنا تو آپ کے ذہن میں لفظ محمود یا محمود کے ہجے نہیں آتے بلکہ محمود کی ذات اور شخصیت آتی ہے۔ محمود کی شخصیت بے شمار صفات کا مجموعہ ہے۔ جن صفات سے آپ واقف ہیں ان صفات میں محمود کی صورت اور سیرت دونوں ہوتی ہیں۔

یہ عالم امر کی تفہیم کا دوسرا قانون ازل سے ابد تک محمود کی شخصیت لاشعور میں موجود ہے۔ اگر عارف ازل سے ابد تک محمود کی پوری شخصیت کا کشف چاہتا ہے تو وہ اپنے شعور کو لاشعور کے اندر مرکوز کردیتا ہے اور محمود کی صفات عارف کے ذہن میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب انسان کو اپنی انا کی معرفت حاصل ہو کیونکہ انسانی انا کی حرکت ہی لاشعور میں مرکوز ہوکر لاشعوری روئیداد کو تصور میں لاتی ہے۔ اس ہی کیفیت کو خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے "یاد داشت" فرمایا ہے۔

عالم امر کی تفصیل میں مذاہب عالم کی چند باتوں کا تذکرہ کردینا ضروری ہے۔ ایسے لوگوں نے جو کسی زمانے میں غیبی طاقتوں سے متعارف ہوئے ہیں' چند عقائد کو ملحوظ رکھ کر روحانی نظام تعلیم ترتیب دیا۔ اس قسم کے نظام تعلیم متعدد بن چکے ہیں۔ ابتدائی دور میں جب دنیا کی آبادیاں اور ضرورتیں بہت کم تھیں یہ تعلیمات' بہت وسیع اور ہمہ گیر صورت اختیار نہیں کرسکی تھیں۔ بالکل ابتدائی دور میں نوع انسانی میں کتنے ہی افراد غیبی چیزوں کا مشاہدہ کرتے تھے اور ان مشاہدات کا تعلق عالم امر سے ہوتا تھا۔ یہ لوگ ان مشاہدات کو اپنے قبیلے اور طرز زندگی کے محدود معانی میں سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے وسیع تر دنیا اور نوع انسانی کے بہت سے

طبقوں کی زندگی نہیں تھی۔ اس لئے ان پر عالم امر کے جو حقائق منکشف ہوتے تھے' ان کی تعبیریں ان کے زمانے کے مطابق ہوتی تھیں۔

چنانچہ ان روحانی بزرگوں کے بعد ان کے مقلدین اوہام باطلہ اور تصورات خام میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ تمام بت پرست اور مظاہر پرست مذہب اسی طرح وجود میں آئے جنہوں نے اس دور میں مذہب کے خدوخال تیار کئے وہ عالم امر کے حقائق سے ناواقف تھے۔ اور یہ لوگ جو کچھ اپنے رہنماؤں سے سیکھتے تھے اس کو دوسروں تک پہنچانے میں غلط عقائد' جادو اور رہبانیت کی بنیادیں قائم کردیتے تھے۔ وہ مظاہر کو ہی اصل روشنیوں کا سرچشمہ قرار دیتے تھے۔

بابل کے ان مذاہب میں جین مت' آریائی مذہبوں میں ہندو اور ویدانیت کے زیر اثر کئی مذاہب ہیں۔ بدھ مت بھی مہاتما گوتم بدھ کے مقلدین کی ایسی ہی روش سے دوچار ہوکر رہبانیت سے دوچار ہوا ہے۔ منگولی مذاہب میں توحید کے خدوخال نہ ملنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ ایسے ہی حالات سے متاثر ہوکر "تاؤمت" کو بھی بہت سے اوہام اور جادوگری کا اسیر ہونا پڑا۔ منگولی مذاہب میں آفتاب پرست اور زرتشت عقائد رکھنے والوں نے یا تو "عالم امر" کو شیطانی اور رحمانی کے دو اصولوں پر محمول کیا ہے۔ یا مظاہر کو "عالم امر" کی مرکزیت قرار دیا ہے۔ ان رویوں سے آہستہ آہستہ بت پرستی اور مظاہر پرستی کے عقائد مستحکم ہوتے گئے۔

اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ مادی زندگی کل زندگی کا نصف ہے۔ کسی مسلک میں اگر نصف کو مقام نہ دیا جائے تو زندگی کی تمام تعبیریں مسمار ہوجاتی ہیں اور عقائد میں بے راہ روی پیدا ہوجاتی ہے۔ عقائد کی بے راہ روی سے لاشمار مذہب عالم امر اور عالم خلق کے حقائق سے نامانوس ہوگئے۔ بالآخر نوع انسانی رد عمل میں مبتلا ہوگئی اور ایسے مذاہب کی بنیادیں پڑ گئیں جن کا مقصد صرف حکومت اور ریاست ہے۔ اس فتنہ کی بناء پر نئے نئے فلسفے بنتے رہے نئے نئے

www.islamiurdubook.blogspot.com

مذاہب سامنے آتے رہے۔ ان مذاہب میں کنفیوشس شنٹو وغیرہ جیسے مذاہب بھی ہیں۔ ان مذاہب میں ہزاروں فنا ہو چکے ہیں اور ہزاروں باقی ہیں۔ اس خرابی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانی عقل مادہ پرستی میں متحرک رہتی ہے۔ دوسرا رخ جس کے ذریعے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے معطل رہتا ہے۔ حقائق یہ ہیں کہ مادیت ہمیں کوئی آسانی فراہم نہیں کرتی جب کہ ہمارا تجربہ یہی ہے کہ آسائش و آرام کے بے شمار وسائل مہیا ہوتے ہیں۔ نئی نئی ایجادات ہوتی رہتی ہیں لیکن تجرباتی طور پر ہمیں یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ ہر آسائش کے پیچھے بے شمار الجھنیں ہیں۔ جیسے جیسے ہم مادیت کے گورکھ دھندوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں تکلیفوں کا نہ ختم ہونے والا دور ہمارے اوپر مسلط ہوجاتا ہے۔

پیغمبروں نے جو تعلیمات نوع انسانی تک پہنچائی ہیں ان کا مرکزی کردار یہ ہے کہ انبیاء نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصور سے آشنا کیا ہے۔ اچھائی اور برائی کے اسی تصور نے عقل کے دو رخ متعین کئے ہیں۔ ایک رخ نوع انسانی کو مصائب میں مبتلا کردیتا ہے۔ دوسرا رخ نوع انسانی سے مصائب کو دور کردیتا ہے۔

وحی کے ذریعے یا وحی کے زیر اثر جو علوم انسان کو منتقل ہوئے ہیں ان میں ایک علم علم نفس ہے۔ علم نفس یا عالم امر کی بنیاد پر ہی نئے نئے مذاہب وجود میں آئے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں جتنے مذاہب ہیں یہودیت' عیسائیت اور اسلام' یہ تینوں مذہب بتدریج آتے رہے اور سمٹتے رہے۔ ان تینوں مذاہب میں آخری مذہب اسلام ہے۔ اسلام آخری مذہب اس لئے ہے کہ "عالم امر" اور "علم حضوری" سے متعلق جتنی بھی معلومات تھیں خالق کائنات نے ایک افضل ترین انسان کو عطا کردیں اور یہی وجہ ہے کہ نبوت ختم ہوچکی ہے۔

عالم امر میں موجود کسی نوع کی حدیں زمانیت ہیں۔ عالم خلق میں کسی نوع

کی موجودگی اسپیس ہے۔

کوئی روحانی انسان جو علم حضوری سے واقف ہے اور عالم امر میں نوعی خدوخال کے قانون کو جانتا ہے بالفاظ دیگر تخلیقی فارمولوں سے واقف ہے' وہ جانتا ہے کہ میں اور گلاب خدوخال کے اعتبار سے الگ ہیں' ہماری الگ الگ حیثیت رنگوں کی وجہ سے ہے۔ ایک نفس کی صلاحیتیں جو ہم میں اور گلاب میں مشترک ہیں ارادے میں رنگ پیدا کرکے تصور کی حدود میں داخل ہوجاتی ہیں۔

عالم امر کی نفسی صلاحیتوں پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیضان عام کے تحت یہ صلاحیت ہر عامی کو حاصل ہے۔ اگر کوئی بندہ ان صلاحیتوں سے واقفیت حاصل کرلیتا ہے تو اپنے ارادے کے تحت گلاب کو عالم امر سے نکال کر آفاقی حدود میں داخل کردیتا ہے۔ اس گلاب میں خوشبو بھی ہوتی ہے' رنگ بھی ہوتا ہے۔

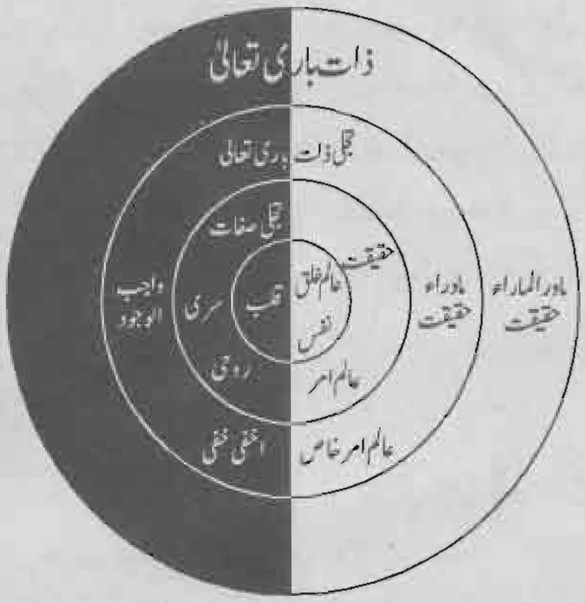
تجلی کا عکس

انسانی جسم دراصل خول ہے خلا ہے اس خول کے دو رخ ہیں ایک رخ پر مادی خول غالب ہے اور خدوخال میں ٹھوس پن ہے۔

جس طرح نقطۂ ذات سے نسمہ کی طرف اور نسمہ سے جسم کی طرف نور کی ایک رو بہتی ہے اسی طرح نسمہ سے نقطۂ ذات تک ایک رو بہتی ہے جو نقطۂ ذات سے مظہر کی طرف نزول کر رہی ہے۔ اس کے اندر علوم لدنیہ کا ذخیرہ ہے۔ اس کے برعکس نور سے نزول کرکے "رو" جب روشنی بنتی ہے تو اس نزول کو دنیاوی علوم کہا جاتا ہے اور یہی علوم جسمانی تقاضوں اور خواہشات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر نقطۂ ذات سے نزول کرنے والے علوم (نورانی لہریں) شعور کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں اور شعور ان میں دلچسپی لیتا ہے تو لہروں کا رنگ آہستہ آہستہ نسمے کی دنیا پر غالب آجاتا ہے یا نسمے کی دنیا نورانی لہروں کے رنگ سے رنگین ہوجاتی ہے۔ لطیفہ

ظہور تجلیات ربانی

چار عالمین



عالم لاہوت ۔ تجلی ذات' عالم امر خاص۔	نہر تسوید' واجب الوجود۔		اخفیٰ' خفی
عالم جبروت۔ تجلی صفات' عالم امر عام۔	نہر تجرید' عالم ارواح' لوح محفوظ۔		سری' روحی
عالم ملکوت۔ عالم ملائکہ' عالم قلب و غیب عالم معنی' عالم باطن۔	نہر تشہید۔		قلب
عالم ناسوت ۔ عالم جنات و آدم ۔ عالم ظاہر ۔	نہر تظہیر ۔	نفس	

نفسی ان علوم کی نورانیت سے معمور ہو کر نور کی شعاعوں میں سانس لینے لگتا ہے اور کثیف روشنیوں کی بجائے چھنی ہوئی لطیف نور کی شعاعیں نقطۂ ذات کی طرف بہنے لگتی ہیں۔ نقطہ ذات سے مظہر کی طرف بہنے والی نورانی رو جب ذخیرہ ہوجاتی ہے تو انسانی ذہن میں ایک نور پیدا ہوجاتا ہے۔ اسی نور کو سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے "نور فراست" کہا ہے۔

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔"

کسی انسان کے اندر جب نور فراست ذخیرہ ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر عالم امر عام کا انکشاف ہونے لگتا ہے۔ عالم امر عام کے انکشاف سے جب لطائف اور زیادہ نورانی ہوجاتے ہیں تو عالم امر خاص کا انکشاف ہوتا ہے۔ انسانی شعور ایک ایسا آئینہ ہے جس میں علوم لدنی کے انوار کا عکس منعکس ہوتا رہتا ہے۔ اگر کسی شخص کا ذہن مجلّٰی آئینہ ہے تو بند آنکھوں سے یا کھلی آنکھوں سے حالات کا تصویری عکس نظر آتا ہے۔ اگر اس کے برعکس لطیفہ نفسی کی طرف سے کثیف روشنی تاریکی بن کر نقطہ ذات کی طرف بہتی ہے تو شعور کا آئینہ مجلّٰی نہیں رہتا اور نورانی علوم کے تمام تصویری عکس نظر سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔ انسانی شعور پر علوم لدنی کا عکس "ضمیر" ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

مہر لگادی اللہ نے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔

اگر کثیف روشنیاں لطیفہ نفسی میں ذخیرہ ہوجائیں اور اس ذخیرے میں تسلسل قائم ہوجائے تو لطیفہ نفسی کے اندر ایک متعفن پھوڑا بن جاتا ہے اور یہ پھوڑا سڑتا رہتا ہے۔ جیسے جیسے اس کی سڑاند بڑھتی ہے اسی مناسبت سے انسان طرح طرح کی بیماریوں پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ یہ پریشانیاں اور مصیبتیں اسے سکون سے ناآشنا کردیتی ہیں۔ ایسا بندہ جو سکون سے آشنا نہیں

ہے جس کے اندر لطیفہ نفسی میں متعفن اور سڑا ہوا پھوڑا ہے وہ اللہ کا دوست نہیں ہوتا۔ اس سڑاند سے بچنے کے لئے اور لطیفہ نفسی کو نورانی رو کے نزول سے آشنا کرنے کے لئے علوم روحانی سے واقف ہونا ضروری ہے۔

خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ گوشت پوست کا جسم ایک خول ہے اور یہ خول روشنیوں کے جسم کے تابع ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان جسم اور دماغ کا نام ہے۔ انسان کی اصل تجلی کا عکس ہے۔ اس عکس سے روشنیوں کے جسم (نسمہ) کی طرف اور روشنیوں کے جسم سے گوشت پوست کے جسم کی طرف ایک رو بہتی ہے۔ اصل انسان ان دونوں کے اندر بستا ہے۔ یہ ہی رو خیالات تصورات احساسات میں منتقل ہو کر تقاضے بنتی ہے۔

انسان عالم امر کی طرف صعود کرتا رہتا ہے اور عالم امر سے نور کی رو نزول کرتی رہتی ہے صعود و نزول کا سلسلہ ہی کائنات کی زندگی ہے۔ نزول و صعود میں مخفی حقائق کا نام علم لدنی ہے۔ علم لدنی صعود اور نزول کے پورے عالم پر محیط ہے۔ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے انسان جس کے ذریعہ علم لدنی سیکھ لیتا ہے۔ انسان اگر اپنے شعور کے آئینے یعنی لاشعور میں دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے اور نزولی و صعودی حرکات و سکنات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا آسان طریقہ مراقبہ ہے۔ مراقبہ کے ذریعہ انسان مکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مکان کی قید سے آزاد ہوئے بغیر کوئی انسان غیب کی دنیا میں داخل نہیں ہو سکتا۔ مکان یا جسمانی تقاضوں سے آزاد ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان مردہ ہو جائے مقصد یہ ہے کہ جسمانی تقاضوں کو ثانویت دے کر اس روشنی کی طرف توجہ مرکوز کردی جائے جس روشنی سے تقاضے بن رہے ہیں۔

مراقبہ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آدمی کسی تاریک گوشے میں جہاں گرمی سردی معمول سے زیادہ نہ ہو بیٹھ جائے۔ ہاتھ پیر اور جسم کے تمام اعصاب کو

ڈھیلا چھوڑ دے اور اپنے اوپر ایسی کیفیت طاری کرلے جس کیفیت میں جسم کی موجودگی کی طرف سے ذہن ہٹ جائے۔ سانس گہرائی میں لیا جائے گہرائی میں سانس لینے سے سانس کی رفتار میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ آنکھیں بند کرکے اپنے اندر جھانکنے کی کوشش کی جائے۔ خیالات اور عمل پاکیزہ ہو' خیالات اور عمل کی پاکیزگی یہ ہے کہ بندہ کسی کو برا نہ کہے۔ کسی کی طرف سے بغض و عناد نہ رکھے۔ اگر کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو انتقام نہ لے اور معاف کردے۔ ضروریات زندگی (معاش) کے حصول میں اعضا کا وظیفہ کرے۔ جدوجہد میں کوتاہی نہ کرے۔ لیکن نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔ آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے اس سے معافی مانگ لیں۔ آپ کو کسی کی ذات سے تکلیف پہنچے یا تکدر ہو تو اسے معاف کردیں۔ جو اپنے لئے پسند کریں وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کریں۔ مال و متاع و اسباب دنیا کی محبت نہ ہو۔ اللہ تعالٰی کے پھیلائے ہوئے اور دیئے ہوئے وسائل کو خوش ہو کر استعمال کریں۔ دنیاوی وسائل کو زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔ جس طرح ممکن ہو اللہ تعالٰی کی مخلوق کی خدمت کریں۔

جس شخص کے اندر پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اوصاف ہوتے ہیں مراقبے کے عمل سے اس کا لطیفہ نفسی رنگین ہو جاتا ہے۔ لطیفہ نفسی رنگین ہو جانے سے شعور کے اندر جلا پیدا ہو جاتا ہے اور شعور کا آئینہ شفاف ہو جاتا ہے۔

روحانیت میں مرشد کریم کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ سالک کے اندر اگر چوں چرا ہے اور تعمیل نہیں ہے تو مراقبہ کا عمل پورا نہیں ہوتا۔ مراقبہ میں کامیابی اور مراقبے کا صحیح نتیجہ اس وقت مرتب ہوتا ہے جب مرید خود کو مراد کے سپرد کردیتا ہے۔

جسم کا تعلق سانس سے ہے۔ سانس کی آمدورفت ختم ہو جائے تو جسم ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن علم غیب حاصل کرنے کے لئے سانس سے قطع تعلق نہیں ہے۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

البتہ سانس میں ٹھہراؤ ہونا ضروری ہے۔ جب انسان اپنا تعلق گوشت پوست کے جسم سے صرف سانس کی حد تک قائم رکھتا ہے تو جسم غیر محسوس ہوجاتا ہے۔

آدمی خواب میں سانس لیتا رہتا ہے' خواب یا سونے کی حالت میں سانس میں گہرائی پیدا ہوجاتی ہے سانس ہلکا اور لطیف ہوجاتا ہے۔ سانس میں لطافت آجانے سے روشنی کا جسم تجلی کی طرف صعود کرنا شروع کردیتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سونے کی حالت میں ہمارا ذہنی تعلق گوشت پوست کے جسم سے عارضی طور پر منقطع ہوجاتا ہے لیکن جسمانی نظام برقرار رہتا ہے اسی طرح اگر ہم جسمانی نظام سے عارضی طور پر بیداری میں تعلق منقطع کرلیں تو بیداری کے حواس میں غیب کی دنیا سامنے آجاتی ہے۔ جب نقطۂ ذات فکر سے آزاد ہوجاتا ہے تو عالم امر کی سیر میں مصروف ہوجاتا ہے۔ عالم امر کی حدود میں چلتا پھرتا کھاتا پیتا اور وہ سارے کام کرتا ہے۔ یہ کھانا پینا چلنا پھرنا سب نورانی مشاغل ہیں۔ نورانی مشاغل یا عالم امر کی حدود میں رہ کر کام کرنا مکان کی قید سے آزاد ہونا ہے۔ جب ایسا ہوجاتا ہے تو انسان اپنے ارادہ سے زمان کی ابتدا سے انتہا تک سیر کرتا ہے۔ سالک میں مراقبہ کے ذریعہ اتنی وسعت پیدا ہوجاتی ہے کہ مکان و زمان کے دونوں کنارے اس کے سامنے آجاتے ہیں اور سالک ہزاروں سال پہلے کے یا لاکھوں سال بعد کے حالات و واقعات کو دیکھ لیتا ہے۔ جب انسان ازل اور ابد کے دائرے میں قدم رکھ دیتا ہے یعنی نزول و صعود کی زندگی سے واقف ہوجاتا ہے تو کائنات میں جہاں چاہے دیکھ لیتا ہے۔ اس کیفیت کو عارفین کی اصطلاح میں "سیر" کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اے گروہ جنات اور انسان اگر تم استطاعت رکھتے ہو تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ' تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان کے ذریعے سے نکل سکتے ہو۔ سلطان کا مطلب تجلی کا عکس ہے۔

دل میں ایک نقطہ

ہم جب پیدا ہوتے ہیں تو مرحلہ وار یہ دنیا ہمارے لئے ایک تجرباتی زندگی بنتی ہے۔ اسی طرح جب سالک کی نظر اپنے باطن میں کھلتی ہے تو مرحلہ وار عالم غیب کی دنیاؤں کے تجربات شروع ہوجاتے ہیں۔ جیسے جیسے غیب کی دنیا میں انہماک ہوتا ہے' غیب میں بسنے والے افراد سے تعارف ہوتا رہتا ہے اور غیب کی دنیا میں شب و روز سے واقفیت حاصل ہوجاتی ہے۔ جس طرح ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد رفتہ رفتہ شعور حاصل کرتا ہے۔ پہلے وہ صرف ماں کی خوشبو کا احساس کرتا ہے پھر وہ ماں کو پہچانتا ہے پھر باپ بہنوں بھائیوں کو اور قریبی رشتہ داروں کو پہچانتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کی نظر میں اتنی وسعت آجاتی ہے کہ وہ دنیاوی علوم حاصل کرلیتا ہے۔ اسی طرح اگر سالک اپنے نقطۂ ذات میں موجود غیب کی دنیا سے روشناس ہے یا غیب کی دنیا میں داخل ہوگیا ہے یا اس کے اندر غیب کا شہود پیدا ہوگیا ہے تو بتدریج اس کے اندر ایسی نگاہ پیدا ہوجاتی ہے جس کے ذریعہ وہ ازل تا ابد دیکھ لیتا ہے۔ غیب کی دنیا میں جو کچھ ہے اسے چھولیتا ہے۔ ازل تا ابد کو دیکھنا یا ازل تا ابد غیب کی دنیا میں افراد کائنات سے ملاقات کرنا اٹھنا بیٹھنا ستاروں میں گھومنا افلاک کی سیر کرنا سیاروں میں گشت اس کے لئے ممکن ہوجاتا ہے۔

اس کے سامنے وہ تمام حقائق آجاتے ہیں جن حقائق پر کائنات تخلیق ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ کائنات کی ساخت میں کس قسم کی روشنیاں برسرعمل ہیں۔ ان روشنیوں کا سورس کیا ہے۔ روشنیاں کس طرح بن رہی ہیں۔ روشنیاں افراد کائنات میں کس طرح تقسیم ہورہی ہیں اور روشنیوں کی مقداروں سے کائنات کے نقوش کس طرح بن رہے ہیں۔ سالک کی آنکھ یہ بھی دیکھ لیتی ہے کہ روشنیوں کا سورس اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

چاندنی رات میں چاندنی سے فضا معمور ہے۔ اس وقت اگر آتش بازی چھوڑی جائے تو آتش بازی چھوڑنے سے چاندنی فضا میں سفید رنگ کی روشنیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ چاندنی پر محیط نہیں ہوتیں چاندنی ان پر محیط رہتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فضا میں چاندنی ہے چاندنی میں نقش و نگار ہیں پھول پتیاں ہیں پھول جھڑی کے اندر سے پھول گر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پھول جھڑی کے اندر نقش و نگار موجود تھے اس ہی طرح جب روشنی متحرک ہوتی ہے تو روشنیوں کے جسم (نسمہ) سے پھول جھڑی کی طرح نقش و نگار مظہر بنتے ہیں۔

ایک راز:

عالم باطن کی سیر یا عالم غیب میں داخلہ خارجی سمتوں سے نہیں ہوتا۔ عالم غیب میں داخلہ انسان کے اپنے نقطۂ ذات میں داخل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

جب تک کوئی انسان اپنی ذات (نقطۂ ذات) کو نہیں پہچان لیتا اس وقت تک اس کے اندر روحانی طرزیں متحرک نہیں ہوتیں اور جب انسان خود کو جان لیتا ہے اور اپنے نقطۂ ذات کو سمجھ لیتا ہے اور قلب کے اندر دروازہ کھول کر داخل ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر کائنات منکشف ہوجاتی ہے۔ وہ اس بات سے واقف ہوجاتا ہے کہ ظہور کائنات میں وہ خود بھی قافلے کا ایک عنصر ہے۔

راز:

دل کے مرکز میں روشنی کا ایک نقطہ ہے جو دل کی انتہائی گہرائی میں واقع ہے۔ یہ نقطہ مائیکرو فلم ہے۔ راہ سلوک پر چلنے والا مسافر اپنے دل کے اندر جب اس نقطے سے آشنا ہوجاتا ہے تو اسے نقطے کے اندر گہرائیوں میں حقیقت کے نشانات ملتے ہیں۔ تمام حقیقتیں شکل و صورت کے ساتھ موجود ہیں اور ہر حقیقت مجسم ہے۔

★

لیکچر ۲۴

اعمال کا ریکارڈ

ہم جب زندگی میں کام کرنے والے ان تقاضوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ زندگی کا کوئی تقاضہ ایسا نہیں جو خیال کے بغیر پورا ہوتا ہو ہر خیال کا تعلق اطلاع سے ہے۔ اطلاع کہیں سے آتی ہے دماغ کے اوپر وارد ہوتی ہے دماغ اسے محسوس کرکے معنی پہناتا ہے اور اطلاع کی تکمیل تقاضا بن جاتی ہے۔ یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ زندگی کہیں سے آرہی ہے اور کہیں جارہی ہے زندگی کا یہ تسلسل اس طرح قائم ہے کہ ایک ہی جذبہ باربار پیدا ہوتا ہے اور چھپ جاتا ہے چھپنے کے بعد پھر ابھرتا ہے اور تکمیل کے بعد پھر چھپ (ریکارڈ) جاتا ہے۔

راز

اطلاع دو طرح سفر کرتی ہے۔ ایک پابند ہوکر دوسرے آزاد ہوکر۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اطلاع پابند ہوکر سفر کرے یا آزاد ہوکر سفر کرے ریکارڈ ہوتی رہتی ہے۔

زندگی کے چار رخ ہیں۔ (۱) زندگی اطلاع ہے۔ (۲) اطلاع نزول کرتی ہے۔ نزولی کیفیت میں ٹائم اینڈ اسپس کی پابندی لازمی ہے (۳) اطلاع ٹائم اینڈ اسپس سے آزاد ہوکر سفر کرتی ہے (۴) اطلاع کا کوئی سورس ہے۔

۱۔ انفارمیشن کا سورس
۲۔ خود انفارمیشن
۳۔ انفارمیشن حرکات و سکنات کی پابندی کے ساتھ

www.islamiurdubook.blogspot.com

۴۔ انفارمیشن حرکات و سکنات سے آزاد

یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ **اطلاع** کا کوئی سورس ہے۔ زندگی کے پانچ رخ متعین ہیں۔ اس لئے کہ سورس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی منبع ہو۔

ریڈیو ٹی وی ایک سورس ہے کہ خبریں سناتا ہے لیکن کہیں سے خبریں آرہی ہیں۔ کوئی منبع یا مخزن ہے کوئی ہستی ہے جو خبریں سنا رہی ہے۔

روحانی راستے پر سفر کرنے والے دوست جانتے ہیں کہ کائنات میں کوئی شے نقش و نگار کے بغیر موجود نہیں ہے۔ کائنات میں ہر شے کی شکل و صورت ہے۔ ہر شے کا جسم ہے۔ تمام اصلیں اور حقیقتیں غیب کی دنیا میں اس ہی طرح موجود ہیں جس طرح عالم ناسوت میں موجود ہیں۔ عالم غیب میں دیکھنے والی نگاہ سے سراغ ملتا ہے کہ کائنات میں موجود ہر نقش کے تین وجود ہیں۔

اول۔ تجلی ذات

دوم۔ تجلی صفات

سوئم۔ خلق

ہر وجود صعودی، نزولی دو رخوں پر قائم ہے۔ اس طرح زندگی کے چھ رخ متعین ہوئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"کوئی نہیں لکھا گنہگاروں کا پہنچنا بندی خانے میں اور تجھ کو کیا خبر کیسا ہے بندی خانہ؟ ایک دفتر لکھا ہوا۔" (پارہ ۳۰ آیت ۷-۸)

اگر انسان کو اطلاع نہ ملے اور کوئی انسان اچھائی برائی کے تصور سے آشنا نہ ہو اس کے لئے سزا جزا نہیں ہے۔ **اصل** میں سزا جزا کا تعلق **اطلاعات** سے ہے۔ **اطلاعات** میں اچھائی برائی کے معانی پہنا کر **اطلاع** کو قبول کیا جاتا ہے۔ **اطلاع** کے نزول کے بعد باشعور انسان اطلاع میں معنی پہناتا ہے۔ **اطلاع** میں

معانی پہنانا دراصل ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ یہی سزا و جزا کا قانون ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

خرابی ہے، اس دن جھٹلانے والوں کی۔ ....

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں وہی باتیں ہیں جو پہلے لوگ کہہ چکے ہیں وہ اس لئے قبول نہیں کرتے کہ ان کے دلوں میں زنگ لگ گیا ہے۔ وہ جانتے ہیں اس سے پہلے لوگ بھی اللہ کی طرف سے لوگوں کو باخبر کرتے رہے ہیں۔ لوگوں نے ان کی باتوں کو نہیں سنا۔ اس کے باوجود کہ ان کے علم میں ہر بات ریکارڈ ہے کہ پچھلے لوگوں نے بھی اللہ کی آیات کو جھٹلایا ہے۔

قانون یہ ہے کہ انسان اطلاع کو جس طرح قبول کرتا ہے یا رد کرتا ہے سب کا سب ریکارڈ ہو جاتا ہے۔

انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس عمل کو جس طرح ضمیر قبول کرتا ہے عمل اسی طرح ریکارڈ ہو جاتا ہے اور انسان دوسری زندگی یعنی صعودی زندگی میں اس ریکارڈ کو پڑھتا ہے مرنے کے بعد یوم حساب تک یہی ریکارڈ زندگی بن جاتا ہے۔ نیکوکاروں کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ایسی نعمتیں عطا کرتا ہے جن نعمتوں سے انہیں سکون ملتا ہے۔ یہ سب بھی کتاب المرقوم (ریکارڈ) ہے۔

ہم کوئی بھی عمل کرتے ہیں ہمیں اطلاع فراہم کی جاتی ہے کہ یہ کام اچھا ہے یا برا ہے۔ جب ہم اچھائی کو قبول کرتے ہیں تو اچھائی ریکارڈ ہو جاتی ہے اور جب برائی کو قبول کرتے ہیں تو برائی ریکارڈ ہو جاتی ہے۔ ایک کام کرنے کے بعد بندے کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے دوسرا کام کرنے کے بعد ضمیر مطمئن نہیں ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں چوری کرکے مطمئن ہوں میں نے چوری اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کی ہے اس لئے میرا ضمیر مطمئن ہے لیکن جب اس کے گھر میں چوری ہوتی ہے تو وہ چوری کو اچھا عمل قرار نہیں دیتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ

خود کو دھوکہ دے رہا ہے۔ ایک آدمی غصے میں کسی کو گالی دیتا ہے وہ گالی دینے میں اپنے آپ کو حق بجانب تصور کرتا ہے لیکن جب اس کو کوئی گالی دیتا ہے تو اسے غصہ آجاتا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ خود فریبی میں مبتلا ہے۔ ضمیر کا مطمئن ہونا یہ ہے کہ جو کچھ انسان اپنے لئے چاہتا ہے وہ ہی دوسروں کے لئے چاہے۔ جن باتوں سے وہ خود پریشان ہوتا ہے دوسروں کو ایسی باتوں سے پریشان نہ کرے۔ نزول و صعود کی حرکات براہ راست ضمیر سے تعلق رکھتی ہیں اور ضمیر اچھائی اور برائی کو اچھی طرح جانتا ہے۔

آنکھوں کی روشنی

میرے بچو! میں اس قانون کو کئی دفعہ وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب خدوخال اور نقش و نگار پر قائم ہے۔
ور کائنات کو دیکھنے کی دو طرزیں ہیں۔

ایک طرز یہ ہے کہ کائنات کے اندر موجود اشیاء کو ٹھوس مادی شکل و صورت میں دیکھا جاتا ہے۔

اور دیکھنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ شکلیں اور صورتیں نظر تو آتی ہیں۔ ان میں ٹھوس پن بھی ہوتا ہے لیکن ظاہری دنیا کی طرح نظر میں نہیں آتیں۔

روحانی سائنس کا کوئی شاگرد جب ظاہر دنیا سے نکل کر دل کے نقطہ میں جھانکتا ہے تو اس کے اوپر یہ راز منکشف ہوجاتا ہے کہ کائنات کے اندر موجود ہر شے کے تین وجود ہیں۔

۱۔ ایک وجود کا تعلق براہ راست تجلی سے ہے۔
۲۔ دوسرے وجود کا تعلق صفات سے ہے۔
۳۔ تیسرے وجود کا تعلق عالم خلق سے ہے۔

تخلیق دو رخوں پر کی گئی ہے۔ ایک رخ نور اور روشنی ہے اور دوسرا رخ

حرکت ہے۔

ہر نوع کے افراد سوتے جاگتے ہیں۔ سونے کی حالت انسان کو ذات سے قریب کرتی ہے اور بیداری انسان کو ذات سے دور کرتی ہے۔ سونے کی حالت صعودی سفر کا ذریعہ ہے۔ صعودی حالت سے واقفیت کے لئے مراقبہ کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ بیداری کی دنیا میں سفر کرنے کا ذریعہ ہاتھ پیروں کی جنبش بتائی جاتی ہے۔ ظاہری علوم کے ماہر لوگ اس پر غور نہیں کرتے ہاتھ پیروں کی جنبش اور حرکت کہاں سے آرہی ہے۔ مادہ پرست حضرات کے برعکس روحانی لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مادی دنیا میں ہاتھ پیروں کی جنبش غیرمادی دنیا کی جنبش کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو زندگی گزارنے کا جو پروگرام دیا ہے اس پروگرام میں صعودی (خواب) اور نزولی (بیداری) دونوں پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

نماز و زکوٰۃ کا پروگرام

محترم خواتین و حضرات! آپ نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ ہر حرکت ذہن کی سطح پر قائم ہے۔ نزول ایسی حرکت ہے جو نقطۂ ذات سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہے۔ صعود ایسی حرکت ہے جو نقطۂ ذات تک صعود کرتی ہے اور نزول و صعود کی دونوں حرکتیں قدرت کے اشاروں پر عمل کرتی ہیں۔ کائنات کا ہر فرد ان کا پابند ہے۔ صعود کی حالت ذات سے قریب کرتی ہے اور نزول کی حالت ذات سے دور کرتی ہے۔ صعودی حالت وجدان اور نزولی حالت عقل ہے۔ یہ وہ پروگرام ہے جو بلا کسی فصل کے تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ کائنات کا ایک ممتاز فرد انسان اس بات کا پابند ہے کہ وہ نزول و صعود کے قانون کو سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق اسے اپنے اندر متحرک کرے۔

اس پروگرام کی بنیاد نماز اور زکوٰۃ ہے۔ نماز اور زکوٰۃ دونوں روح اور

جسم کا وظیفہ ہیں۔ صلوۃ روح کا وظیفہ ہے اور زکوٰۃ جسم کا وظیفہ ہے۔ نماز مجموعی طور پر ایک ایسا عمل ہے کہ جس عمل میں تمام انسانی حرکات و سکنات کو سمو دیا گیا ہے۔ مثلاً کھڑے ہونا ہاتھ اوپر اٹھانا بولنا پڑھنا سننا دیکھنا ہاتھ باندھنا جھکنا جھک کر دوبارہ کھڑے ہونا کھڑے ہونے کے بعد لیٹنا (سجدے کی حالت) لیٹنے کے بعد بیٹھنا بیٹھنے کے بعد پھر لیٹنا پھر کھڑے ہونا ادھر ادھر دیکھنا۔

نماز کے ارکان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز زندگی کے ہر عمل اور زندگی کی ہر حرکت کا احاطہ کرتی ہے اور یہ ساری جسمانی حرکات و سکنات بندہ اللہ کے لئے کرتا ہے۔

نماز ایک ایسا پروگرام ہے جس پروگرام کی کامیابی کے نتیجے میں انسان کا ذہن اور ذہن کی ہر حرکت اور ہر عمل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہوجاتا ہے۔ نماز قائم کرکے بندہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے یا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

یہ تربیتی پروگرام دس بارہ سال سے شروع ہوتا ہے اور اٹھارہ بیس سال تک اس کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ انسان جب پندرہ بیس سال تک وظیفہ اعضاء کی حرکت کے ساتھ ذہنی طور پر اس بات کی مشق کرتا ہے کہ اس کے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی قائم ہو تو وہ کامیاب ہوجاتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی طرف متوجہ رہ کر سارے کام انجام دینا اس کا معمول بن جاتا ہے۔ جب بندہ نماز قائم کرتا ہے تو وہ ربودگی اور بیداری دونوں کیفیات سے یکساں طور پر روشناس ہوجاتا ہے۔ ربودگی اور بیداری یا صعود و نزول وجدان اور عقل کے ساتھ اللہ کے ساتھ وابستگی زندگی کی تکمیل ہے۔ زندگی کی تکمیل میں نماز اہم کردار ادا کرتی ہے۔

دوسرا پروگرام زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ ایک ایسا عمل ہے جس کا منشا مخلصانہ اور بے لوث خدمت خلق ہے۔ زکوٰۃ اللہ کی اپنی عادت ہے۔ جب بندہ مخلصانہ

قدروں میں اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے وہ کام شروع کردیا ہے جو اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی خدمت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذہنی وابستگی اور بے لوث خدمت کو تصوف میں "جمع" کہتے ہیں یعنی انسان خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہر وقت اللہ کی مخلوق اور اللہ کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی رکھتا ہے۔ جب تک کوئی بندہ جمع کی کیفیت میں داخل نہیں ہوتا اس کے اوپر عرفان کا راستہ نہیں کھلتا۔

عرفان حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہوجائے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی مخلصانہ خدمت کرے اور ہمہ وقت اس کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم رہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو صلوۃ کا پروگرام عطا کیا ہے۔ جس طرح کوئی انسان مراقبے کے ذریعے اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے اندر مخفی علوم کو تلاش کرے اسی طرح نماز ایک مکمل پروگرام ہے۔ اس پروگرام کو صحیح طور پر ادا کرلینے کے بعد انسان ازخود ایسی کیفیت میں داخل ہوجاتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ لیتا ہے اور جب کوئی انسان زکوٰۃ کا پروگرام (اللہ کی مخلوق کی خدمت) پورا کرلیتا ہے تو کائنات کا ایک یونٹ بن جاتا ہے اللہ کی عادت جب اس کے اندر داخل ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پسند کرکے اس کے اوپر عرفان کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

پوری کائنات "نقطۂ وحدانی" میں بند ہے۔ اسی نقطہ کی گہرائیوں میں روشنیوں کے سوت یا روشنیوں کے ذخیرے چھپے ہوئے ہیں اسی نقطۂ وحدانی میں روشنیاں جوش کھاتی اور ابلتی رہتی ہیں۔ انہی ابلتی روشنیوں سے کائنات کے اندر ہر لمحہ تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔ اسی تغیر سے ستاروں اور سیاروں کے لاشمار نظام تعمیر ہو رہے ہیں۔ جتنی تعداد متغیر ہوتی ہے اتنی ہی تعداد میں ستارے اور

سیارے ٹوٹتے، مٹتے اور فنا ہوتے رہے ہیں۔ ٹوٹنے والے ستارے قائم رہنے والے سیاروں کے لئے اسٹور کا کام کرتے ہیں۔

ایک طرف نقطۂ وحدانی سے ابلنے والی روشنیاں ستاروں اور سیاروں کی تخلیق کرتی ہیں۔ دوسری طرف نقطۂ وحدانی سے نکلنے والی روشنیاں ایسے ستارے بناتی ہیں جو پورے پورے سیاروں پر مشتمل ہوتے ہیں غیر مستقل سیاروں کے ٹوٹنے سے مستقل سیارے فیڈ ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وہ روشنیاں ہیں جن سے کائنات کو وسعت مل رہی ہے اور کائنات نئی نئی طرزوں میں پھیل رہی ہے۔

گہرائیوں میں سمٹنا "مخفی حرکات" ہیں اور روشنیوں کا پھیلنا اور منتشر ہونا مثبت حرکات ہیں۔ حرکت کی یہی دو حالتیں کشش اور گریز ہیں۔ کائنات میں کشش اور گریز کے کروڑہا حلقے پائے جاتے ہیں۔

نقطۂ وحدانی

کائنات ایسی روشنی ہے جو نزول و صعود کے ساتھ لہروں کی حرکت پر قائم ہے۔ مرکزی نقطہ ایک ایسا نقطہ ہے جو انوار سے معمور ہے۔ اور اس کے اندر روشنیاں جوش کھاتی اور ابلتی رہتی ہیں ابلنے کے بعد روشنیوں کا بکھرنا ہی کائنات ہے۔ روشنی کے بکھرنے سے کائنات کے اندر ہر لمحہ لاشمار نظام تعمیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ

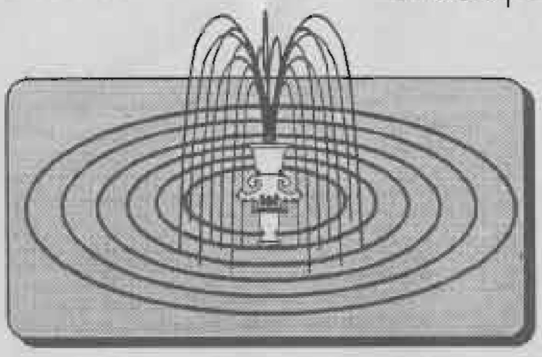
ایک تالاب ہے۔ تالاب میں پانی بھرا ہوا ہے اور تالاب میں ایک فوارہ ہے۔ تالاب میں پانی بھی ہے۔ فوارہ بھی ہے۔ فوارہ جب ابلتا ہے تو تالاب میں گرتا ہے گرنے سے تالاب میں بے شمار دائرے بنتے ہیں۔ یہ سب بے شمار دائرے ستارے سیارے اور کہکشانی نظام ہیں جو ہر آن بن رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تالاب کے اندر موجود دائرے اپنی بساط میں رہتے ہوئے سفر کرنے کے بعد مٹ جاتے ہیں۔ جتنی تعداد میں دائرے بنتے ہیں اتنی ہی تعداد میں

نور کا تالاب

(۱) پہلا قدم کائنات کی شکل

(۲) دوسرا قدم نوع کا ھیولیٰ

(۳) تیسرا قدم فرد کی رونمائی



تالاب میں فوارہ کا پانی گرتا ہے تو تالاب میں دائرے بنتے ہیں۔

۱۔ تالاب ...... بساط جس پر کائنات کا قیام ہے۔

۲۔ تالاب میں ...... حرکت ...... امر الٰہیہ ...... جس سے حرکت وجود میں آتی ہے۔

۳۔ تالاب میں دائرے ...... کائنات کے اندر نوعیں اور افراد ہیں۔

۴۔ دائروں کا تالاب کے اندر جذب ہونا اپنی اصل کی طرف لوٹنا ہے۔

۱۔ تالاب ↓	۱۔ حرکت
۲۔ بساط ↓	۲۔ نوعیں
۳۔ کائنات کا قیام ↓	۳۔ افراد
۴۔ امر الٰہیہ ↓	۴۔ ریکارڈ
۵۔ حرکت ↓	۵۔ اصل کی طرف لوٹنا
۶۔ تالاب میں دائرے	۶۔ بساط میں جذب ہونا

دائرے فنا ہوجاتے ہیں۔ یعنی دائروں کا فنا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دوسرے اور دائرے بنیں گے۔ ہم جب تالاب کے اندر دیکھتے ہیں تو یہ بھی نظر آتا ہے کہ کہیں دائرہ چھوٹا ہے اور کہیں بڑا ہے۔ اسی حساب سے ہر دائرہ کائنات کا ایک نظام ہے۔ اس قانون کو بیان کرنے سے منشاء یہ ہے کہ کائنات ہر وقت تعمیر ہو رہی ہے۔ کائنات ہر وقت فنا ہو رہی ہے۔ جیسے جیسے دائرے فنا ہو رہے ہیں اس ہی طرح نئے دائرے بن رہے ہیں۔ دائروں کا بننا اور مٹنا اس پانی کی وجہ سے ہے جو پانی فوارے سے ابل رہا ہے۔

فوارہ نقطۂ وحدانی ہے اور تالاب کائنات ہے۔ تالاب کے اندر دائروں کا بننا مٹنا نزولی و صعودی حرکات ہیں۔

جن روشنیوں پر کائنات تخلیق ہو رہی ہے اس کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ روشنیوں کی گہرائی میں سمٹنے اور ہجوم کرنے پر مجبور ہے۔ دوسرا رخ روشنیوں کے پھیلنے اور منتشر ہونے پر مشتمل ہے۔ گہرائیوں میں سمٹنا اور ہجوم کرنا مخفی حرکات ہیں۔ پھیلنا اور منتشر ہونا مثبت حرکات ہیں۔

تالاب کی مثال کے پیش نظر ہم یہ کہیں گے کہ کائنات میں کشش و گریز کے کروڑہا حلقے ہیں۔ ان حلقوں یا دائروں میں ہر حلقہ یا دائرہ اپنی ایک مرکزیت رکھتا ہے اور ان تمام دائروں کی مرکزیت فوارے سے وابستہ ہے۔ ہر حرکت اس کا تعلق صعود سے ہو یا نزول سے ہو' نقطۂ وحدانی کی سمت میں متحرک ہے۔ نقطۂ وحدانی سے جو دائرے (کائنات کے افراد) وجود پا رہے ہیں ان کی مرکزیت ایسی ان دیکھی شعاعوں پر ہے جن شعاعوں کو اللہ نے نور کہا ہے۔ یہ سلسلہ ازل سے ابد تک قائم ہے اور جاری رہے گا۔ جب سالک منفی اور مثبت حرکات کو سمجھ لیتا ہے تو وہ چھ شعوروں سے واقف ہوجاتا ہے اس کے بعد اس کے اوپر ساتویں شعور کا انکشاف ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صفت ربانیت سے وقوف کے لئے سات شعوروں کو متحرک کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا' پھر عرش پر قائم ہوا۔ (سورۃ اعراف آیت ۵۴)

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت ودیعت کردی ہے کہ انسان بیک وقت چھ شعوروں سے کام لے سکتا ہے۔

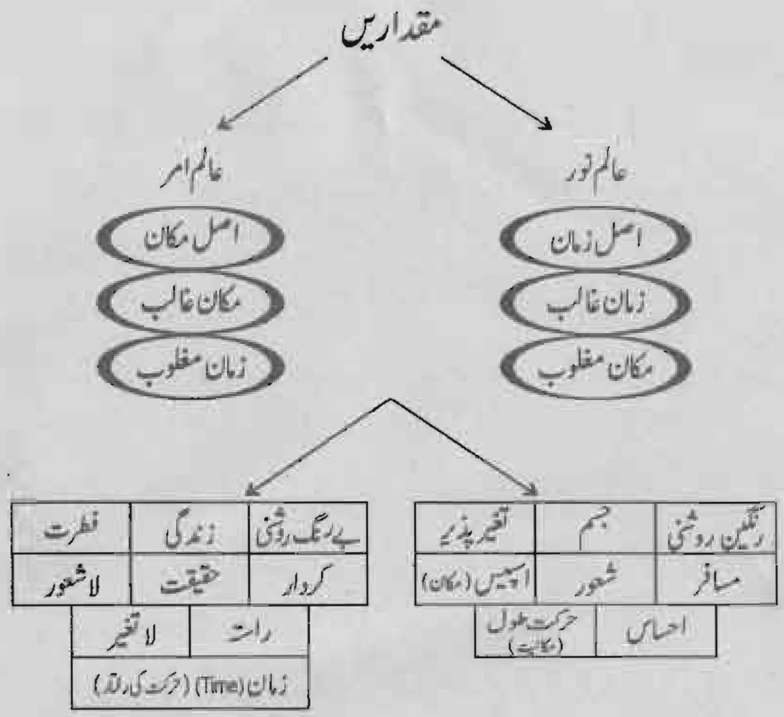
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اللہ چھپا دیتا ہے رات سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ رات اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے۔"

مفہوم یہ ہے کہ دن اور رات حواس کی دو قسمیں ہیں۔ رات اور دن کے حواس یکساں طور پر کام کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دن میں حواس کی رفتار کم ہوجاتی ہے اور رات میں حواس کی رفتار زیادہ ہوجاتی ہے۔

حواس کی کم رفتاری سے آدمی شعوری طور پر کم سفر کرتا ہے اور تیز رفتار حواس سے سفر میں تیزی آجاتی ہے۔ دن کے حواس میں چونکہ رفتار کم ہوتی ہے اس لئے اسپیس کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ رات کے حواس میں دن کے حواس کے مقابلے میں رفتار بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے اسپیس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن اسپیس سے آزاد ہونے کے باوجود فرد اسپیس میں موجود رہتا ہے۔ یہ مسئلہ اس طرح حل ہوتا ہے کہ اسپیس میں تغیر واقع ہوجاتا ہے۔ ایک آدمی بیداری میں زمین پر چل رہا ہے وہی آدمی خواب کی حالت میں اسپیس سے آزاد ہو کر کسی دوسرے سیارے میں چل پھر رہا ہے۔ چلنا پھرنا اس بات کی علامت ہے کہ زمین کی اسپیس ہر سیارہ میں موجود ہے اسپیس ایک ہے اور ٹائم بے شمار ہیں۔

معین مقداریں



خدوخال = زمانیت کے اجزاء

عالم امر = علم الکلیات (Equation)

خدوخال کا تعلق —— (عالم امر)

روح = نفس واحدہ ۔ رنگوں کا نظام (عالم خلق)

ترجمہ : ہم نے خلق کیا اور امر کیا

ذرہ = فرد = حرکت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سورج چاند اور ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔

اس فرمان میں بتایا گیا ہے کہ ساری کائنات نقطۂ وحدانی ہے۔ نقطۂ وحدانی سے جس طرح حکم ہوتا ہے کائنات اس کو ماننے پر مجبور ہے۔

اللہ خالق ہے اور خالق نے اپنی صفات مخلوق کو منتقل کردی ہیں۔ اللہ بحیثیت خالق کے رب العالمین ہے اور صفت ربانیت سے مخلوق زندہ ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے:

جس نے اپنے نفس کو پہچانا' اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

جب ہم نفس انسانی کا تذکرہ کرتے ہیں' دراصل ان تمام صلاحیتوں اور صفات کا تذکرہ کرتے ہیں جن صلاحیتوں اور صفات پر انسانی زندگی برقرار ہے اور جب انسان اللہ کی طرف سے منتقل شدہ صفات سے واقف ہوجاتا ہے تو اللہ سے واقف ہوجاتا ہے اس لئے کہ وہ صفت ربانیت سے واقف ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں ہوں تیرا رب' میں ہوں میں اللہ عالمین کا رب۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اپنی ذات کو اللہ اور صفات کو رب فرمایا ہے۔ جب کوئی بندہ اپنے اندر موجود ربوبیت کی صفات سے متعارف ہوجاتا ہے تو وہ اللہ کی صفت ربانیت سے متعارف ہوجاتا ہے۔ چونکہ کائنات کے تمام افراد میں اللہ کی یہ صفت کام کر رہی ہے اس لئے بندہ صفت ربانیت سے متعارف ہوکر موجودات سے واقف ہوجاتا ہے اور اس واقفیت کی بنیاد پر موجودات اس سے قریب ہوجاتی ہیں۔

کائنات میں جو کچھ ہے سب روشنی ہے۔ ہر روشنی ایک الگ نوع ہے، ہر نوع میں روشنی کی معین مقداریں کام کرتی ہیں۔ اور مقدار ایک رنگ ہے۔ رنگوں کی ترتیب سے شکلیں وجود میں آتی ہیں اور ہر شکل میں ترتیب کے ساتھ یکسانیت ہے۔ بکری کی نوع میں جتنی بھی بکریاں ہوں گی سب کے اندر ایک قدر مشترک ہوگی۔

زمین پر چھ ارب آدمی موجود ہیں اور انسانی شماریات سے بہت زیادہ آدم دوسرے سیاروں پر موجود ہیں۔ ہماری زمین پر بسنے والا آدم ہو یا کسی دوسرے سیارے میں رہنے والا آدم ہو سب کی شکلوں میں مشابہت پائی جاتی ہے۔

ہر نوع کے لئے روشنی کی ایک معین مقدار ہے۔ روشنی کی معین مقدار میں ردوبدل اس لئے واقع نہیں ہوتا کہ ہر روشنی کی مرکزیت نقطۂ وحدانی ہے اور ہر روشنی نزول کے بعد نقطۂ وحدانی کی طرف صعود کرتی ہے۔

لیکچر ۲۵

خلق اور امر

خلق اور امر کے سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کائنات کی مرکزیت اللہ تعالیٰ کا ذہن ہے۔ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائنات کا عکس ہے۔ چنانچہ تمام مخلوق جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارادے میں محفوظ تھی اب بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائنات کا عکس مختلف رنگ و روپ اور شکل و صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کائنات کا ہر نقش اللہ تعالیٰ کے ذہن سے منعکس ہو رہا ہے اس عکس کے معین وجود ہیں۔

۱۔ پہلے وجود کا قیام لوح محفوظ میں ہے۔

۲۔ دوسرے وجود کا قیام عالم تمثال میں ہے۔

۳۔ تیسرے وجود کا عکس عالم رنگ میں ہے۔

عالم رنگ سے مراد کائنات کے مادی اجسام ہیں جو رنگوں کی اجتماعیت ہیں۔ کائنات میں جو کچھ ہے، موجودات میں جتنے اجسام ہیں، ان کی حیثیت نوع ملائکہ کی ہو نوع جنات کی ہو نوع انسان کی ہو یا اجرام سماوی کی ہو سیاروں ستاروں چاند اور سورج کی ہو سب رنگوں کا مجموعہ ہیں۔ اور یہ رنگ مخصوص حرکات سے وجود میں آتے ہیں۔

محترم دوستو! نسمہ کے بارے میں مختلف زاویوں سے اپنی معلومات آپ کے گوش گزار کر چکا ہوں۔ مزید تشریح یہ ہے کہ نسمہ کی ہر حرکت ایک رنگ ہے۔

مثلاً اگر نسمے کی طوالت حرکت کا الف عددی مجموعہ گلاب کے لئے مخصوص

www.islamiurdubook.blogspot.com

ہے تو اس مجموعے سے ہمیشہ گلاب ہی وجود میں آئے گا کوئی اور شے وجود میں نہیں آئے گی۔ اگر آدمی کی تخلیق رنگوں کے جیم تعداد سے ہوتی ہے تو اس طوالت حرکت سے دوسرا کوئی حیوان نہیں بنے گا۔ صرف نوع انسانی کے افراد ہی وجود میں آئیں گے۔ اسی طرح اگر ملائکہ کی نوع کے افراد کا عددی مجموعہ دال ہے تو اس عددی مجموعے سے ہمیشہ فرشتوں ہی کی تخلیق ہوگی کسی اور شے کی تخلیق نہیں ہوگی۔ ہر نوع کے لئے الگ الگ رنگ معین ہیں۔ یہ معین رنگ جس طرح طوالت میں حرکت کرتے ہیں اسی مناسبت سے نوع میں لاشمار افراد تخلیق ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا۔ لا تبدیل لخلق اللہ۔" (سورہ روم آیت ۳۰)

فطرت سے مراد نسمہ کی حرکت کا طول، رفتار اور ہجوم ہے۔ نسمے کی حرکت کا طول ہی کائنات میں رنگ بن کر تخلیقی عوامل پورے کرتا ہے۔ عالم رنگ میں جتنی اشیاء پائی جاتی ہیں وہ سب رنگین روشنیوں کا مجموعہ ہیں۔ ان ہی رنگوں کے ہجوم سے مادی اشیاء وجود میں آتی ہیں۔

اگر مادے کی شکست و ریخت کر کے انتہائی قدروں تک منتشر کر دیا جائے تو محض رنگوں کی جداگانہ شعاعیں باقی رہ جائیں گی۔ اگر بہت سے رنگ لے کر پانی میں تحلیل کر دیئے جائیں تو ایک خاکی مرکب بن جائے گا۔ جس کو ہم مٹی کہتے ہیں۔

یہ بات عام مشاہدے میں ہے کہ زمین ایک ہے خاکی مرکب ایک ہے اس خاکی مرکب زمین میں مختلف پھل پھول اگتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہر درخت کی شکل و صورت ہر درخت کا رنگ پھولوں اور پھلوں کے رنگ مختلف اور ذائقے

الگ الگ ہوتے ہیں۔

جب ہم کسی درخت کو یا گھاس کو زمین میں بوتے ہیں تو بے شمار رنگوں کے تحلیل شدہ مرکب (مادہ) درخت کی جڑ کو پکڑ لیتے ہیں اور پانی کی مدد سے مٹی کے ذرات رنگوں میں تبدیل ہو کر درختوں کے اندر خون بن کر دوڑتے ہیں۔ ذرات کی یہ شکست و ریخت ہی نوع کو الگ الگ رنگ منتقل کرتی ہے۔ جس جس طرح رنگ درخت میں دور کرتے ہیں اسی مناسبت سے پتیوں پھولوں پھلوں میں رنگ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھاس پودے درخت اور پھول میں رنگ نمایاں ہو کر مظہر بنتے ہیں اسی طرح مخلوقات کی زندگی اس کیمیائی عمل پر قائم ہے۔ نسمے کی حرکت داخل کی زندگی سے خارج تک عمل کرتی ہے اور خارج کی زندگی کو مظہر بناتی ہے۔ اصول یہ بنا کہ ہر شکل و صورت دراصل رنگوں کی اجتماعیت ہے اور یہ رنگ نسمے کی وہ حرکت ہے جو طوالت میں سفر کرتی ہے۔ نسمے کے اندر دو قسم کے مظاہر ہوتے ہیں۔

اول - حرکت کا طول (مکانیت)

دوئم - حرکت کی رفتار (زمانیت)

حرکت کی طوالت مکانیت ہے اور حرکت کی طوالت میں رفتار زمانیت ہے۔ حرکت کا طول اور رفتار دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں حرکتیں کسی صورت میں جدا نہیں ہوتیں۔ ہم جب بھی ٹائم کا تذکرہ کرتے ہیں، لامحالہ مکانیت زیر بحث آجاتی ہے۔ ہم جب بھی مکانیت کا تذکرہ کریں گے، "لازماً" زمانیت کا تذکرہ ہوگا۔ یہ دونوں طرزیں ہمہ وقت بلا کسی وقفے کے حرکت میں رہتی ہیں۔ حرکت میں رفتار بھی قائم رہتی ہے یعنی رنگ ایک طرف طوالت ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف اس طوالت میں رفتار ہوتی ہے۔ حرکت کا طول مکانیت (Space) اور حرکت کی رفتار زمانیت (Time) ہے۔

کشش + گریز = موت

شے میں نقش و نگار مکانیت ہے اور شے میں حرکت زمانیت ہے۔ حرکت میں دو رخ کام کرتے ہیں۔ حرکت کا ایک رخ طول ہے' حرکت کا دوسرا رخ طوالت کے ساتھ رفتار ہے۔ طوالت اور رفتار دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ حرکت کا طول مکانیت اور حرکت کی رفتار زمانیت ہے۔ ہم جب کائنات کی تخلیق کے بارے میں تفکر کرتے ہیں تو یہ جان لیتے ہیں کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اس ارادے کا مظہر ہے جو "کُن" کے بعد ظہور میں آیا ہے۔ یعنی کائنات موجود ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائناتی پروگرام کو شکل و صورت میں دیکھنا چاہا تو حکم دیا "ہوجا" یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات شکل و صورت کے ساتھ موجود تھی اس کا مظاہرہ ہوجائے اس بات کا واضح مفہوم یہ ہوا کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود پروگرام کا عکس ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مصور تصویر بناتا ہے۔ ہم کاغذ پر مصور کے بنائے ہوئے خدوخال کو دیکھتے ہیں اور مصور اس تصویر میں جو رنگ بھرتا ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ مصور تصویر کے وہی خدوخال بناتا ہے جو مصور کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ تصویر مصور کے ذہن کا عکس ہوتی ہے۔ مصور اگر ایک ہزار تصویریں بناتا ہے تب بھی ہر تصویر کا تعلق مصور کے ذہن سے ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ مصور جو تصویر بناتا ہے وہ کاغذ پر منتقل نہیں ہوتی بلکہ مصور کے ذہن کا عکس کاغذ پر تصویر بنتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو مصور ایک سے زیادہ تصاویر نہیں بنا سکتا۔ قانون یہ بنا کہ اصل اپنی جگہ محفوظ رہتی ہے اور تصویر کی شکل میں اصل کا عکس منتقل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ تمام مخلوق ظہور میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ارادے میں جس طرح محفوظ تھی' اب بھی اسی طرح محفوظ ہے۔

کائنات میں جتنی بھی نوعیں ہیں ان سب کی اصلیں اللہ تعالیٰ کے ذہن میں محفوظ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اربوں کھربوں سال گزرنے کے بعد بھی کبوتر کبوتر ہے۔ فاختہ فاختہ ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ انقلاب زمانہ کے ساتھ اور حالات کی تبدیلی کی بنا پر کبوتر فاختہ بن جائے اور فاختہ کبوتر بن جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات خالق ہے۔ خالق کے ذہن سے عکس منتقل ہوکر کائنات میں حرکت واقع ہورہی ہے۔

نقطۂ وحدانی کے عین مقابل ایک آئینہ ہے۔ اس آئینے کو "عالم مثال" کہتے ہیں۔

جب نقطۂ وحدانی کی شعاعیں عالم مثال کی طرف حرکت میں آتی ہیں تو ٹائم (زماں) وقوع میں آتا ہے جسے ہم اکہری حرکت کہتے ہیں۔ حرکت میں جب تک تسلسل ہے اس میں سقم واقع نہیں ہوتا یہ حرکت ازل سے ابد تک جاری رہتی ہے۔

اربوں کھربوں سال کے بعد بھی سورج سورج ہے' چاند چاند ہے۔ انسان انسان ہے۔

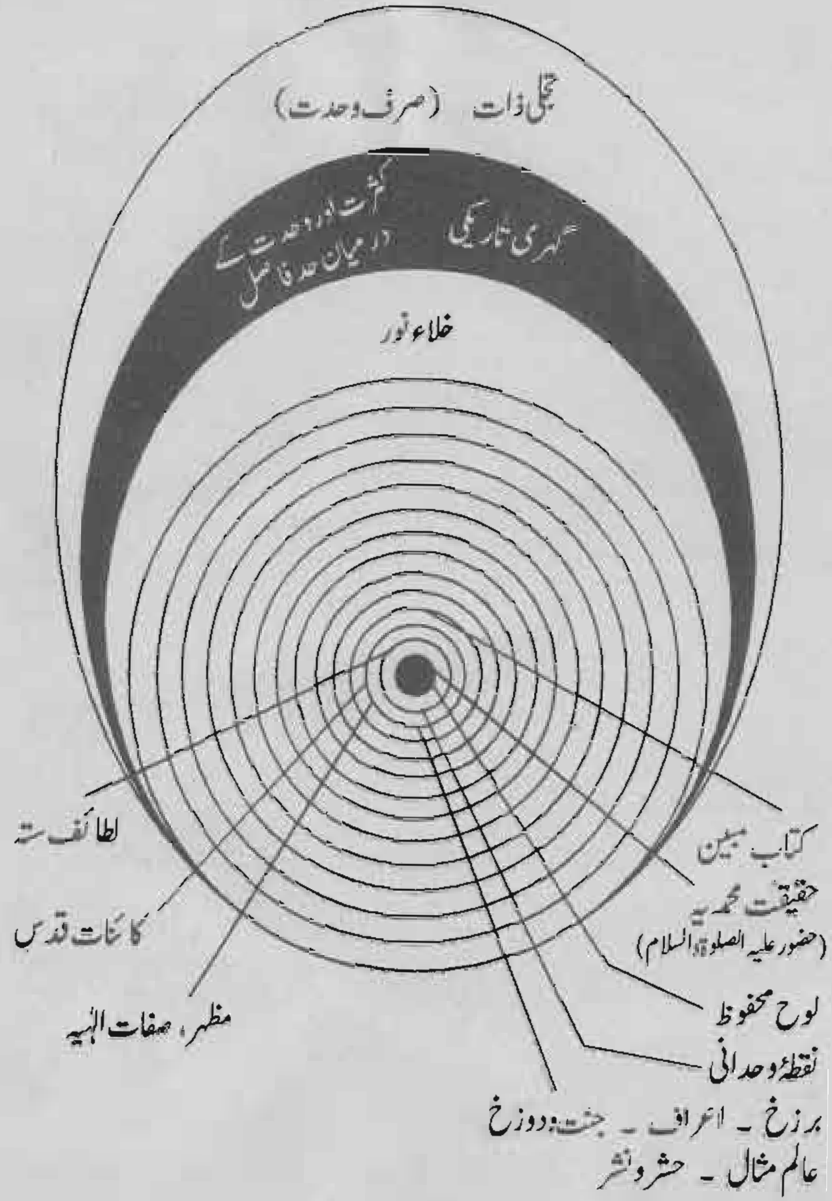
حرکت ازل سے ابد تک سفر کررہی ہے۔ یہ حرکت جب نقطۂ وحدانی سے گزر کر عالم مثال سے گزرتی ہے تو عالم مثال کا آئینہ شعاعوں کو قبول کرکے اپنی فطرت کے مطابق ان شعاعوں کو واپس لوٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ شعاعوں کو واپس لوٹانے کی کوشش میں شعاعوں کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔

(شعاعیں ختم نہیں ہوتیں)

ہو یہ رہا ہے کہ نقطۂ وحدانی ایک طرف شعاعوں کو آگے بڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ دوسری طرف عالم مثال کا آئینہ شعاعوں کو واپس لوٹانے کی کوشش کرتا

www.islamiurdubook.blogspot.com

ذات



ہے۔ اس کشمکش میں یہ حرکت دوہری ہو جاتی ہے۔ یہ دوہری حرکت ہی کشش و گریز ہے۔ ہر چیز جو کائنات میں موجود ہے اس کا ایک رخ کشش ہے اور دوسرا رخ گریز ہے۔

مثلاً آج کا پیدا ہونے والا بچہ ہر آن ہر لمحہ کشش و گریز میں سفر کر رہا ہے۔ بچپن سے جب لڑکپن آتا ہے تو بچپن کے لئے لڑکپن کشش ہے اور لڑکپن کے لئے بچپن گریز ہے۔ آدمی جوان ہوتا ہے تو جوانی لڑکپن سے گریز ہے اور جوانی کے لئے بڑھاپا کشش ہے۔ بظاہر یہ بات عجیب لگتی ہے اس لئے کہ کوئی آدمی بوڑھا نہیں ہونا چاہتا لیکن ہر شے جوان اور بوڑھی ہو رہی ہے۔

ساری زندگی کشش و گریز کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ کبھی انسان کو زندگی کی دلچسپیاں اپنی طرف کھینچتی ہیں اور کبھی موت انسان کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ انسان بے بس و مجبور ہو کر اس کشش و گریز میں سفر کرتا رہتا ہے اور ایک دن بچپن لڑکپن جوانی اور جوانی کے لوازمات کاروبار اولاد سب کچھ چھوٹ جاتا ہے اور کشش و گریز کے قانون کے مطابق موت اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

★

تخلیق کا قانون

کائنات میں ہر شئے کا کوئی نہ کوئی نام ہوتا ہے۔ اور یہ نام ہی کسی شئے کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ نام سے شئے کے جسم کا مظاہرہ ہوتا ہے دراصل شئے کا اصل وجود اس کا ہیولا ہے۔

مثلاً جب ہم پانی کہتے ہیں تو پانی کا نام ذہن میں آتے ہی ہمارے سامنے ایک شکل آتی ہے، ہمیں خدوخال نظر آتے ہیں اور ہم ان خدوخال کو پانی کے نام سے پہچانتے ہیں۔ اس طرح ہم کسی انسان کا نام زید بکر یا محمود رکھتے ہیں۔ جب زید کہتے ہیں تو دراصل ہم ان جسمانی خدوخال کا تذکرہ کرتے ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے لیکن جب ہم تفکر کرتے ہیں اور اس بات کو گہرائی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ نام ایک علامت ہے اگر اس علامت (جسم) کا تعلق ظاہری دنیا سے ختم کردیا جائے تو زندگی برقرار نہیں رہتی۔ بالفاظ دیگر ہم کسی چیز کا نام لیتے ہیں تو مراد اس شے کا جسم ہوتا ہے اس شے کی زندگی یا روح نہیں ہوتی۔

جب ہم قلم کہتے ہیں تو ہماری مراد قلم کی علامت یا قلم کے نام یا قلم کے جسمانی خدوخال سے نہیں ہوتی۔ قلم اس حقیقت پر قائم ہے جو قلم کے مفہوم سے ہمارے ذہن کو مطلع کرتی ہے۔ جب ہم قلم کہتے ہیں تو ہمارے ذہن میں قلم کا وصف آتا ہے اور قلم کا وصف یہ ہے کہ قلم لکھنے کے کام آتا ہے۔ خیالات کو شکل وصورت دینے والی چیز اور مفہوم کو تحریری شکل میں کاغذ پر منتقل کرنے والی چیز کا نام قلم ہے۔ قلم ایک جسم ہے لیکن قلم کا وصف اس کی زندگی ہے۔ اسی طرح

موجودات کے اندر جس قدر نوعیں ہیں ان نوعوں میں جس قدر افراد ہیں، ان میں سے ہر فرد کا کوئی نہ کوئی نام ہے۔

ہم کائنات کو سمجھنے کے لئے کائنات کے ہر فرد کا نام متحرک ذرہ رکھ لیتے ہیں۔ جس کے دو رخ ہیں۔ حرکت کا ایک رخ رنگین اور روشن ہے جس کو جسم کہتے ہیں۔ حرکت کا دوسرا رخ بے رنگ روشنی ہے جس کو فطرت کہتے ہیں۔ بے رنگ روشنی کا نام نسمہ ہے۔ نسمے کا ایک رخ زمان ہے اور نسمے کا دوسرا رخ مکان ہے۔ زمان روح ہے اور زمان اللہ کی مشیت ہے۔ زمان کا ایک رخ تجلی اور دوسرا رخ اللہ کی صفات ہیں۔

۱۔ کائنات
۲۔ متحرک ذرات
۳۔ رنگین اور روشن
۴۔ بے رنگ

۱۔ رنگین روشن رخ - جسم
۲۔ بے رنگ روشنی - نسمہ
۳۔ نسمہ ایک رخ - زمان
۴۔ نسمہ کا دوسرا رخ - مکان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

"زمانے کو برا نہ کہو زمانہ اللہ ہے۔"

حرکت کا وہ رخ جس کو ہم نے زمان کہا ہے، میں تغیر نہیں ہوتا۔ حرکت کا دوسرا رخ جس میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ "مکان" ہے۔

نسمہ - زمان - روح
روح - مشیت الٰہی

زمان کا ایک رخ - تجلی

زمان کا دوسرا رخ - صفات

کائنات کو کسی بھی زاویئے سے دیکھا جائے دو طرح نظر آتی ہے۔ (۱) کائنات خدوخال کے ساتھ براہ راست متحرک ہے۔ لیکن حرکت نظر نہیں آتی۔ مظاہراتی جسم کی حرکات کسی شے کی پابند ہیں۔ جسم کی اپنی کوئی اختیاری حرکت نہیں ہے۔ حرکت کا ایک رخ ہماری نظروں سے اوجھل ہے' دوسرا رخ ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ جو رخ نظروں سے اوجھل ہے رنگ' روشنی' نور' فطرت' حقیقت یا نسمہ ہے۔ حرکت کے ایک رخ میں تغیر ہے۔ حرکت کے دوسرے رخ میں تغیر نہیں ہے۔ جہاں تغیر ہے وہ مکانیت ہے اور جہاں تغیر نہیں ہے وہ زمانیت ہے۔ متغیر اور غیر متغیر حرکات میں دو قدریں ہیں ایک میں ہمہ وقت تغیر و تبدل ہو رہا ہے دوسرے میں تغیر و تبدل نہیں ہے۔ جس رخ میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

(۱) "اے پیغمبرؐ! آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے' اس کا کوئی ثانی نہیں۔"

ہم جب مخلوق کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں مخلوق میں یکتائی نظر نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

(۲) اللہ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ ہر ضرورت سے مبرا ہے۔ (جب کہ مخلوق کا ذی احتیاج ہونا لازمی امر ہے۔ اس لئے کہ مخلوق زندگی کے ہر ہر قدم پر وسائل کی محتاج ہے)

(۳) اللہ کسی کی اولاد نہیں ہے۔ (جب کہ مخلوق کے اولاد ہوتی ہے)

(۴) اللہ کسی کا باپ نہیں ہے۔ (جب کہ مخلوق باپ ہوتی ہے)

(۵) اللہ کا کوئی خاندان نہیں۔ (جب کہ مخلوق کا خاندان ہوتا ہے)

ثانی ہونا ذی احتیاج ہونا صاحب اولاد بیٹا یا بیٹی ہونا خاندان ہونا مخلوق کی قدریں ہیں اور پانچوں قدریں ہمہ وقت تغیر پذیر ہیں۔ آج کا بچہ اگر اولاد ہے تو کل وہ باپ بن جائے گا۔ عمر کے حساب سے ضروریات گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ خاندانی طرزیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ یہ پانچوں قدریں جو اللہ نے مخلوق کے لئے بیان فرمائی ہیں' مکان (Space) ہیں۔ اور یہ سب ہمیں نظر آتی ہیں۔ خالقیت کی قدریں اس کے برعکس ہیں۔ جب ہم مخلوق کا تذکرہ کرتے ہیں تو مخلوق کی قدروں میں ابتدا انتہا اشتباہ بے یقینی وسوسے اور ہر قسم کا تغیر ہمیں نظر آتا ہے۔ روشنی کی درجہ بندی اور تغیر سے مخلوق کی مختلف نوعیں بنتی ہیں اور مختلف نوعوں میں مختلف شکل و صورت مختلف آثار و احوال پائے جاتے ہیں۔ کتاب لوح و قلم میں زمان و مکان کی بہت واضح مثال راستے اور مسافر سے کی گئی ہے۔

راستہ زماں ہے اور مسافر مکاں ہے۔ ایک مسافر اپنے اندر کتنا ہی انہماک رکھتا ہو وہ اپنے آثار و احوال میں کتنا ہی گم ہو۔ راستے کے بغیر سفر نہیں کرتا۔ وہ کتنا ہی بے نیاز اور بے خبر ہو جائے اپنی ذات سے کتنا ہی غافل ہو جائے کوئی مسافر راستے سے لاتعلق نہیں ہوتا۔ مسافر اس وقت مسافر ہے جب راستے پر چل رہا ہو۔ مسافر کی حرکات و سکنات' کردار زندگی کی طرزیں اور فکریں کسی بھی طرح راستے کی حدود سے باہر نہیں ہو سکتیں' اس لئے کہ راستے میں تغیر نہیں ہے اور مسافر میں ہر قدم کے بعد دوسرے قدم میں تغیر ہو جاتا ہے۔

راستہ لاشعور ہے اور مسافر شعور ہے۔ ہم شعور سے لاشعور کو پہچان سکتے ہیں۔ شعور میں زیادہ سے زیادہ انہماک سے لاشعور میں توجہ کم ہو جاتی ہے۔ زندگی کی تمام طرزیں راستے کے اوپر قائم ہیں۔ اسی لئے جتنا زیادہ وقت راستے (لاشعور) میں غور و فکر کیا جائے گا اسی مناسبت سے زندگی زیادہ عمل کے راستے طے کرے گی۔

شعوری قدریں اور فکری دنیا

رنگ و بو کی دنیا میں ہم شعور سے لاشعور کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ زندگی کے تمام اعمال و حرکات کا تعلق لاشعور سے ہے۔ انسان کی توجہ جس قدر زیادہ شعوری زندگی پر ہوتی ہے اسی مناسبت سے لاشعور میں توجہ کم ہوجاتی ہے۔ چونکہ زندگی کا دارومدار لاشعور پر ہے اس لئے شعور میں زیادہ توجہ مرکوز ہونے سے زندگی کے اعمال اور ان کی قدریں کم ہوجاتی ہیں۔ شعور کا زیادہ سے زیادہ انہماک زیادہ سے زیادہ شعوری حرکت میں رہنے کی دلیل ہے اور جب انسان شعوری قدروں سے ہٹ کر لاشعور (فکری دنیا) میں داخل ہوجاتا ہے تو شعور کی گرفت کم ہوجاتی ہے۔

لاشعور مکانیتوں کی تعمیر کرتا ہے۔

عالم مکاں یا عالم خلق میں مکاں غالب اور زماں مغلوب ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ہم جب شعوری زندگی میں سفر کرتے ہیں تو ہمارے اوپر شعور کا غلبہ ہوتا ہے اور لاشعور مغلوب رہتا ہے۔ جب ہم مکانیت سے گزر کر زمانیت میں قدم بڑھاتے ہیں تو لاشعور غالب ہوجاتا ہے اور شعور مغلوب ہوجاتا ہے۔

مکان کی اصل نسمہ مفرد ہے اور خود مکان نسمہ مرکب ہے۔ نسمہ مفرد کی تعمیر عالم امر اور نسمہ مرکب کی تعمیر عالم خلق میں ہوتی ہے۔

زندگی کی تمام حرکات و سکنات تین حرکات پر قائم ہیں۔ حرکت اولیٰ، حرکت ثانی اور حرکت آخر۔

کائنات گریز اور کشش کی حرکات پر قائم ہے۔ ہر چیز ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی ہے اور ہر چیز ایک دوسرے سے دور ہو رہی ہے۔ گریز اور کشش کا یہ عمل زندگی میں اعمال و حرکات بننے کا موجب ہے کشش اور گریز کے تین دائرے ہیں۔

۱۔ پہلا دائرہ لطیفہ اخفیٰ اور لطیفہ خفی ہے۔

۲۔ دوسرا دائرہ لطیفہ سری اور لطیفہ روح ہے۔

۳۔ تیسرا دائرہ لطیفہ قلب اور لطیفہ نفس ہے۔

ان تین دائروں کا مظاہرہ ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی وجود بنتا ہے۔ وجود گوشت پوست کا ہو روشنیوں کا ہو یا انوار کا ہو۔

کشش و گریز کا قانون "انا للہ وانا الیہ راجعون" میں مخفی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کشش اور گریز کے ان رخوں میں الگ الگ خدوخال ہیں۔ یہ خدوخال کبھی انوار سے مرکب ہوتے ہیں کبھی روشنیوں سے اور کبھی مٹی کے جسم میں نظر آتے ہیں۔ مٹی کے جسم میں گریز اور کشش کا رخ "نسمہ مرکب" ہے۔ روشنیوں کے خدوخال اور روشنی کے Dimension سے بننے والا وجود نسمہ مفرد اور نسمہ مفرد کی دنیا ہے۔ اور انہی خدوخال میں جب نور جلوہ افروز ہوتا ہے تو نسمہ مطلق ہے۔ نسمہ مرکب کی دنیا میں انسان حیوانات نباتات کا شمار ہے اور نسمہ مفرد میں جنات ملائکہ ارضی ملائکہ سماوی جنت اور آسمانوں کا شمار ہے۔ ملاء اعلیٰ میں گروہ جبرائیل گروہ میکائیل گروہ اسرافیل شامل ہیں۔ بیت المعمور سے اوپر کے مقامات حجاب عظمت حجاب کبریا حجاب محمود ہیں۔ یہ مقامات نسمہ مطلق کی تجلی ہیں۔

موجودات کے تینوں رخ ہر انسان میں موجود ہیں۔ ہم جب عالم تخلیط کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہماری مراد "روح حیوانی" ہے۔ ہم جب جنات کی دنیا۔ اعراف کی دنیا۔ آسمانوں یا فرشتوں کی دنیا کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہماری مراد "روح انسانی" ہے اور جب ہم عالم نور کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہماری مراد "روح اعظم" ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ کوئی انسان جب روح حیوانی سے وقوف حاصل کرلیتا ہے تو وہ نسمہ

تخلیق کا فارمولا



مرکب (مکانیت کے عالمین) سے واقف ہوجاتا ہے اور جب کوئی انسان روح انسانی سے وقوف حاصل کرلیتا ہے تو جنات فرشتے برزخ اعراف حشرو نشر جنت دوزخ اور ساتوں آسمان سے واقف ہوجاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی انسان اپنی روح اعظم سے واقف ہوجاتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو بیت المعمور کو اور بیت المعمور کے اوپر کے مقامات کو دیکھ لیتا ہے۔

کائنات تین رخوں پر مشتمل ہے۔ ایک رخ نورانی ہے دوسرا رخ روشنی ہے اور تیسرا رخ تخلیط ہے ان تینوں رخوں کی اصل زمانیت (Time) ہے۔ زمانیت سے مراد وہ راستہ ہے جس راستہ پر کائنات رواں دواں ہے۔

عالم تخلیط میں روح حیوانی کا عارف ورود میں' غنود میں' مراقبہ میں' کشف میں اور الہام میں اس بات کا یقین حاصل کرلیتا ہے کہ روح حیوانی کے حواس پابند اور مقید ہیں۔ روح حیوانی سے نکل کر جب انسان روح انسانی میں داخل ہوتا ہے تو محسوس کرلیتا ہے کہ انسان کے اندر مکانیت سے آزاد ہونے کی صلاحیت ذخیرہ کردی گئی ہے۔ انسان محض مکانیت پر قائم نہیں ہے بلکہ روشنیوں سے مرکب ہے اس کے یقین میں یہ بات داخل ہوجاتی ہے کہ انسان کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر ہے اور جب کوئی انسان روح اعظم میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر مشیت کے اسرار و رموز کھل جاتے ہیں۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

برزخ و اعراف

اللہ تعالیٰ نے جب گوناں گوں اور بے خبری کی صورت کو ختم کرنا چاہا تو کائنات کو مخاطب کیا۔ جیسے ہی کائنات کی سماعت سے اللہ تعالیٰ کی آواز ٹکرائی، سماعت کی حس پیدا ہو گئی۔ سماعت میں حرکت پیدا ہونے کے بعد کائنات میں کسی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت بیدار ہو گئی۔ جیسے ہی متوجہ ہونے کی صفت میں حرکت ہوئی، کائنات نے آواز دینے والی ہستی کی طرف دیکھا نگاہ کھلنے کے بعد اور اپنے علاوہ ایک اور ہستی کو دیکھا تو دو رخ منکشف ہوئے۔

۱۔ ایک رخ تخلیق

۲۔ دوسرا رخ خالق

ان دونوں رخوں کا تعین عالم امر ہے۔ عالم امر میں جو کچھ ہوا یا نگاہ نے جو دیکھا اس میں چونکہ خود تخلیق اور خالق مفرد ہستیاں ہیں اس لئے عالم امر کی تمام حرکات مفرد قرار پائیں۔ عالم امر میں دو حرکات ہیں جن میں کوئی رنگ نہیں ہے اور یہ دونوں حرکات نفی ہیں۔ یعنی ایسا عالم جس عالم میں بے خبری کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہ دونوں عالم لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفیٰ سے متعلق ہیں۔ لطیفہ اخفیٰ عالم امر خاص ہے اور لطیفہ خفی عالم امر عام۔ لطیفہ خفی (عالم امر عام) تخلیق کی بساط ہے اور لطیفہ اخفیٰ (عالم امر خاص) خالق کی ذات ہے۔ عالم امر خاص خفی سے کشف ہوتا ہے۔ لطیفہ خفی کائنات کا ریکارڈ ہے اور لطیفہ اخفیٰ تجلیات کا ریکارڈ ہے۔ یہ دونوں لطائف موجودات کی اصل ہیں۔ اخفیٰ کسی نوع کے تمام افراد کی

اصل ہے۔ اس کی مثال درخت کا بیج ہے۔ ہم جب درخت کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمارا ذہن درخت کی نوع اور اس نوع کی اصل کی طرف جاتا ہے۔ تو ہم جب زمین میں بیج ڈالتے ہیں بیج درخت بن جاتا ہے۔ یہ بیج اس درخت کی اصل ہے لیکن ہم جب درخت کی پوری نوع کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں اس بیج کا تذکرہ کرنا پڑے گا جو سب سے پہلے بویا گیا تھا۔ وہی ایک بیج ہزاروں لاکھوں درختوں سے گزر کر آج بھی درخت بن رہا ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ آم کے درخت کی نوع اور اس نوع کے تمام افراد کی اصل وہ بیج ہے جو زمین میں بویا گیا تھا اس بیج کے نیچے میں ایسی حرکت ہے جو آغاز بھی رکھتا ہے اور جس کا انجام بھی ہے۔ یہ حرکت آغاز سے انجام کی طرف گریز کر رہی ہے ہر نوع کا پہلا بیج نوع کا پہلا فرد ہے۔

نوع کے ہیولے کی پہلی حرکت اخفیٰ ہے اور نوعی ہیولے کی دوسری حرکت خفی ہے۔ اخفیٰ کی نگاہ ہمیشہ پردے کے پیچھے دیکھتی ہے اور خفی کی نگاہ پردے کے اوپر دیکھتی ہے۔ پردے کے پیچھے دیکھنے سے مراد تخلیق سے باہر غیب میں دیکھنا ہے اور پردے کے اوپر دیکھنے سے مراد عالم مظاہر میں دیکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اس ہی کی سلطنت ہے۔ آسمانوں اور زمین کو وہی حیات دیتا ہے۔ وہی موت دیتا ہے۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے آسمان اور زمین کو چھ روز میں بنایا۔ پھر تخت پر قائم ہوا۔ وہ سب جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو چیز اس سے نکلتی ہے جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور اس میں چڑھتی ہے۔ وہ دانا اور بینا ہے۔ وہ ظاہر ہے وہ باطن ہے وہ ہر آن ہر لمحہ اپنی مخلوق کے ساتھ رہتا ہے۔ مخلوق کسی بھی سیارے کی ہو یا کسی بھی زمین کی ہو وہ سب کو دیکھتا ہے جو کچھ مخلوق کرتی ہے اس کے علم میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی

www.islamiurdubook.blogspot.com

حکمرانی پر اللہ محیط ہے اور جو چیز زمین و آسمان میں موجود ہے وہ سب اللہ کی طرف لوٹ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر تفکر کیا جائے تو بہت ساری باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ موجود ہے پاکی بیان کرتے ہیں مفہوم یہ ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو شعور نہ رکھتی ہو مخلوق نہ صرف اپنی ذات کا شعور رکھتی ہے بلکہ یہ بھی جانتی ہے کہ ہمارا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں موجود ہر چیز اللہ کی پاکی اور عظمت بیان کرتے ہیں۔ اللہ کی حکمرانی سب پر ہے اس کے قبضے اور قدرت میں پیدائش اور موت ہے کوئی پیدا ہونے والی چیز اس بات سے انکار نہیں کرسکتی کہ ایک دن اسے موت کا مزا چکھنا ہے۔ جب کہ ہر نفس اور ہر ذی شعور یہ چاہتا ہے کہ اس کے اوپر موت وارد نہ ہو لیکن موت آجاتی ہے۔ موت کا وارد ہونا جب لازم بن گیا تو موجودات کے ہر فرد کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس کو سہارا دینے والا اور پیدا کرنے والا' اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل کرنے والا اللہ ہے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا اور تخت پر قائم ہوا نزول و صعود کے سات درجے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے یعنی نزول کرتی ہے۔ اللہ جانتا ہے جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے یعنی صعود کرتی ہے۔ آسمانوں سے زمین پر آنا اور زمین سے آسمانوں پر چڑھنا نزول و صعود کی دو حالتیں ہیں۔ جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں سب اللہ کی سلطنت ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کی دسترس میں ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ ایک طرف نزول ہے تو دوسری طرف صعود ہے۔ نزول و صعود میں سفر کرنے کے لئے اولیاء اللہ نے چھ رخ متعین کئے ہیں ہر رخ ایک حرکت ہے۔ ان چھ رخوں یا چھ حرکتوں کا نام

لطائف ستہ ہے۔

۱۔ لطیفہ اخفیٰ

۲۔ لطیفہ خفی

۳۔ لطیفہ سری

۴۔ لطیفہ روحی

۵۔ لطیفہ قلبی

۶۔ لطیفہ نفسی

ہر نوع میں ہر حرکت ایک طول رکھتی ہے۔ ان چھ حرکات میں سے تین حرکات نزولی اور تین صعودی ہیں۔ تین نزولی حرکات کے مقابل دوسرے رخ پر تین صعودی حرکات بیک وقت وقوع میں آتی ہیں۔

اخفیٰ کی بے رنگی تمام رنگوں کی اصل ہے اور یہ بے رنگی سر میں پہنچنے کے بعد یک رنگ ہوجاتی ہے۔ سر کی یک رنگی اپنے اندر تمام رنگوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ سر کے بعد یہ حرکت ایک طول اور طے کرتی ہے جیسے ہی یہ طول طے ہوتا ہے یک رنگ کے اندر سب رنگ بکھر جاتے ہیں۔ جن حدود میں یہ رنگ منتشر ہوتے ہیں ان حدود کا ایک رخ قلب (تصور) ہے۔ دوسرا رخ نفس (احساس) ہے۔ تصور' نفس اور احساس کے رنگوں کے مجموعے کا نام مظہر ہے۔

یہ قانون صرف نوع انسانی کے لئے نہیں ہے۔ ہر نوع کے لئے مخصوص ہے۔ وہ انسان کی نوع ہو' فرشتوں یا جنات کی نوع ہو یا کسی بھی سیارہ کی نوع ہو سب کے لئے یہی قانون نافذ ہے۔ حرکت میں بے رنگی زمان ہے۔ لیکن یک رنگی کا بہت سارے رنگوں میں بکھرنا شعور ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ جب زمان (Time) سطح پر ہوتا ہے تو مکان (Space) عمق میں ہوتا ہے۔ لیکن مظہر کی حدود میں قدم رکھنے کے بعد زمان عمق میں چلا جاتا ہے

www.islamiurdubook.blogspot.com

نزول اور صعود

نزول ↓	↑ ابدآلاباد
کتاب المبین	ابد
لوح محفوظ	جنت دوزخ
برزخ	حشرونشر
سماوات	اعراف
ارض	ارض
	صعود

اور مکان سطح پر آجاتا ہے۔ اخفیٰ سے مظہر کی طرف جو حرکت واقع ہوتی ہے نزولی حرکت ہے لیکن جب مکان سطح پر آجاتا ہے تو حرکت صعودی ہوجاتی ہے۔ یہ حرکت لطیفہ نفسی سے روح کی طرف صعود کرتی ہے اور روح سے خفی کی طرف صعود کرتی ہے۔

لطیفہ قلبی اور لطیفہ نفسی کی اجتماعیت عالم ناسوت ہے۔ لطیفہ روحی صعودی اور نزولی حرکت کے درمیان ایک پردہ ہے۔ اس عالم کو اعراف یا برزخ کہتے ہیں۔ نزول سے زمین پر آنے سے پہلے جس عالم یا جس پردے پر قیام ہوتا ہے وہ پردہ لطیفہ روحی ہے۔ اس کو برزخ کہتے ہیں۔ مظہر کے بعد جب صعودی حرکت شروع ہوتی ہے تو بیچ میں ایک پردہ آتا ہے اس عالم کو اعراف کہتے ہیں۔ لطیفہ خفی کتاب المرقوم ہے یعنی انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے اعمال کا ریکارڈ تمام حرکات و سکنات کی دستاویزی فلم ہے۔ یہ فلم ہی دراصل حشر نشر کی منزل ہے۔ یہ سب انسانی زندگی کے سات قدم ہوئے۔ ان سات قدموں میں ہر قدم ایک عمر یا شعور ہے اور ساتوں قدم پر انسان نزول و صعود کی حرکات پوری کرتا ہے۔ ان ساتوں قدموں یا عمروں کے دو نام ہیں۔ عالم رنگ یا عالم ناسوت۔ دوسرا عالم حشر نشر۔ ان دونوں منزلوں کے درمیان دو مرحلے اور پڑتے ہیں۔ لوح محفوظ اور عالم ناسوت کا درمیانی مرحلہ عالم مثال ہے۔ عالم ناسوت اور حشر نشر کا درمیانی مرحلہ عالم برزخ اور عالم اعراف ہے۔ نزولی مرحلہ عالم برزخ اور صعودی مرحلہ عالم حشر نشر ہے۔

★

متغیر و غیر متغیر

کائنات کے دو رخوں میں ایک رخ کا نام زمانیت ہے اور دوسرے رخ کا نام مکانیت ہے۔ جہاں کائنات زمانیت میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ نزولی حرکت ہے اور جب مکانیت پس منظر میں چلی جاتی ہے تو حرکت صعودی ہو جاتی ہے۔ نزول و صعود کا سلسلہ لوح محفوظ کے ساتھ قائم ہے۔ لوح محفوظ میں نزول کرنے والے تمام خدوخال جب عالم ناسوت کی طرف نزول کرتے ہیں تو لوح محفوظ اور عالم ناسوت کے درمیان ایک پردہ (اسکرین) آتا ہے۔ نزولی حالت میں عالم ناسوت اور لوح محفوظ کے درمیان اسکرین کو برزخ کہتے ہیں۔ لوح محفوظ سے چلنے والی تصویریں جب عالم ناسوت میں مظہر بنتی ہیں اور یہ مظاہرات صعود کرتے ہیں تو لوح محفوظ اور عالم ناسوت کے درمیان ایک پردہ آتا ہے۔ اس پردے کو عالم اعراف کہتے ہیں۔ لوح محفوظ سے عالم ناسوت تک آنے میں اور عالم ناسوت سے لوح محفوظ تک واپس پلٹنے میں جو مراحل پیش آتے ہیں ان مراحل کی تعداد سات ہے۔

نفس واحدہ کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ نقطۂ وحدانی کا وہ رخ جو اللہ کے ساتھ وابستہ ہے اس کو علم القلم کہا جاتا ہے۔ یہی رخ تجلی ذات بھی کہلاتا ہے اور اسے ورائے بے رنگ یا ورائے لاشعور بھی کہتے ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں قلم اور لوح کے تیئس شعبے ہیں۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے ان ۲۳ شعبوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ علم القلم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ شعبہ لاشعور کے اس نقطے سے متعلق ہے جس کی ایک سطح حافظہ دوسری

سطح فکر ہے۔ حافظہ اور فکر کی دونوں سطحیں ایک ہی حرکت کے دو رخ ہیں۔ حافظہ کی سطح خلائے نور ہے۔ خلائے نور بسیط، عمیق اور محیط ہے۔ فکر کی سطح محض نور ہے جو خلائے نور سے نور کی طرف یعنی لامحدودیت سے محدودیت کی طرف نزول کرتی ہے۔

یہ بہت عمیق اور گہری بات ہے۔ اب ہم نور خلائے نور حافظہ اور فکر کی مشاہداتی صورتحال بیان کرتے ہیں۔ جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تھا۔ اللہ ایک ذات ہے، اللہ بصیر ہے، اللہ خبیر ہے، اللہ علیم ہے، اللہ محبت کرنے والا ہے۔ اللہ خالق ہے۔ اپنی مخلوق کی تمام ضروریات سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذہن بھی ہے، اللہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اپنے تعارف کے لئے وہ ایسی تخلیق عمل میں لائے جس تخلیق میں حافظہ ہو فکر ہو بصیرت ہو علوم سیکھنے کی تمام صلاحیتیں ہوں تاکہ مخلوق اللہ کو پہچان لے۔

اللہ کے ذہن میں خیال آیا کہ ایک ایسی کائنات بنائی جائے جو مکمل ہو اور اس کائنات کے افراد میں ایسے منتخب افراد ہوں جو اللہ کو پہچان سکیں اور جن کا اللہ کے ساتھ تعلق قائم ہو۔ اللہ کے ذہن میں یہ خیال نقش و نگار اور خدوخال کے ساتھ موجود تھا۔ اللہ نے اس خیال کو مظاہراتی شکل و صورت دینی چاہی تو کہا "کُنْ"۔ اللہ کے ذہن میں جو کچھ اور جس طرح تھا، وہ عمل میں آگیا۔ جہاں یہ پروگرام عمل میں آیا اس عالم کو عالم ارواح کہتے ہیں۔ عالم ارواح کے بعد دوسرا عالم عالم لوح محفوظ ہے۔ عالم ارواح کے بعد لوح محفوظ پر کائنات کی ہر حرکت کائنات کا ہر لمحہ اور کائنات کے اندر جتنی نوعیں ہیں سب کی صورتیں نقش ہوگئیں۔ ان نقوش یا فلم کا نام لوح محفوظ ہے۔ پھر اس پروگرام کو اللہ کے قانون کے مطابق حرکت ملی اور کائنات خدوخال کے ساتھ مظہر بن گئی۔ جہاں کائنات نے نوعی اعتبار سے مظاہراتی خدوخال اختیار کئے۔ یعنی فلم کا یکجائی پروگرام نوعی

اعتبار سے الگ الگ ہوا اس عالم کو عالم مثال کہتے ہیں۔ کوئی پروگرام کی فلم جب انفرادی صورت میں ڈھلے ہوئی تو اس کا نام عالم ناسوت ہے۔ ہر شے ایک طرف نزول کر رہی ہے اور دوسری **طرف** صعود کر رہی کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے لامحدودیت سے محدودیت کی **طرف** سفر کر رہی ہے۔ ہر شے اس بات کا تعارف کرا رہی ہے کہ اللہ کی ذات پاک بے نقص اور غیر محدود ہے۔ ہم اگر متغیر اور غیر متغیر کو الگ الگ سمجھنا چاہیں تو غیر متغیر کا نام غیر محدودیت اور متغیر کا نام محدودیت رکھیں گے۔ جب شے میں تغیر پیدا ہوتا ہے تو پہلے حدود کا قیام عمل میں آتا ہے۔ یعنی حدبندی کے بغیر کوئی شے تغیر کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ کسی شے میں حدود کا تعین نہ ہو تو حرکت واقع نہیں ہوتی۔ مخلوق محدود ہے اور خالق تغیر سے پاک ہے۔ تغیر سے پاک ہونا ہر قسم کی احتیاج ہر طرح کی پابندی سے آزاد ہونا ہے۔ لامحدودیت خالق کی صفت ہے اور محدودیت مخلوق کا وصف ہے۔

علم الیقین عین الیقین

عزیزان گرامی قدر!

آپ یہ بات سمجھ گئے ہیں کہ ہر شے کی بنیاد لامحدودیت ہے اور ہر شے لامحدودیت سے نزول کر کے محدودیت میں مظاہرہ کرتی ہے۔ کائنات کا ہر فرد محدود دائرے میں اس بات کا تعارف کراتا ہے کہ اللہ کی ذات غیر محدود ہے۔ حد بندی تخلیق میں ہے لیکن خالق لامحدود اور لاتغیر ہے۔

اللہ کا ارادہ (نقطۂ وحدانی) جب متحرک ہوتا ہے تو خلائے نور کو نور کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ اللہ کا ارادہ جس نے "کُن" کہہ کر کائنات تخلیق کی، کسی سبب کی احتیاج نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود خالق ہیں۔ انہیں بحیثیت خالق کے کسی سبب یا وسیلہ کی احتیاج نہیں ہے۔ خلائے نور میں وسائل و اسباب موجود نہ ہونے کے باوجود اللہ نے جب "کُن" فرمایا تو "کُن" کہتے ہی خلائے نور میں

شکلیں اور صورتیں بن گئیں۔ اس حقیقت سے یہ بات منکشف ہوئی کہ خلائے نور اور خالق کا ارادہ ایک ہی حقیقت ہیں اور یہی حقیقت کائنات کی تعمیر کی بنیاد ہے۔ قرآن پاک میں اس حقیقت کو تدلّی کا نام دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا جس کی طاقت زبردست ہے۔ اصلی صورت پر نمودار ہوا۔ جب وہ افق اعلیٰ پر تھا، نزدیک آیا اور پھر اور نزدیک آیا جھکا دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ کم۔

پھر وحی کی اللہ نے اپنے بندے پر جو چاہا جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا دل نے۔

یہ وہ مشاہدات و کیفیات ہیں جو معراج کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر منکشف ہوئیں۔ ان آیات میں ان حقائق اور اعلیٰ مراتب کا تذکرہ ہے جو حقائق اور اعلیٰ مراتب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو براہ راست اللہ سے حاصل ہوئیں۔

علم لدنی کے تین شعبے ہیں۔

۱۔ ایک حصہ اجمال

۲۔ دوسرا حصہ تفصیل

۳۔ تیسرا حصہ اسرار

علم لدنی میں جس حصے کو اسرار کہا جاتا ہے اس کی تعلیمات اللہ تعالیٰ خود دیتے ہیں۔ اسرار تجلیات کے علوم کے حقائق ہیں۔ یہی حقائق علم القلم ہیں۔ علم القلم علوم کا وہ باب ہے جو لوح محفوظ سے پہلے ہے لوح محفوظ انہی علوم کا عکس ہے۔ یہ علوم لوح محفوظ کے احکامات پر اولیت رکھتے ہیں۔ علم القلم جاننے والا کوئی بندہ جب احکامات صادر کرتا ہے تو وہ تمام احکامات لوح محفوظ پر نقش ہوجاتے ہیں اور لوح محفوظ کے نقوش ہی نزول کر کے کائنات بنتے ہیں اور کائنات کے خدوخال

میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس بات کو سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعاؤں میں بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا یہ ہے۔

یا اللہ!

میں تجھے ان ناموں کا واسطہ دیتا ہوں جن کو تو نے مجھ پر ظاہر کیا یا مجھ سے پہلوں پر ظاہر کیا اور میں تجھے ان ناموں کا واسطہ دیتا ہوں جو تو میرے بعد کسی پر ظاہر کرے گا۔ یہ الفاظ بہت زیادہ غور طلب ہیں کہ جو تو میرے بعد کسی پر ظاہر کرے گا۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کی ان صفات و کمالات پر مشتمل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود ہیں۔ یہی صفات و کمالات اللہ کے شعائر اور تجلیات ہیں۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد "ابداء" سے پہلے ہے۔ اس مرتبہ کی معرفت تخلیق و تکوین کی صلاحیتیں عطا کرتی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے ہر نام میں لاشمار کمالات جمع ہیں۔ کمالات خلائے نور سے صادر ہو کر لوح محفوظ کی زینت بنتے ہیں۔ یا لوح محفوظ پر نقش و نگار بن کر ابھرتے ہیں۔ یہی لوح محفوظ کے نقش و نگار لوح محفوظ سے نزول کر کے عالم خلق میں ظاہر ہوتے ہیں۔ خلاء نور ورائے بے رنگ ہے۔ ورائے بے رنگ سے نفی یا عدم مراد نہیں وہ عدم نور مراد ہے جو نورانیت کے قانون کی دستاویز ہے۔ جو قانون نورانیت کا مجموعہ ہے۔ یہ ایک طرح کا لطیف ترین جلوہ ہے اور اس ہی جلوہ سے نور کی تخلیق ہوتی ہے۔ خلائے نور اللہ کی ذات نہیں ہے۔ خلائے نور ورائے بے رنگ ہے اور ذات باری تعالیٰ وراء الورا بے رنگ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بیان کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ہستی کو کسی بھی طریقے سے الفاظ میں محدود نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا بیان الفاظ، وہم و تصور اور ہر طرز فہم سے بالاتر ہے۔

انسان جب اللہ تعالیٰ سے متعارف ہوتا ہے تو متعارف ہونے کی دو طرزیں ہیں۔ ایک طرز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعارف ہوتا ہے۔

دوسری طرز یہ ہے کہ انسان اللہ کی ذات سے متعارف ہوتا ہے۔

کوئی انسان جب صفات سے متعارف ہوتا ہے تو اللہ کو اللہ کی صفات میں دیکھتا ہے اور اللہ کی صفات میں اللہ کو دیکھنا کسی نہ کسی پردہ میں دیکھنا ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی بندہ اللہ کو اللہ کی ذات میں دیکھتا ہے تو محض فکر وجدانی سے اللہ کی قربت کو محسوس کرتا ہے۔ فکر وجدانی سے قربت کو محسوس کرنے والا بندہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کو الفاظ یا کسی قسم کے خدوخال میں بیان نہیں کر سکتا۔ فکر وجدانی انسان کو ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہے جہاں انسان تجلی ذات کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ تجلی ذات کا مشاہدہ اور اللہ کی ذات کو دیکھنا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ یعنی جب کوئی بندہ ذات کو دیکھتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی تجلی کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ یہ بات پھر غور طلب ہے کہ اللہ سے گفتگو براہ راست ذات باری تعالیٰ سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ سے گفتگو بھی تجلی ذات کی معرفت ہوتی ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

مجھ سے اللہ کو پہچاننے کا حق پورا نہیں ہوا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

یا اللہ! رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد عالی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بندہ براہ راست نہ تو اللہ کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اللہ سے گفتگو کر سکتا ہے۔ اللہ کو دیکھنا اللہ سے گفتگو کرنا اللہ کی قربت کو محسوس کرنا تجلی ذات کی معرفت سے ہوتا ہے۔

ہم جب آئینہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں آئینے کے اندر اپنا عکس

www.islamiurdubook.blogspot.com

نظر آتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم آئینہ دیکھ رہے ہیں جب کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب تک آئینہ ہمیں دیکھ کر اپنے اندر عکس محفوظ نہ کرے ہم آئینہ نہیں دیکھ سکتے۔ یعنی کوئی بھی شخص آئینے کو نہیں دیکھتا بلکہ ہر شخص آئینے کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔ بالکل یہی صورتحال براہ راست حواس کی ہے۔ ہم جب کسی شے کو دیکھتے ہیں تو پہلے وہ شے انسان کے مشاہدے میں داخل ہوتی ہے پھر شے کے اندر فہم اور شعور ابھرتا ہے جو شے کے تعارف کا ذریعہ بنتا ہے۔ جب تک شے مشاہدے میں داخل نہ ہو یا شے کی فہم شعور میں منتقل نہ ہو ہم کسی شے میں معانی نہیں پہنا سکتے۔ مثلاً جب سورج کہا جاتا ہے تو سننے والا اپنے داخل میں سورج کو محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد شعوری طور پر سورج کے معانی اور مفہوم متعین ہوتے ہیں۔ ہم روزانہ جو سورج دیکھتے ہیں وہ سورج داخل کے اندر موجود سورج سے مختلف ہے۔ نہ صرف یہ کہ مختلف ہے بلکہ جس طرح ہم سورج کو دیکھتے ہیں اگر ہم روحانی واردات و کیفیات میں سورج کا مشاہدہ کریں تو سورج بالکل اس سورج کے برعکس نظر آتا ہے۔ آنکھ جب سورج کو دیکھتی ہے تو سورج کے اندر شعاعیں اور روشنیاں پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ سورج دیکھنے کے بعد یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ سورج کے اندر حرارت اور گرمی ہے۔ جب کہ ایسا نہیں ہے۔

جب ہم اپنے سیارے کو دیکھتے ہیں تو سیارے میں روشنیوں کو سورج کی روشنیاں قرار دیتے ہیں جب کہ روحانی آنکھ دیکھتی ہے کہ ہر سیارہ بذات خود ایک روشنی ہے اور سیارہ جب سورج کے سامنے ہوتا ہے تو سیارے کی روشنی سورج پر پڑتی ہے۔ سورج کے اندر ظاہری آنکھ سے جو تیزی نظر آتی ہے وہ دراصل زمین یا کسی سیارے کا عکس ہے۔ ہم جب سورج کو ظاہری اسباب سے ہٹ کر مشاہدہ کرتے ہیں تو تمام دنیا میں انسان سورج کے بارے میں سوچتے یا سنتے ہیں ان سب کو سورج ایک ہی طرح محسوس ہوتا ہے۔ لیکن روحانی آنکھ جس طرح سورج کو

دیکھتی ہے وہ ایسی حقیقت ہے جس میں تغیر نہیں ہوتا۔ روحانی دنیا میں بسنے والا ہر انسان سورج کو ایک ہی طرح دیکھتا ہے اور اس میں کبھی تغیر نہیں ہوتا۔ یہی صورتحال اس وقت پیش آتی ہے جب ہم ایسی چیز کا نام سنتے ہیں جس کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ نام سننے کے بعد اس ان دیکھی شے کا کوئی نہ کوئی تصور ذہن پر ضرور ابھرتا ہے۔

خدا کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن جب کوئی بندہ خدا کا نام سنتا ہے تو اس کے داخل میں ایک حقیقت ضرور وارد ہوتی ہے۔ ایسی حقیقت جس کو کسی بھی طرح نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً ایک آدمی خدا کے وجود کا انکار کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ انکار کس چیز کا کیا جا رہا ہے۔

اللہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جو انسان کے اندر داخل ہوتی ہے اور شعور اس حقیقت کا دباؤ محسوس کرتا ہے۔ اس حقیقت کے معانی و مفہوم اگر شعور میں پوری طرح واضح نہیں ہوتے تو انسان خدا کا انکار کردیتا ہے اصل میں وہ کہنا یہ چاہتا ہے جس خدا کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اس خدا کو شعوری فہم تسلیم نہیں کرتی۔

بہرحال براہ راست دیکھنے کی طرز میں کائنات ایک نقطہ ہے جس کے اندر کائنات ہی نہیں ورائے کائنات بھی ہے۔ یہی محسوس نقطہ عین الیقین ہے لیکن جب اس نقطے میں ورائے کائنات بھی داخل ہوجاتا ہے تو اس کیفیت کو حق الیقین کہا گیا ہے۔

نظر کا قانون

کائنات نگاہ یا نظر ہے۔ جب تک کائنات کے افراد کو نظر منتقل نہیں ہوئی اس وقت تک کائنات عالم تحیر میں تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الست بربکم"۔ کائنات میں جتنی بھی ارواح تھیں انہوں نے اس آواز کی طرف دیکھا تو انہیں اللہ کا ادراک حاصل ہوگیا۔ یہ ادراک ہی نظر ہے یہی وہ نظر ہے جو پہلا بُعد ہے۔ اس کے بعد کائنات کے تینوں دائرے مکان ہیں۔ جن کے نام بالترتیب بعد نمبر۱ بعد نمبر۲ بعد نمبر۳ اور بعد نمبر۴ ہیں۔

۱۔ بُعد .... نظر .... شہود

۲۔ بُعد .... نظارہ .... مشاہدہ

۳۔ بُعد .... ناظر .... شاہد

۴۔ بُعد .... منظور .... شہود

یہ چاروں بعد شہود مشاہدہ شاہد اور مشہود ہیں۔ شہود (نہر تسوید) کائنات کی ساخت میں اصل بنیاد ہے۔ اس میں کبھی تغیر واقع نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اس ہی حقیقت پر تینوں مکانیتوں کی عمارت قائم ہے۔ زماں راستہ ہے۔ اور باقی تین بعد مکانیت ہیں۔ راستہ ایک ہے، سفر کرنے والے افراد الگ الگ ہیں۔ کائنات کی اصل بنیاد کے بعد پہلی مکانیت نہر تجرید ہے جو مشاہدہ یا نظارے کی نوعیت میں اپنا وجود رکھتی ہے۔ دوسری مکانیت "نہر تشہید" شاہد یا ناظر کی حیثیت رکھتی ہے۔ تیسری مکانیت نہر تظہیر ہے جو مشہود یا منظور کہلاتی ہے۔ یہی وہ مکانیت ہے جو

روشنی کا ایک گہرا سمندر ہے اور یہی وہ مکانیت ہے جس کو آئینہ کا قائم مقام کہا گیا ہے۔

نہر تسوید .... زماں .... راستہ

نہر تجرید .... مکانیت نمبر۱ .... نظارہ

نہر تشہید .... مکانیت نمبر۲ .... ناظر

نہر تظہیر .... مکانیت نمبر۳ .... روشنی۔ آئینہ کے قائم مقام

نہر تسوید .... کائنات کی اصل

نہر تجرید .... اصل بنیاد کے بعد پہلی مکانیت

نہر تشہید .... کائنات کی اصل (زماں) کے بعد دوسری مکانیت

نہر تظہیر .... کائنات کی اصل (Time) کے بعد تیسری مکانیت

تسوید .... خلائے نور۔ لامکاں، زماں، وقت یا اللہ کا ذہن ہے۔

تجرید .... تشہید، تظہیر ۔ تینوں دائرے کائنات میں مکان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب ہم لفظ روحانیت کہتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ایسی طرز فکر کا تذکرہ کر رہے ہیں جو طرز فکر دنیا میں رائج تمام علوم سے الگ اور مختلف ہے۔ طبیعات، نفسیات اور مابعد النفسیات کا علم ہمیں روشنی فراہم کرتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے اسے ہماری آنکھ دیکھ رہی ہے۔ اس کے برعکس روحانی طرز فکر ہمیں بتاتی ہے کہ کسی چیز کو دیکھنے میں ہماری مادی آنکھ واسطہ بن رہی ہے۔ جب ہم پہاڑ کو دیکھتے ہیں تو درحقیقت ہم پہاڑ کو نہیں دیکھتے پہاڑ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔ یعنی پہاڑ ہمیں دیکھتا ہے اور پہاڑ اپنے دیکھنے کے زاویے کو ہمیں منتقل کر دیتا ہے اور ہم پہاڑ کے دیکھنے کو دیکھ لیتے ہیں۔

براہ راست نظر کائناتی شعور ہے۔ جس طرح ایک انسان پہاڑ کو پہاڑ دیکھتا

ہے اسی طرح انسان کے علاوہ تمام مخلوقات چرندے پرندے اور درندے اور دوسری مخلوق پہاڑ کو پہاڑ دیکھتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انسان نے پہاڑ کو پہاڑ دیکھا اور شیر نے پہاڑ کو سمندر دیکھا ہو۔ براہ راست نظر کا یہ کردار کائنات کے ہر ذرے میں یکساں طور پر برسرِعمل ہے۔ جس طرح انسان لوہے کو سخت محسوس کرتا ہے اسی طرح چیونٹی اور ہاتھی بھی لوہے کو سخت محسوس کرتے ہیں۔ براہ راست طرزِ نگاہ کائنات میں ہر فرد کو حاصل ہے اور یہ اشتراک اس لئے ہے کہ انسان سمندر کو نہیں دیکھتا سمندر انسان کو دیکھتا ہے۔ انسان سمندر کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔ کائنات میں پھیلے ہوئے تمام مناظر اسی قانون کے پابند ہیں۔

جس طرح آدمی چاند کی طرف نظر اٹھا کر چاند کو دیکھتا ہے اسی طرح چکور بھی چاند کو دیکھتا ہے۔ جس طرح ایک آدمی پانی پی کر آنتوں کی سیرابی کرتا ہے اسی طرح چوپائے پانی پی کر اپنی جسمانی نشوونما کرتے ہیں۔ اسی طرح درخت کی جڑیں پانی کو پانی سمجھ کر پانی سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ جس طرح انسان اور دوسرے جانور پانی سے نشوونما پاتے ہیں اسی طرح پھول پانی پی کر اپنی نشوونما کرتے ہیں۔ جس طرح ایک سانپ دودھ کو دودھ سمجھ کر پیتا ہے اسی طرح بکری بھی دودھ کو دودھ سمجھ کر پیتی ہے۔ یہ ایک مشترک نگاہ ہے جو ساری کائنات اور کائنات کے تمام افراد میں یکساں طور پر عمل پذیر ہے۔ نظر کے اس قانون میں کہیں اختلاف نہیں ہے۔ براہ راست طرزِ نگاہ اللہ کی وہ صفت ہے جس صفت پر کائنات کی نظر متحرک ہے۔ نظر کا یہ زاویہ ہر ذرے میں موجود ہونے کے باوجود غیر متغیر ہے۔ غیر متغیر اس حقیقت کو کہا جاتا ہے جس میں تبدیلی اور تعطل نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

انسان کو علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ یعنی اللہ نے انسان کے لاشعور میں علم ذخیرہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم سکھا دیا ہے جس علم سے انسان

کے علاوہ کائنات میں کوئی دوسرا فرد واقف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

پس جس وقت کہ درست کروں اور پھونکوں اس کے بیچ اپنی روح میں سے پس گر پڑو واسطے اس کے سجدہ کرتے ہوئے۔ (سورہ ص آیت ۷۲)

پھونکوں اس کے بیچ اپنی روح میں سے۔

وہ علم ہے جو علم اللہ تعالیٰ نے آدم کے علاوہ کائنات میں کسی مخلوق کو نہیں سکھایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں نے آدم کو اپنے اسماء (صفات) کا (براہ راست طرزِ فکر یعنی کائناتی شعور) کا علم سکھا دیا۔ فرمان باری تعالیٰ راہ نمائی کرتا ہے کہ کائنات میں انسان وہ ہستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست طرزِ نگاہ کا علم دیا ہے۔

کائنات تخلیق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ خود کائنات کے سامنے آگئے اور فرمایا۔ مجھے پہچانو میں تمہارا رب ہوں۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے اپنے دیکھنے کو دیکھا اور کائنات نے اللہ کے دیکھنے کو دیکھا۔

علم الاسماء

کائنات کی ساخت اور ساخت میں مختلف مقداریں اور ان مقداروں سے ترتیب پاکر مختلف نوعیں اور ہر نوع میں مخصوص خدوخال مخصوص صفات صفاتی اشتراک، ہر نوع کے الگ الگ افراد اور افراد کا دوسرے نوع کے افراد سے باہمی رشتہ ہر ذی عقل اور ذی فہم آدمی کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ ساری کائنات ایک کنبہ ہے اور اس کنبے کا ایک سرپرست اعلیٰ ہے۔ کائنات میں کوئی بھی نوع ہو، یا کسی بھی نوع کا فرد ہو، کائنات کے افراد سے رشتہ منقطع نہیں کرسکتا۔ کوئی فرد کائنات میں موجود نوعوں یا اجرام سماوی سے واقفیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اس

کے ساتھ مخفی رشتہ میں بندھا ہوا ہے۔ کوئی ایک آدمی سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی سے انکار نہیں کرسکتا۔ کوئی فرد جس طرح درخت کو درخت دیکھتا ہے اسی طرح دوسری نوع کے افراد بھی درخت کو درخت دیکھتے ہیں۔ علی ھذالقیاس تمام نوعیں ایک دوسرے سے باہمی رشتہ رکھتی ہیں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں اور ایک دوسرے کے کام آرہی ہیں۔ جس طرح مخلوق کا ہر فرد یہ جانتا ہے کہ ہوا کے بغیر زندگی ممکن نہیں ہے اسی طرح ہوا بھی یہ شعور رکھتی ہے کہ پانی کے ننھے ننھے ذرات اپنے دوش پر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا میری ڈیوٹی ہے۔ جس طرح انسان پانی پی کر پیاس بجھاتے ہیں اسی طرح ہوا کو بھی یہ شعور حاصل ہے کہ وہ پانی کے بخارات اور پانی کے ذروں کو اٹھا کر ان مقامات تک لے جاتی ہے جہاں سے ندی نالے اور دریا بنتے ہیں۔ لیکن پانی کو ہوا کو درختوں کو یہ شعور نہیں ہے کہ شعور کا علم کیا ہے؟ یہ علم اللہ نے صرف انسان کو ودیعت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونک دی۔ یہ روح پھونکنا ہی وہ علم ہے جو کائنات میں مشترک رشتہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کردی ہے۔

ہر بات قرآن پاک میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

ان علوم کی تدوین تین طرح ہوئی ہے۔

علم حضوری

علم حصولی

علم تدلیٰ

ہر ذی شعور جس کو کائنات میں کوئی بھی حیثیت حاصل ہے جانتا ہے کہ وہ کائنات کا ایک فرد ہے۔ ہر ذی فہم جو کائنات کا محل وقوع جاننا چاہتا ہے لازماً" یہ سوچتا ہے کہ کائنات کس سطح پر رواں دواں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں علیم ہوں یعنی علم کا سورس اور منبع اللہ ہے۔ علم کا جو بھی حصہ منتقل ہوا اس کا سورس اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں خبیر ہوں جس ذی شعور کو بھی اطلاع کی معنویت معلوم ہے وہ یہ جانتا ہے کہ زندگی کا دارومدار خبر پر ہے۔ ساری زندگی ایک خبر متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ کھانا پینا سونا جاگنا نفرت کرنا محبت کرنا یہ سب ایک اطلاع ہے جو انسان کے دماغ میں وارد ہوتی ہے۔ یہ اطلاع کہاں سے آرہی ہے؟ اس اطلاع کا سورس اللہ ہے جو خبیر ہے۔ انسان اور کائنات کے دوسرے افراد میں دیکھنے کا عمل جاری ہے۔ تواتر کے ساتھ دیکھنے کا عمل اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ نگاہ کیا ہے نگاہ کہاں سے آرہی ہے اور اس کا سورس کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں بصیر ہوں۔ یعنی کائنات کے افراد میں جو نگاہ کام کر رہی ہے اس کا سورس اللہ ہے۔ اسی طرح انسان جب اپنی زندگی کا اور اپنے اسلاف کی زندگی کا تجزیہ کرتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی فہم سے کام لیتا ہے تو اس کے لئے اس بات سے انکار ممکن نہیں رہتا کہ وہ بااختیار ہونے کے باوجود بے اختیار ہے پیدائش پر وہ قدرت نہیں رکھتا زندہ رہنے پر اسے قدرت حاصل نہیں ہے۔

ضرور کوئی ایسی اتھارٹی ہے جس نے زندگی کو کنٹرول کیا ہوا ہے۔ جس نے پوری کائنات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ یہ احاطہ اللہ کی صفت ہے اور اس صفت کو

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں "محیط" کے نام سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ہمارے اندر شعور ہے۔ ہمارے اندر دماغ ہے لیکن ہم کسی چیز پر حتمی طور پر قدرت نہیں رکھتے۔ ہمارے سارے ارادے ساری خواہشات کامیابی سے پوری نہیں ہوجاتیں اور ہم ہمیشہ ناکامی کا منہ نہیں دیکھتے۔ انسان کو قدرت حاصل نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے جو چاہے کرے۔ وہ ہر آن کسی ہستی کا محتاج ہے۔ اللہ کی یہی صفت ہے جو قدیر کے نام سے بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو روشنی بخشی ہے اس روشنی کا تذکرہ نور کے نام سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں آسمانوں اور زمین کا نور ہوں۔ مفہوم یہ ہے کہ کائنات اور کائنات کا محل وقوع صرف اور صرف اللہ کا علم ہے اور یہی وہ علم ہے جو اللہ نے انسان کے علاوہ کسی کو نہیں سکھایا۔

ارتقا

شعور کی سطح سے بلند ہوکر لاشعور میں تفکر کیا جائے تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ کائنات پر ایک واحد ہستی حکمران ہے۔ اس یکتا ہستی نے کائنات چلانے کے لئے ایک مربوط نظام بنایا ہے اس نظام کے تحت زندگی کی ابتدا اور انتہا کائنات کا سفر ہے۔ پہلی منزل میں کائنات نے خود کا ادراک کیا دوسرے قدم پر اس بات کی آگاہی حاصل کی کہ میں مخلوق ہوں اور میرا بنانے والا خالق اللہ ہے۔ تیسرے قدم پر کائنات نے نوعی اعتبار سے ادراک کیا۔ چوتھے قدم پر کائنات نے نوعی حواس کو الگ الگ سمجھا اور ہر نوع اس بات سے واقف ہوگئی کہ ہر نوع کے افراد مشترک ہونے کے ساتھ ساتھ جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ انفرادی حیثیت میں جب نوعوں نے اپنا ادراک کرلیا تو دوسرا سفر شروع ہوا۔

پہلا سفر نزولی تھا کائنات نے اوپر سے نیچے کی طرف سیڑھیاں طے کیں اور

جب کائنات نوعی اعتبار سے انفرادی شکل و صورت میں ظاہر ہوگئی اور ہر فرد نے اپنے وجود کا ادراک کرلیا تو صعودی سفر شروع ہوگیا۔ اس نزولی اور صعودی سفر کا نام ارتقا ہے۔ جس طرح عالم ارواح (نزولی حیثیت) سے عالم ناسوت تک کائنات کے سفر کو ارتقا کہتے ہیں اسی طرح عالم ناسوت سے عالم ارواح کی طرف لوٹنے کا نام ارتقا ہے۔

ارتقا کس طرح ہو رہا ہے۔ کائناتی سفر کس طرح طے کیا جارہا ہے۔

کائناتی ارتقا براہ راست حواس سے متعلق ہے اور حواس کا تعلق خیالات سے ہے۔ خیالات انفارمیشن ہے لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خیالات (اطلاعات) کا کہیں نہ کہیں سورس ہے۔ مخلوقات کی زندگی کے تمام اعمال و حرکات جو سفر کا ذریعہ ہیں روشنی ہے۔ ہم روشنی کے ذریعے دیکھتے ہیں۔ روشنی کے ذریعے سنتے ہیں۔ روشنی کے ذریعے سمجھتے ہیں۔ روشنی کے ذریعے چھوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ہمارے تمام حواس روشنی ہیں اگر درمیان میں سے روشنی کو نکال دیا جائے تو حواس ختم ہوجائیں گے۔ روشنی کی بساط ٹوٹ جائے تو پوری زندگی بکھر جائے گی۔ بنیاد نہیں ہوگی تو عمارت بھی نہیں رہے گی۔ روشنیوں کے جال پر راستہ بنا ہوا ہے۔ روشنیوں کے تار تانے بانے کی طرح ہیں۔ تار ایک دوسرے سے اتنے قریب ہیں کہ ان کو الگ الگ نہیں دیکھا جا سکتا۔

ایک سفید کاغذ لے کر اس پر پینسل سے درخت کے نقش و نگار بنائیں۔ درخت کی تصویر کے خاکوں کے چاروں طرف رنگ بھردیں آپ کو کاغذ پر درخت نظر آئے گا اگر کاغذ کے اوپر سے رنگ مٹا دیا جائے اور کاغذ کو سفید کردیا جائے تو درخت نظر نہیں آئے گا۔ کاغذ پر رنگ روشنی ہے اور اس رنگ کے درمیان اسکیچ کائنات ہے۔ جس طرح کاغذ کے اوپر رنگ نے درخت کا احاطہ کیا ہوا ہے اسی طرح اللہ کے علم نے کائنات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ جس طرح کاغذ کے اوپر درخت

نظر آرہا ہے جب کہ وہ خلا ہے۔ اسی طرح کائنات کا ہر ذرہ خلا کی صورت میں اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کا علم اللہ کا نور ہے۔ جس طرح کاغذ پر رنگ کی موجودگی میں دیکھنے والے کو رنگ نظر نہیں آتا ہے درخت نظر آتا ہے اسی طرح کائنات کی شکل و صورت نظر آتی ہے لیکن نور نظر نہیں آتا۔ صرف کائنات کا وہ خلا نظر آتا ہے جس خلا میں تصویر بنی ہوئی ہے اور ان خلائی تصویروں کے نام چاند سورج زمین آسمان پہاڑ سبزہ زار دریا سمندر وغیرہ ہیں۔ کاغذ کے چاروں طرف رنگ بھر دیئے جائیں اور بیچ میں ایسے نقش و نگار بنا دیئے جائیں جو سمندر کی تصویر کشی کرتے ہوں تو دیکھنے والا برملا پکار اٹھے گا کہ یہ سمندر ہے بصورت دیگر تمام نوعیں اللہ کا نور ہیں۔

لیکچر ۳۰

شعور۔ علم لدنی

نوع انسانی میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو گھر کے افراد کی توجہ ستر پوشی کی طرف رہتی ہے۔ ستر پوشی کے عمل کو اتنی زیادہ مرتبہ دھرایا جاتا ہے کہ چھپانا انسان کی طبیعت کا تقاضا بن جاتا ہے۔ اس تقاضے سے انسانی زندگی میں ستر پوشی کے ساتھ ساتھ عیب پوشی کے جذبات بھی کار فرما ہو جاتے ہیں۔ انسان اپنی غلطیوں کو چھپا کر خود کو مثالی بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے۔ یہی اخفا زندگی میں ارتقاء کا سبب بنتا ہے۔ اس کے برعکس جانوروں میں اخفا نہیں ہوتا۔ حیوان چونکہ دوسرے حیوان کی زندگی سے واقف ہے اس لئے وہ خود کو دوسرے حیوان کے سامنے مثالی بنا کر پیش نہیں کرتا۔

انسان خود کو دوسروں کے سامنے مثالی بنا کر پیش کرتا ہے تو نئے نئے راستوں اور نئی نئی ایجادات کا سبب بنتا ہے۔ یہ انسان کی ایسی کوشش اور جدوجہد ہے جس جدوجہد و کوشش سے وہ علم حصولی سے گزر کر علم حضوری میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی کوشش تمام طبعی علوم کا مجموعہ ہے۔ نئے نئے راستوں کا تلاش کرنا نئے نئے علوم کی داغ بیل ڈالنا اور ان علوم سے نئے نئے فلسفوں کا ظاہر ہونا یہ سب ارتقائی عوامل ہیں ارتقائی عمل کو علم حصولی کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ علم حصولی کی بنیاد پر جتنے بھی فلسفے وجود میں آتے ہیں یا ایجادات ہوتی ہیں ان کا بہت بڑا حصہ مفروضات اور قیاسات پر مشتمل ہے۔ جہاں مفروضات اور قیاسات کا عمل دخل ہے اس علم کو "علم حضوری" کہتے ہیں۔ علم حضوری فکر کی

گہرائیوں میں تلاش کئے جاتے ہیں۔ جب کہ علم حصولی طبعی قوانین کے پابند ہیں اور طبعی قوانین روحانی قوانین کا اتباع کرنے پر مجبور ہیں۔

ہر انسان کی زندگی دوسرے انسان کے لئے ایک سربستہ راز ہے اور ہر انسان دوسرے انسان سے ناواقف ہے۔ یہ ناواقفیت ہی انسان کی زندگی کا راز ہے۔ انسانی زندگی کا یہ راز ہر انسان کو اپنی غلطیوں کو چھپانے کی طرف مائل کرتا ہے۔ بالطبع ہر انسان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ خود کو دوسرے کے سامنے اچھا پیش کرے اور لوگوں کے سامنے اس کی غلطیاں ظاہر نہ ہوں۔ ہر انسان یہ بات جانتا ہے کہ میری زندگی کے بارے میں میرے علاوہ دوسرا کوئی شخص نہیں جانتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانی زندگی کا اخفا ارتقا کا سبب بنتا ہے۔ حیوانی زندگی میں اخفا نہیں ہے۔ انسانی ساخت کا شعوری امتیاز ہی دراصل اس کو علوم و فنون کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ نوع انسانی دو علوم سے واقف ہے۔ ایک علم مفروضات' قیاسات اور فکشن پر قائم ہے۔ دوسرا علم حقیقت پر مبنی ہے اس علم میں فکشن مفروضات اور قیاس شامل نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہے وہ حقیقت ہے۔ ایسی حقیقت جس میں تغیر اور ردوبدل نہیں ہوتا۔

دونوں کی اصل علم لدنی ہے۔ علم حضوری اور علم حصولی دونوں کو ایک دوسرے سے "علم لدنی" متعارف کراتا ہے۔ علم لدنی کے حقائق علم حصولی کی گہرائیوں میں تلاش کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ہم اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں جب پانی کا تذکرہ کرتے ہیں تو پانی کے خدوخال پانی کا استعمال پانی کا بہنا سمٹنا بہاؤ یہ سب علم حصولی کے دائرے میں آتا ہے لیکن جب پانی کی ماہیت تلاش کرتے ہیں تو اس تلاش کو اور تلاش کے نتیجے میں حاصل علم کو علم حضوری کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اپنی نشانیوں پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

تمام طبعی قوانین اور تمام علوم جو اس دنیا میں رائج ہیں وہ سب روحانی

قوانین کا اتباع کرتے ہیں۔ مثلاً جب ہم پانی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ پانی ہمیشہ نشیب کی طرف بہتا ہے۔ جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ پانی نشیب میں ہی کیوں بہتا ہے اور پانی کے اندر قوتیں کس طرح مخفی ہیں تو پانی کی فطرت سے ہمیں روحانی قوانین کا سراغ مل جاتا ہے۔ جیسے جیسے ہم گہرائی میں تفکر کرتے ہیں ہمارے اوپر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں اور یہ انکشاف ہمیں روحانی قوانین کی حقیقت تک پہنچا دیتے ہیں۔ روحانی حقیقت تک پہنچنا علم حضوری سے روشناسی ہے۔ علم حضوری اور علم حصولی میں ہم اس وقت فرق قائم کرسکتے ہیں جب ہمیں علم لدنی سے واقفیت ہو۔ یہی وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جو انبیاء کی نسبت سے اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔ علم لدنی جب انبیاء کو حاصل ہوتا ہے تو علم نبوت ہے اور علم نبوت کے زیراثر جب اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے تو علم لدنی ہے۔

اولیاء اللہ کو یہ علم الہام کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور پیغمبروں کو یہ علم وحی کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے۔

کائنات چار دائروں میں متحرک ہے۔ ان دائروں کا ہر زاویہ الگ الگ معانی رکھتا ہے اور ان دائروں کے دو رخ متعین ہیں۔ ایک رخ جو صعودی حالت ہے۔ دوسرا رخ نزولی حرکت ہے۔ ان دائروں کے دوسرے زاویوں کے الگ الگ چار نام ہیں۔

پہلے زاویے کا نام راح ہے۔

دوسرے زاویے کا نام روح ہے۔

تیسرے زاویے کا نام رویا ہے۔

چوتھے زاویے کا نام رویت ہے۔

یہ چار اوصاف لاشعور سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب راح میں تغیر ہوتا ہے تو

زمانی اور مکانی فاصلے معدوم ہوتے ہیں۔ "زاح" میں سفر کرنے والے مسافر کو خدوخال نظر نہیں آتے۔ زاح میں جب حرکت ہوتی ہے تو اس کا نام روح ہے اور اس میں زمانی مکانی فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اگر ہم کسی شخص کے سامنے سورج کا نام لیں تو "آنا" فانا" اس کے ذہن میں سورج کا عکس گزر جاتا ہے۔ گزرنے والا سورج وہ سورج ہے جس سے وہ خارج میں روشناس ہے۔ وہ کسی اور سورج کو نہیں جانتا۔ وہ فقط اس سورج سے واقف ہے جو ذہن میں موجود ہے۔ اگر ہم اس شخص کو ایک نقطہ تسلیم کرلیں تو یوں کہیں گے کہ نقطہ میں خدوخال نہیں ہیں۔ جب روح میں حرکت ہوتی ہے تو خدوخال بن جاتے ہیں۔ نقطہ میں خدوخال کو روح کہتے ہیں۔ نقطہ روح بن جاتا ہے تو شعور پیدا ہوتا ہے۔ نقطہ کی پہلی حرکت کو تصور یا رویا کہتے ہیں۔ لیکن جب یہ تصور گہرا ہو کر بصارت کی سطح پر آجاتا ہے تو رویت بن جاتا ہے۔ علم لدنی ایک ایسی ایجنسی ہے جو علم حضوری اور علم حصولی دونوں کی حدیں قائم کرتی ہے۔ دونوں کی حدیں قائم کرنے کے بعد علم لدنی ہمیں علم حضوری اور علم حصولی کے طبعی قوانین سے روشناس کرتا ہے علم لدنی ہمیں باخبر کرتا ہے کہ تمام طبعی قوانین روحانی قوانین کے تابع ہیں۔

ادراک اور شعور

پہلا دائرہ لاشعور دوسرا دائرہ ادراک تیسرا دائرہ تصور اور چوتھا دائرہ شے ہے۔ کائنات کی پہلی سطح کائنات اور افراد کائنات کے اندر بہت گہرائی میں واقع ہے۔ اس سطح کے اوصاف کا علم تقریباً" ناممکن ہے اس سطح کی گہرائی میں مشیت براہ راست کام کرتی ہے۔ البتہ وہ لوگ اس سطح کی صفات کو جان لیتے ہیں جو براہ راست مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔ پہلی سطح کے عارف لوگوں کو علم القلم سکھایا جاتا ہے۔ پہلی سطح کے بعد دوسری سطح جب نزول کرتی ہے تو اس میں نئے نئے اوصاف شامل ہوتے ہیں۔ ان مجموعی اوصاف کا نام لاشعور ہے۔ لاشعور میں جب حرکت ہوتی ہے تو فرد کا شعور اس کا احاطہ کرلیتا ہے اور اسی احاطہ کا نام تصور ہے اور جب تصور اپنی سطح سے ابھر کر فرد کے سامنے آتا ہے تو شعور اپنی بالمقابل چیزوں کو دیکھنے لگتا ہے۔ مختصر یہ کہ کائنات کے ہر فرد کو چار سطحوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب تک کوئی فرد ان چار سطحوں سے نہ گزرے اس وقت تک شے کی موجودگی زیر بحث نہیں آتی۔ اس بات کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ پہلے تین مرحلوں میں شے کا تانا بانا تیار ہوتا ہے اور چوتھے مرحلے میں شے خدوخال کے ساتھ موجود کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔ کائنات میں شے کی حرکت دو طرح ہوتی ہے۔ ایک حرکت طولانی ہے اور دوسری حرکت محوری ہے۔ لیکن محوری حرکت طولانی حرکت کے تابع ہوتی ہے۔ طولانی حرکت ہو یا محوری حرکت دونوں میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔

طولانی حرکت یا محوری حرکت (مکاں و زماں) دونوں حالتیں طولانی سمت اور محوری سمت میں ایک ساتھ گردش کرتی ہیں۔ یہ دونوں گردشیں مل کر مسلسل شعور تخلیق کرتی رہتی ہیں۔ اس کی مثال لٹو ہے۔

ڈوری میں باندھ کر لٹو کو پھینکا جاتا ہے۔ لٹو گھومتا ہے تو لٹو کے گھومنے کی حالت زمانی مکانی دونوں طرح ہوتی ہے۔ لٹو محوری گردش میں گھومتا ہے اور طولانی گردش میں آگے بھی بڑھتا ہے۔ طولانی گردش میں آگے بڑھنا مکانیت ہے اور محوری گردش میں دائروں میں گھومنا زمانیت ہے۔ لٹو چلنے کے بعد جب تھمتا ہے تو دیکھنے میں لٹو چند منٹ کے لئے چلا لیکن جس جگہ سے لٹو کی حرکت شروع ہوئی لٹو نے سفر کر کے کسی دوسری جگہ قیام کیا۔ ہم طولانی حرکت کو اپنے حواس میں سیکنڈ منٹ گھنٹے دن ماہ اور سال اور صدیوں کی شکل میں شمار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ طولانی گردش کو اپنے حواس میں منٹ یا مکانیت کا وقفہ شمار کرتے

ہیں۔ جب ہماری نظر آسمان پر اٹھتی ہے تو ہمارے حواس میں سیکنڈ منٹ کے وقفے ٹوٹ جاتے ہیں جب کہ ہمارا شعوری تجربہ ہے کہ ہم چند سو قدم سے آگے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو لاکھوں میل ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ چاند سورج ستاروں اور اجرام فلکی کو دیکھنا اس لئے ممکن ہے کہ ہم طولانی گردش کے ساتھ محوری گردش میں بھی سفر کرتے ہیں۔ طولانی گردش میں وقفہ مکانیت ہے۔ محوری گردش میں مکانیت نہیں ہوتی جب ہم نو کروڑ میل دور سورج کو دیکھتے ہیں تو ہم محوری گردش میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ہم محوری گردش میں سفر کریں یا طولانی گردش میں سفر کریں یہ دونوں گردشیں مل کر وقفہ کہلاتی ہیں۔

واہمہ خیال اور تصور سے گزر کر آدمی محسوساتی حالت میں داخل ہوتا ہے۔ محسوسات کی مرکزیت عالم ناسوت ہے۔ عالم ناسوت مادی زندگی ہے۔ ایسی مادی زندگی جو ٹھوس ہے اور عناصر کا مجموعہ ہے۔

تعصبات اور مفکرین

عالم ناسوت عناصر کی تخلیق ہے۔ عناصر کی تخلیق فرد کا چوتھا شعور ہے۔ اس شعور کا ادراک سطحی ہوتا ہے اس کا ٹھہراؤ اور ٹھوس پن بہت کم وقفے پر مشتمل ہے۔ چونکہ اس کا ٹھوس پن بہت کم وقفے پر مشتمل ہے اس لئے یہ شعور حواس کے اعتبار سے زیادہ ناقص ہے۔ ٹھوس پن زیادہ ہونے کی بناء پر اس شعور میں مسلسل خلا واقع ہوتا رہتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

ضمیر نور باطن ہے۔ ضمیر یا نور باطن سے استفادہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے شریعتیں نافذ کی ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیمات (شریعت و تکوین پر) غور و فکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ نوع انسان کی تخلیق کا اجمالی پہلو یہ ہے کہ اللہ کو یکتا اور ایک مانا جائے۔ یہ اسرار انبیائے کرام

اور آخری نبی سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی کے ذریعے منکشف ہوا۔ چونکہ انبیاء کو یہ کشف وحی کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے ان کے فرمودات میں قیاس کو دخل نہیں ہوتا اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے نہ ماننے والے فرقے توحید کو اپنے قیاس میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ کسی ایک طاقت کی حکمرانی تسلیم کرنے کے لئے قیاس سے رہنمائی چاہتے ہیں۔ انبیاء کو نہ ماننے والے فرقے ہمیشہ توحید کو قیاس میں تلاش کرتے رہے۔ ان کے قیاس نے غلط رہنمائی کر کے توحید کو غیر توحیدی نظریات بنا کر پیش کیا۔ اور یہ نظریات کہیں نہ کہیں دوسرے فرقوں سے متصادم ہوتے رہے۔ قیاس (مفروضہ یا فکشن) کا پیش کردہ نظریہ کسی دوسرے نظریئے کا چند قدم تو ساتھ دے سکتا ہے لیکن بالآخر ناکام ہو جاتا ہے۔ جب کہ انبیاء کا توحید کا نظریہ قیاس پر مبنی نہیں ہے۔

ہم جب نوع انسانی کا تذکرہ کرتے ہیں اور نوع انسانی کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں تو ہمیں لازماً اس طرف توجہ دینی پڑے گی کہ نوع انسانی ایک کنبہ ہے۔ اس کنبہ کا ایک سرپرست ہے اور وہ ایسا سرپرست ہے جس کی سرپرستی میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اس نظریئے پر نوع انسانی کو اکٹھا کرنے کے لئے ایک مکتبہ فکر پر جمع ہونا ضروری ہے۔ وہ نقطۂ فکر یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اللہ نوع انسانی کا سرپرست ہے۔ ابتدائے آفرینش سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام تک جتنے انبیاء مبعوث ہوئے' ان سب نے توحید کا ہی تذکرہ فرمایا ہے۔ کسی نبی کی تعلیم ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہے۔ اگر نوع انسانی ایک مرکز پر جمع ہو کر فلاح چاہتی ہے تو اسے انبیاء کی بتائی ہوئی توحید پر عمل کرنا ہوگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انبیاء کی توحید کے نظریئے کے علاوہ آج تک جتنے نظام ہائے حکمت بنائے گئے وہ تمام اپنے ماننے والوں کے ساتھ مٹ گئے یا آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور میں تقریباً تمام پرانے نظام ہائے فکر یا تو فنا ہو چکے

www.islamiurdubook.blogspot.com

ہیں یا ردوبدل کے ساتھ فنا کے راستے پر سرگرم عمل ہیں۔ اگرچہ ان نظام ہائے فکر کے ماننے والوں کی کوشش یہی ہے کہ تمام نوع انسانی کے لئے روشنی بن سکیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قیاس پر **مشتمل** سارے نظام ناکام ہوئے اور ناکام ہوتے رہیں گے۔

آج کی نسلیں گزشتہ نسلوں سے کہیں زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہوں گی۔ ایک وقت آئے گا کہ نوع انسانی کو کسی نہ کسی وقت اس نقطۂ توحید کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ جس نقطۂ توحید کو انبیاء علیہ السلام نے متعارف کرایا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ موجودہ دور کے مفکرین کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر وہ نوع انسانی کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں تو اس کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں ہے کہ قیاس سے ہٹ کر اس نقطۂ فکر کو سمجھا جائے جو نقطۂ فکر وحی کے ذریعے منکشف ہوا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف ممالک اور مختلف قوموں میں زندگی کی طرزیں مختلف ہیں۔ لباس اور جسمانی وظائف جداگانہ ہیں۔ یہ بات کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ تمام نوع انسانی کا جسمانی وظیفہ ایک ہوسکے۔ ہم جب جسمانی وظیفے سے ہٹ کر داخل (Inner) میں دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک ہی بات نظر آتی ہے کہ جسمانی وظائف الگ الگ ہونے کے باوجود نوع انسانی کا ہر فرد روحانی وظائف میں باہم اشتراک رکھتا ہے اور باہمی اشتراک یہ ہے کہ مخلوق کی ضروریات پورا کرنے والا ایک اللہ ہے۔ ایک ہی ہستی ہے جس نے تمام مخلوق کو سنبھالا ہوا ہے۔ نوع انسانی کی جتنی ترقیاں ہیں، جتنے علوم کے مدارج ہیں، ان سب کا تعلق اسی ایک ذات سے ہے۔ کوئی علم اس وقت تک علم نہیں بن سکتا جب تک کوئی ذات ان علوم کو انسانی دماغ پر وارد (Inspire) نہ کرے۔ کوئی ترقی ممکن نہیں ہے جب تک اس

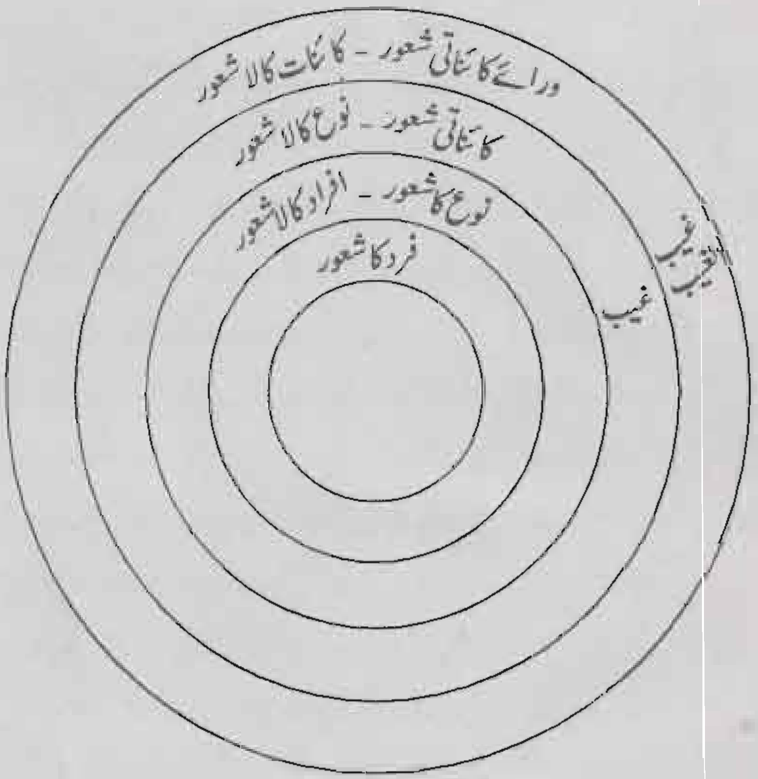
دنیا میں کسی شے کے اندر تفکر نہ کیا جائے۔ کوئی شے موجود ہوگی تو ترقی ہوگی، موجود نہیں ہوگی تو ترقی نہیں ہوگی۔ نوع انسانی موجود ہوگی تو ارتقا ہوگا۔ نوع انسان موجود ہی نہیں ہوگی تو ارتقا کیسے ہوگا؟ نوع انسانی کے دماغ میں کچھ کرنے کچھ بنانے کا خیال وارد نہ ہو تو وہ کچھ نہیں بنا سکتی۔ یہ وہ باہمی ربط ہے جو روحانی اعتبار سے تمام نوعوں میں اور تمام افراد میں ہمہ وقت متحرک ہے اور اس کا مخزن توحید کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

دنیا کے مفکرین کو چاہئے کہ دنیا میں رائج ان وظائف کی غلط تعبیروں کو درست کریں اور اقوام عالم کو وظیفہ روحانی کے ایک ہی دائرہ میں اکٹھا کرنے کی ہمہ گیر کوشش کریں۔ یہ روحانی دائرہ محض قرآن کی پیش کردہ توحید ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ قوم مستقبل کے خوفناک تصادم، چاہے وہ معاشی ہوں یا نظریاتی، نوع انسانی کو مجبور کردیں گے کہ وہ بڑی سے بڑی قیمت لگا کر اپنی بقا تلاش کرے اور بقا کے ذرائع قرآنی توحید کے سوا کسی نظام حکمت میں نہیں ہیں۔ دنیا کے مفکرین پر لازم ہے کہ وہ خود کو تعصبات سے آزاد کر کے قرآن پاک کی بیان کردہ توحید کو اپنے اوپر اور پوری نوع انسانی پر جاری و ساری کریں۔

چار شعور

حواس کے دو رخ ہیں۔ ایک میں تغیر ہوتا رہتا ہے جیسے جیسے تغیر واقع ہوتا ہے اسی مناسبت سے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور جہاں تغیر واقع نہیں ہوتا وہاں بے رنگی ہوتی ہے۔ حواس میں تغیر ورائے بے رنگ سے ہوتا ہے اور جیسے ہی ورائے بے رنگ میں تغیر ہوتا ہے ایک رنگینی پیدا ہوتی ہے جو بے رنگی کہلاتی ہے۔ بے رنگی میں تغیر ہوتا ہے تو حواس میں درجہ بدرجہ ایک رنگ پیدا ہوجاتا ہے اور یہ بہت سارے رنگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو کل رنگ بن جاتے ہیں۔ وا ہمے سے اس تغیر کی شروعات ہوتی ہیں۔ یہ تغیر خیال اور تصور کی راہیں طے کر کے محسوسات کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ خیال' تصور اور محسوسات ایک ذائرے میں سفر کرتے ہیں جس طرح خیالات اور تصورات محسوسات بننے کے لئے سفر کرتے ہیں اسی طرح یہ دوبارہ پلٹتے ہیں اور یہ سلسلہ ازل تا ابد قائم ہے۔ خیال اور تصورات کا سفر کرنا زمانی اور مکانی فاصلوں کو متعین کرتا ہے۔ خیال' تصور اور احساس جن مراحل سے گزر کر کسی مقام پر قائم ہوتے ہیں اس مقام کو سمجھنے اور اس مقام کا مشاہدہ کرنے کے لئے ہمیں تین شعوروں سے گزرنا پڑتا ہے اور ہم تین شعوروں سے گزر کر جس مقام پر غیر متغیر مقام کو دیکھتے ہیں اس مقام کو لاشعور کا نام دیتے ہیں۔ نوع انسانی اب تک جس شعور سے واقف ہے وہ شعور چہارم کے ضمن میں آتا ہے۔ باقی تین شعور یا تین لاشعور کو سمجھنے کے لئے ہمیں وحی کی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایک شعور کو چھوڑ کر باقی تین شعوروں کو سمجھ

چار شعور



لیا جائے تو ہم وحی سے واقف ہو سکتے ہیں۔

مفکرین کو اگر فی الواقع کائنات کی حقیقت تک پہنچنا ہے تو انہیں کسی نہ کسی طرح اس نظریے پر مجتمع ہونا پڑے گا کہ یہ محسوساتی کائنات ہرگز مادی ذرات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ شعور کا عکس ہے۔

پہلے شعور کا نام "نور مفرد" ہے۔

دوسرے شعور کا نام "نور مرکب" ہے۔

تیسرے شعور کا نام "نسمہ مفرد" ہے۔

چوتھے شعور کا نام "نسمہ مرکب" ہے۔

انہی چار شعوروں میں نسمہ مرکب عوام سے متعارف ہے۔ عوام صرف اسی شعور یعنی نسمہ مرکب کے حواس کو جانتے اور سمجھتے ہیں بقیہ تین شعور عامتہ الناس کے تعارف سے باہر ہیں۔ اب تک ماہر نفسیات نے جس چیز کا سراغ لگایا ہے وہ شعور سوئم (نسمہ مفرد) ہے۔ اسی شعور سوئم یا نسمہ مفرد کو سائنس دان حضرات لاشعور کا نام دیتے ہیں۔ ہم جب کائنات کی ساخت میں تفکر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات کی ساخت میں ایک شعور اور تین لاشعور پائے جاتے ہیں۔

اس کی Equation یہ ہے۔

پہلا شعور.......... شعور اول.......... نور مفرد

دوسرا شعور.......... شعور دوئم.......... نور مرکب

تیسرا شعور.......... شعور سوئم.......... نسمہ مفرد

چوتھا شعور.......... شعور چہارم.......... نسمہ مرکب

حقیقت محمدیؐ

ہم جب زندگی کا کوئی بھی عمل کرتے ہیں پہلے اس عمل سے متعلق ہمارے اوپر تین حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ واہمہ سے کوئی عمل شروع ہوتا ہے۔ واہمہ ایک

اطلاع ہے۔ ایسی اطلاع جس کو ہم اس وقت خیال کہتے ہیں جس وقت اطلاع میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ یہ اطلاع دماغ کے اوپر دباؤ بن کر نزول کرتی ہے۔ اطلاع میں دباؤ اور پھر ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس اطلاع کو خیال بھی کہتے ہیں لیکن یہ اطلاع جو خیال بن گئی ہے اس میں خدوخال نہیں ہوتے یا دماغ میں خدوخال کا احساس نہیں ابھرتا۔ جب خیال میں گہرائی پیدا ہوتی ہے تو اس عمل سے متعلق خدوخال پیدا ہو جاتے ہیں جیسے ہی خدوخال پیدا ہوتے ہیں خیال کا نام تصور بن جاتا ہے۔ تصور جب گہرا ہوتا ہے تو وہ عمل جو واہمے سے شروع ہوا تھا احساس بن کر سامنے آجاتا ہے۔ یہ حالت نزولی حالت ہے یعنی غیب کی دنیا سے ایک اطلاع آتی ہے اور احساس کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے پھر یہی احساس تصور اور خیال بن کر صعودی حالت میں لوٹ جاتا ہے۔

انسان کیفیات و واردات کو جس طرح محسوس کرکے جانتا ہے اور جو چیز اسے کسی علم کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتی ہے اس کا نام شعور ہے۔ ماہرین نفسیات نے جب شعور کی گہرائی میں تفکر کیا تو ان کے اوپر یہ بات منکشف ہوئی کہ شعور ایک ایسا آلہ ہے جو اطلاعات کو قبول کرکے انسان کے اندر معانی و مفہوم پہناتا ہے۔ ساتھ ہی ان کے سامنے یہ بات آئی کہ اطلاعات جو معانی و مفہوم بن کر خیالات بن رہی ہیں یقیناً ان کا کوئی سورس ہے۔ اطلاعات کہیں سے آرہی ہیں۔ اطلاعات جہاں سے آرہی ہیں اس کا نام ماہرین نفسیات نے لاشعور رکھا ہے یعنی جس شعور سے ہم واقف ہیں اس شعور کے علاوہ ایک اور شعور ہے جو شعوری کیفیات کے برعکس ہے۔ ماہرین روحانیت جب شعور کا تذکرہ کرتے ہیں تو وہ ایک شعور کا تذکرہ نہیں بلکہ چار شعور کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ماہرین روحانیت کائنات کو چار شعوروں کا مرکب بتاتے ہیں یعنی ساری کائنات چار شعوروں پر تخلیق کی گئی ہے اور چار شعوروں پر تمام حرکات و سکنات قائم ہیں۔ نوع انسانی ایک شعور سے

www.islamiurdubook.blogspot.com

واقف ہے اور نوعِ انسانی میں وہ حضرات جو تفکر کرتے ہیں (دانشوروں میں جو عامتہ الناس سے ہٹ کر علمی حیثیت میں اپنا ایک تعارف رکھتے ہیں) ان کے نزدیک کائناتی زندگی یا انسانی زندگی دو شعوروں سے مرکب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عامتہ الناس صرف ایک شعور سے واقف ہیں' باقی تین شعوروں سے واقف نہیں ہیں۔ ہم جب قرآن پاک اور آسمانی کتابوں میں تفکر کرتے ہیں تو ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ قرآن دو شعوروں کے علاوہ مزید دو شعوروں کا تعارف کراتا ہے۔ قرآن کے بیان کردہ دو شعور بھی لاشعور کے دائرے میں آتے ہیں۔ شعور کی تعریف میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ کوئی چیز Vision بن کر سامنے آئے اس چیز میں اور ہمارے درمیان فاصلہ ہو وہ چیز ٹھوس ہو اس میں کشش ثقل ہو اس کو ہم مادی آنکھ سے دیکھ سکتے ہوں اور مادی جسم سے چھو سکتے ہوں۔

ہم جانتے ہیں جس چیز سے ہم سب سے پہلے متعارف ہوتے ہیں اس چیز سے متعلق ہمارے ذہن میں ایک واہمہ پیدا ہوتا ہے پھر یہی واہمہ خیال بنتا ہے۔ خیال میں گہرائی کے بعد ایک تصوراتی صورت ابھرتی ہے اور یہی تصوراتی صورت احساس کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ واہمہ سے احساس تک پہنچنے کیلئے یا کسی چیز کو واہمہ سے احساس کے اندر دیکھنے کیلئے روحانی قانون کے مطابق سارا عمل ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں واقع ہوتا ہے یہ عمل متواتر اور بار بار خود کو دہراتا رہتا ہے۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں واقع ہونے والی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ چیز ہمیں ساکت محسوس ہوتی ہے۔ جو چیز ہم اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں وہ چیز واہمہ' خیال' تصور اور احساس کا درجہ حاصل کر کے نظروں کے سامنے آتی ہے۔ جس طرح نظروں کے سامنے آتی ہے اسی طرح نظروں سے غائب ہو کر مختلف دائروں سے گزر کر واہمہ بن جاتی ہے۔ واہمہ خیال تصور تین کیفیات ہیں اور یہ تین کیفیات جس طرح نزول کرتی ہیں اسی طرح صعود کرتی ہیں نزول اور صعود کی یہ

حرکات چھ دائروں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ مفہوم یہ ہوا کہ انسان چار شعوروں اور چھ دائروں میں تقسیم ہے۔ کوئی انسان جب کائنات میں اپنی حقیقت کو سمجھنا چاہے گا اس کیلئے لازم ہے وہ صعود اور نزول کے چھ دائروں سے واقف ہو۔ نزول اور صعود کے چھ دائروں سے واقف ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ جانتا ہو کہ انسان کی تخلیق چار شعوروں پر قائم ہے جس طرح ایک انسان کی تخلیق چار شعوروں سے مرکب ہے اسی طرح ساری کائنات کی تخلیق چار شعوروں پر قائم ہے۔

تین لاشعوروں سے گزر کر جب آدمی چوتھے شعور میں داخل ہوتا ہے اس حالت کو "رویت" کہا جاتا ہے۔ یہی وہ حالت ہے جس سے عام انسان متعارف ہے۔ "رویت" کا شعور باقی تین لاشعوروں کا مجموعہ ہے۔ ہم اول ورائے کائناتی شعور سے' جو غیر متغیر ہے' اپنی حیات کی ابتداء کرتے ہیں۔ یہ ورائے کائناتی شعور دراصل صفات الٰہیہ میں طوفانی کیفیت ہے۔ صفات الٰہیہ میں ایک فوارہ پھوٹتا ہے اور یہی فوارہ نزول کر کے تیسرے قدم پر فرد بن جاتا ہے۔ پہلے قدم پر فوارہ کا ہیولیٰ کائنات کی شکل میں ہوتا ہے یعنی پہلے قدم پر ساری کائنات ایک نقطے میں نظر آتی ہے۔ دوسرے قدم پر وہ کسی ایک نوع کا ہیولیٰ بنتا ہے۔ تیسرے قدم پر وہ فرد بن کر رونما ہو جاتا ہے۔

فرد کے اندر جو صفات و کیفیات اور لاشمار رنگ ہیں ان رنگوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو رنگوں کا فوارہ ابلتا ہے۔ یہی فوارہ ہمیں احساس سے روشناس کرتا ہے لیکن چونکہ یہ فوارہ لاشمار رنگوں کی ترتیب سے نکلتا ہے' اس لئے فوارے کے اندر ابلنے والے رنگوں میں ترتیب قائم رکھنا یا رنگوں کو صحیح احساس کے ساتھ محسوس کرنا تقریباً محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جب شعور چہارم کے حواس میں زندگی بسر کرتے ہیں تو ہم سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ ان رنگوں سے ابلنے والے فوارے کو محسوس کرنے کے لئے چونکہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے جو کچھ

www.islamiurdubook.blogspot.com

دیکھتے ہیں اسے مفروضہ حواس کی دنیا کہا جاتا ہے۔ چونکہ شعور چہارم مفروضہ اور قیاس پر مبنی ہوتا ہے اس لئے روحانی علوم میں شعور چہارم پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ شعور چہارم میں جو کچھ نظر آتا ہے اسے روحانی لوگ مفروضہ قرار دیتے ہیں۔

روحانیت میں اعتماد کا سب سے اہم ذریعہ "شعور اول" ہے کیونکہ شعور اول میں مشیت الٰہی کا انکشاف ہوتا ہے اور مشیت الٰہی کے انکشاف میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ مشیت الٰہی جس شعور میں بے نقاب ہوتی ہے اس شعور کو "حقیقت الحقائق" کہا جاتا ہے۔

اسی شعور کو "حقیقت محمدیہ" بھی کہتے ہیں۔ قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جتنے انبیاء تشریف لائے ان سب نے دو شعوروں سے متعارف کرایا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات شعور دوئم سے شروع ہوئیں اور شعور سوئم تک ان تعلیمات کا پھیلاؤ رہا۔

شعور اول سے سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی صف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام متعارف ہوئے۔ اس ہی کے باعث قرآنی متصوفین (وہ حضرات جو قرآن کے علوم کے عارف ہیں) اس کو "حقیقت محمدیہ" کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں شعور اول کو علم القلم کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے۔

لیکچر ۳۲

ایٹم کی تھیوری

آدمی علم دو طرح سیکھتا ہے۔ اکتسابی طریقہ پر اور روحانی طرزوں پر۔ اکتسابی علوم کی بھی بہت سی قسمیں ہیں اس علم کو سیکھنے کے لئے اس کے مروجہ حروف کی ترتیب اور ان کے گراف سے واقفیت ضروری ہے۔ جیسے جیسے علوم میں اضافہ ہوتا ہے اسی مناسبت سے آدمی کا شعور طاقت ور ہوتا رہتا ہے اور شعوری سکت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ دنیا میں رائج علوم پر زیادہ سے زیادہ تبصرہ کر سکتا ہے۔ جیسے جیسے شعور کی سکت بڑھتی ہے اس کے اوپر انکشاف ہوتا ہے کہ شعور کے علاوہ بھی کوئی شعور ہے جہاں سے یہ علم منتقل ہو رہا ہے ماہر نفسیات اس کو لاشعور کہتے ہیں۔

شعور سے ہٹ کر ایک شعور ہے ایسا شعور جو عامۃ الناس کے شعور سے ماوراء ہے۔ اس شعور اور لاشعور میں وہ تمام علوم آتے ہیں جن علوم کے اوپر تخلیقی عوامل کام کرتے ہیں۔ تخلیقی عوامل سے مراد ایجادات ہیں۔ یوں سمجھئے کہ آج کا سائنس دان انسان کے اندر موجود دوسرے شعور (لاشعور) سے واقف ہو گیا ہے۔ جب اس نے لاشعور کے اندر رہتے ہوئے کسی شے کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش کی تو نتیجے میں ایجادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ علم حصولی کی ضمن میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اب دنیاوی علوم سے ہٹ کر آسمانی علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

تاریخی شواہد ہمیں بتاتے ہیں کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے ہیں

www.islamiurdubook.blogspot.com

جنہوں نے اکتسابی علم نہیں سیکھا کوئی استاد نہیں بنایا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے ذریعہ نوع انسانی کو ایسے علوم منتقل ہوئے جن کے ذریعہ انسانی شعور میں ارتقاء ہوا۔ قرآن پاک میں ایک برگزیدہ ہستی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کی نشاندہی کی ہے جس علم کی دوسرے پیغمبروں نے نشاندہی نہیں کی۔

جب ہم شعور کے بعد دوسرا شعور یعنی لاشعور کا تذکرہ کرتے ہیں اور پھر اس (لاشعور) کی گہرائی میں تفکر کرتے ہیں تو ریڈیو ٹی وی ایٹم اور خلائی تسخیر کے فارمولے ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ یہ ترقی اور یہ ایجادات دوسرے شعور کی کارفرمائی ہے جس شعور کو سائنس دان لاشعور کہتے ہیں۔ اس ترقی میں اور ایجادات میں ایک بات غور طلب ہے وہ یہ کہ کوئی بھی ایجاد دنیا میں موجود وسائل سے باہر نہیں ہے وسائل ہیں تو ایجادات ہیں وسائل اگر نہیں ہیں تو ایجاد نہیں ہوگی۔ ہر ترقی وسائل کی محتاج ہے۔ چاہے وہ ایٹم بم ہو ہوائی جہاز ہو یا کوئی اور ایجاد ہو۔

ہم تیسرے شعور میں غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے انبیاء کی ذات آتی ہے۔ ان سے خرق عادات میں وسائل زیر بحث نہیں آتے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کو قرآن پاک نے جس طرح متعارف کرایا ہے وہ اندھوں کو آنکھوں والا کردیتے تھے گنجوں کے سر پر بال آجاتے تھے اور ہاتھ پھیرنے سے کوڑھ ختم ہوجاتا تھا۔

انبیاء کے بارے میں مراتب کا تعین کیا جاتا ہے کہ فلاں نبی کا مقام فلاں آسمان ہے۔ دراصل یہ تیسرے لاشعور کے مراتب کا تذکرہ ہے۔ آسمانی حدوں میں پہلا آسمان دوسرا آسمان تیسرا آسمان چوتھا آسمان پانچواں آسمان چھٹا آسمان اور ساتواں آسمان کسی فاصلے یا سمت کا تعین نہیں ہے' یہ لاشعوری بیدار صلاحیتوں کا تذکرہ ہے یعنی کسی نبی کے اندر تیسرا لاشعور کس حد تک متحرک ہے۔ اسی مناسبت سے نبیؑ کے مقام کا تعین ہے۔ آدمؑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا مقام پہلا

آسمان ہے۔ کسی نبی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا مقام تیسرا آسمان ہے۔

مختصر یہ کہ کسی نبی کا مقام دراصل لاشعوری مراتب کا تعین ہے۔ جب ہم اجرام سماوی (ستاروں) کو آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں تو ہمارے شعور اور لاشعور کی حدیں متصل ہوتی ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ ہمارا شعور دوسرے لاشعور سے متاثر ہوجاتا ہے۔ آسمانوں پر ستاروں کو دیکھنا چاندنی کی ٹھنڈک کو محسوس کرنا سورج کی تپش سے متاثر ہونا اس بات کی نشاندہی ہے کہ ہمارے شعور میں اتنی سکت ہے کہ وہ لاشعور میں داخل ہوجاتا ہے۔ جب شعور لاشعور میں داخل ہوسکتا ہے تو لاشعور کے اندر تمام چیزوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وسائل کی گہرائی میں اتر کر شے کی کنہ تک پہنچ سکتا ہے ایٹم کی تلاش میں یہی قانون کارفرما ہے۔

ہم جب آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں تو ہمیں آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجرام سماوی کا ہیولا ہمارے لاشعور کو چھو دیتا ہے لیکن سیارہ کیا ہے ستارہ کیا ہے اور ان سیاروں کروں کے تفصیلی اجزاء کیا ہیں ستاروں کے اندرونی و بیرونی آثار و احوال کس طرح واقع ہیں۔ یہ بات شعور سے مخفی ہوتی ہے اور لاشعور پر واضح ہوتی ہے۔

اس فارمولے کے مقابل جب کسی نبی یا ولی کے شعور کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ولی کے اندر نبی کا لاشعور منتقل ہوجاتا ہے اور جب کسی ولی کے اندر نبی کا لاشعور منتقل ہوکر اس کے شعور کو اطلاعات فراہم کرتا ہے تو ولی کے حواس اجرام سماوی کی اندرونی و بیرونی احوال کو پوری طرح دیکھتے جانتے سنتے اور چھوتے ہیں۔ اجرام سماوی کے تمام احوال کرہ ارضی کے احوال کی طرح قریب ہوجاتے ہیں۔ جس طرح ایک عام بندہ زمین کے کرہ پر بیٹھ کر کھلی آنکھوں سے اردگرد کی چیزوں کو دیکھتا ہے چیزوں کے اندرونی احوال سے واقف ہوتا ہے اسی طرح جب ولی میں انبیاءؑ کا علم (شعور) منتقل ہوجاتا ہے تو وہ زمین پر بیٹھ کر سیاروں

www.islamiurdubook.blogspot.com

اور اجرام کے احوال (وہ بیرونی ہوں یا اندرونی ہوں) اس کی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں جس طرح شعور کی توانائی اور تربیت کے مدراج مختلف ہیں اسی طرح لاشعور کی تربیت و توانائی (لاشعور کی حدود میں داخل ہونے) کی طرزیں مختلف ہیں۔

عام مشاہدہ ہے کہ ایک عام آدمی کی نسبت زیادہ مرتب شعور رکھنے والا انسان کرہ ارضی کے حالات سے زیادہ باخبر ہوتا ہے۔ ان پر بہتر طور سے تبصرہ کرسکتا ہے لیکن ناقص شعور رکھنے والا انسان کرہ ارضی کے مسائل کو جاننے سے قاصر ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک ساٹھ سالہ کسان ہے (جس نے اپنی زندگی ایک محدود رقبے میں گزاری) کی علمی صلاحیتیں کھیتی باڑی سے آگے نہیں بڑھتیں اس کی عمر ساٹھ سال ہے وہ دادا' نانا' چچا تایا برادری کا بزرگ بھی ہے' اس نے شعوری زندگی میں ساٹھ سالہ زندگی کے نشیب و فراز بھی دیکھے ہیں بے شمار تجربات کئے ہیں لیکن چونکہ اس کا علم ایٹم کے بارے میں ناقص ہے اگر اس ساٹھ سالہ بوڑھے کے سامنے ایٹم کی تھیوری کے بارے میں کچھ پوچھا جائے تو وہ کچھ نہیں بتا سکے گا۔ اس کے برعکس پڑھے لکھے آدمی کے سامنے جس نے اکتسابی علوم حاصل کرکے اپنے شعور کو توانا کرلیا ہے اس کے سامنے ایٹم کی تھیوری بیان کی جائے تو اسے ایٹم کی تھیوری سمجھنے میں کوئی دقت اور پریشانی نہیں ہوگی۔

انسان اور خصوصاً" روحانی انسان چار شعوروں سے واقفیت رکھتا ہے۔
ایک شعور وہ ہے جس کو ہم خارجی دنیا کہتے ہیں یعنی جس شعور سے ہم خارج کو دیکھتے' خارج کو سمجھتے اور خارجی احساسات سے متاثر ہوکر زندگی گزارتے ہیں۔ یہ ایسا شعور ہے جس سے نوع انسانی کا ہر فرد کم و بیش واقف ہے۔ اس کو پہلا شعور کہا جاتا ہے۔ جب ہم دوسرے شعور یعنی لاشعور کا تذکرہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں شعور کو جس جگہ سے اطلاعات فراہم ہوتی ہیں' شعور ان اطلاعات میں معانی پہنا

کر Image بناتا ہے جہاں سے اطلاعات آرہی ہیں وہ لاشعور ہے۔ اس لاشعور سے عامتہ الناس واقف نہیں ہیں۔ البتہ وہ لوگ جو فکر کرتے ہیں اور تحقیق و تلاش کے میدان میں سرگرداں رہتے ہیں واقف ہوجاتے ہیں۔ لاشعور سے نئے نئے علوم سامنے آتے ہیں۔ اختراعات و ایجادات کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ یہی شعور ہے جس کے ذریعے سائنسی ترقی ہم تک پہنچی ان دو شعوروں کے علاوہ دو شعور اور ہیں۔

تیسرا شعور اور چوتھا شعور ان لوگوں کے اندر متحرک ہوتا ہے جن حضرت کو ہم نبی یا ولی کے نام سے جانتے ہیں۔

قانون یہ ہے کہ جب کائنات میں پھیلی ہوئی روشنی کے اندر کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو چاروں شعوروں میں ہوتی ہے۔ کائنات میں پھیلی ہوئی یہی روشنی کائنات اور کائنات کے افرد کے درمیان پہچان کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ روشنی کائنات یا افراد کائنات کے درمیان سے نکال دی جائے تو ایک شعور اور تین لاشعور کی حیثیت صفر کے برابر ہوجائے گی اور اگر تینوں لاشعوروں میں تبدیلی واقع ہوجائے تو شعوری خدوخال بھی تبدیل ہوجائیں گے۔

شعور میں تبدیلی یا روشنیوں میں ردوبدل کا تعلق روشنی کے مختلف زاویوں سے ہے۔ روشنی نسمہ ہے۔ نسمہ ایسے تانے بانے کا نام ہے یا ایسی روشنی کی لکیروں کا نام ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست بھی نہیں ہیں اور ایک دوسرے سے فاصلے پر بھی نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ روشن لکیریں اپنے زاویئے بدلتی رہتی ہیں۔

خیال کہاں سے آتا ہے؟

مختلف زاویوں اور نئی نئی مثالوں سے آپ حضرات و خواتین کے گوش گزار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق چار شعوروں (ایک شعور اور تین

لاشعوروں) سے کی ہے۔ ہم جب اوپر سے نیچے کی طرف کائنات کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہیں تو چوتھے لاشعور سے ہماری مراد شعور اول ہے۔

اسمائے الٰہیہ جب اپنے آپ کو اللہ کی صفت میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو ان کے اندر حرکت پیدا ہوجاتی ہے اور ان کے اندر احکام کا رنگ غالب ہوجاتا ہے۔ احکام کا رنگ غالب ہونا تصوف میں "بداعت" ہے جب بداعت اول شعور سے دوئم شعور میں منتقل ہوتی ہے تو امر الٰہیہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

کائنات اللہ کی صفات پر قائم ہے۔ صفات اللہ کے احکام کے ذریعے مظہر بنتی ہیں یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ صفات کے اندر جب حرکت پیدا ہوتی ہے تو خدوخال اور شکل و صورتیں رونما ہوتی ہیں۔ یہ خدوخال اور صورتیں تین مراحل سے گزر کر مادی شکل و صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ کائنات کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ نے جس طرح کائنات کو بنایا، کائنات بحیثیت مجموعی ایک جگہ پر قائم ہے۔ کائنات بحیثیت مجموعی اس طرح موجود ہے کہ کائنات میں موجود ہر ذرہ موجود بھی ہے اور ہر ذرہ دوسرے ذرے میں پیوست بھی ہے۔ مثلاً جب ہم کائنات کی اجتماعی حیثیت کو دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ایک شکل و صورت کے اندر پوری کائنات جلوہ گر ہے۔ نباتات، جمادات، حیوانات، اجرام سماوی سب ایک دوسرے کے اندر گڈ مڈ ہیں۔

کائنات ایک ایسا عالم ہے جہاں ہر نوع دوسری نوع کے اندر نظر آتی ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ کائنات ایک علم ہے۔ علم اگر نہیں ہے تو کائنات نہیں ہے۔ علم اللہ کی صفات (اسمائے الٰہیہ) ہیں۔

شعور اول۔ نور مفرد شعور دوم نور مرکب شعور سوئم نسمہ مفرد اور شعور چہارم نسمہ مرکب ہے۔ نور مفرد کی تخلیق ملائے اعلیٰ اور نور مرکب کی تخلیق ملائکہ نسمہ مفرد کی تخلیق جنات اور نسمہ مرکب کی تخلیق عنصری مخلوق۔ عنصری

مخلوق میں ہمارے زمین کا کرہ بھی شامل ہے۔

۱۔ شعور اول .... نور مفرد
۲۔ شعور دوئم .... نور مرکب
۳۔ شعور سوئم .... نسمہ مفرد
۴۔ شعور چہارم .... نسمہ مرکب

۱۔ نور مفرد .... ملائے اعلیٰ
۲۔ نور مرکب .... ملائکہ
۳۔ نسمہ مفرد .... جنات
۴۔ نسمہ مرکب .... انسان، حیوان، نباتات، جمادات۔

زندگی خیالات کی رو کا دوسرا نام ہے۔ اگر خیالات کا سلسلہ منقطع ہوجائے تو تمام تقاضے تمام حواس ختم ہوجائیں گے۔ زمین کی حرکت کوئی کام اور کوئی تقاضا ایسا نہیں ہے جو خیالات کے دائرہ سے باہر ہو۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کام سے متعلق خیال آتا ہے۔ جب تک خیال نہ آئے اور گہرائی پیدا نہ ہو تو کوئی چیز مظہر نہیں بنتی۔ خیال سے پہلے ایک کیفیت ایسی ہوتی ہے جس کا دباؤ ذہن پر پڑتا ہے اور اسی خیالی کیفیت کی بنیاد پر آدمی خیال میں معانی پہناتا ہے۔ لیکن خیال سے پہلے ایک اور کیفیت ہوتی ہے جس کا دباؤ ذہن پر نہیں پڑتا۔ لیکن ذہن کے اوپر ہلکی شبیہہ ضرور بن جاتی ہے۔ خیال کی اس لطیف کیفیت کو "واہمہ" کہتے ہیں۔ خیال کی یہ لطیف کیفیت جب گہرائی اختیار کرتی ہے تو واہمے سے گزر کر خیال بن جاتی ہے۔

یہ بات سمجھ لی گئی ہے کہ خیال سے زندگی میں تقاضے بنتے ہیں۔ لیکن یہ بات ابھی غور طلب ہے کہ خیال کہاں سے آتا ہے؟

لوح محفوظ پر نقوش، نزول کرنے کے بعد روشنی کی لہروں میں منتقل ہوتے

ہیں تو یہ روشنی ذہن سے ٹکرا کر بکھر جاتی ہے۔ لہروں اور لکیروں کا نزول ذہن انسانی پر نہ ٹکرائے تو انسان واہمہ اور خیال سے واقف نہیں ہوتا اور جب تک واہمہ اور خیال سے واقفیت نہ ہو' تقاضے پیدا نہیں ہوتے۔ ہم شب و روز خیالات میں گھرے رہتے ہیں۔ کچھ خیالات ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم زندگی سے وابستہ سمجھتے ہیں اور بے شمار خیالات ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم اہمیت نہیں دیتے اور نظرانداز کردیتے ہیں۔

قانون یہ ہے کہ کوئی بھی خیال ذہن پر وارد ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس خیال کا تعلق کائنات کے کسی نہ کسی شعبے سے ضرور ہے۔ خیال کا آنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ خیال کہیں سے آیا۔ یہ خیال ذہن انسانی پر ٹکرایا تو ذہن میں حرکت پیدا ہوئی۔ ایسی حرکت' جس حرکت کے بارے میں ہم کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرسکتے۔ لیکن بہرحال ذہن کے پردوں میں حرکت واقع ہوتی ہے۔ چونکہ ہم اس حرکت کو محسوس نہیں کرتے یا حرکت میں معانی نہیں پہنا سکتے' اس لئے ہم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن اس حرکت کا تعلق کائنات کے ان تاروں یا لہروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب و تدوین کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہے۔ ہم اس بات سے آشنا ہیں کہ ہوا چلتی رہتی ہے ہوا کی تیزی' کمی' خنکی یا گرمی سے بھی ہم متعارف ہیں۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے ہوا معمول کے برعکس چل کر تیز جھونکوں میں منتقل ہوجاتی ہے۔ یہ عمل یعنی تیز جھونکوں میں منتقل ہونا چونکہ روٹین کی حرکت کے خلاف ہے' لازماً" یہ سوچنا پڑے گا کہ جس نظام میں ہوا بنتی ہے یا جس نظام سے ہوا چل کر زمین میں پھیلتی ہے اس نظام میں تغیر واقع ہوا ہے اسی طرح جب انسان کے ذہن میں کوئی حرکت واقع ہوتی ہے یا کوئی خیال وارد ہوتا ہے تو اس کے معانی یہ ہیں کہ انسان کے لاشعور میں حرکت واقع ہوئی ہے۔ کہاں حرکت واقع ہوئی ہے اس حرکت کا کس نظام سے

تعلق ہے یہ انسان کی خود اپنی تلاش پر منحصر ہے۔ آدمی جس قدر گہرائی میں تفکر کرنے کے بعد اپنے لاشعور سے واقفیت حاصل کرلیتا ہے اسی مناسبت سے اس کی تلاش آسان ہوجاتی ہے۔

عالمین میں کوئی شے دو رخ کے بغیر موجود نہیں ہے۔ مرئی اشیاء میں ہمیں خدوخال نظر آتے ہیں لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کسی ہستی نے اس کو سنبھالا ہوا ہے۔ ایک رخ غالب دوسرا رخ مخفی ہے۔ دونوں مل کر زندگی بنتے ہیں اور زندگی ہی احساس ہے۔ احساس یا حس کے بھی دو مراتب ہیں۔ ایک شے سامنے ہے اور دوسری شے جو مشاہدہ کرنے والی ہے' مخفی ہے۔ ایک رخ وہاں ہے جہاں مشاہدہ کرنے والی قوت موجود ہے۔ یہ قوت کسی چیز کو دیکھتی اور محسوس کرتی ہے دوسرا رخ وہاں ہے جہاں مشاہدہ کرنے والی قوت کی نگاہ پڑتی ہے جب تک حس کے دونوں رخ یکجا نہ ہوں اس وقت تک ہم کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ کوئی موجود ہمارے سامنے ہے لیکن اس موجود کو سنبھالنے والا ہمارے سامنے نہیں ہے۔ مادی چیز (مرئی شے) گوشت پوست کی آنکھ سے نظر آتی ہے اور غیر مرئی چیز گوشت پوست کی آنکھ سے نظر نہیں آتی۔ لیکن روحانی آنکھ اسے دیکھتی ہے۔

جب ہم سیاہ تختے کو دیکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں ہماری آنکھوں کے سامنے تختہ ہے لیکن جب ہم سیاہ رنگ پر تفکر کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ رنگ الگ ہے اور تختہ الگ ہے یعنی ہم رنگ اور تختے کے ملاپ کو تختہ سیاہ کہتے ہیں۔

حواس کی تقسیم

فرشتے، جنات، انسان، اجرام فلکی، کہکشانی نظام اور دوسری تمام نوعوں کی ابتداء اور انتہا شعور کے ردوبدل پر قائم ہے۔ ہم ابتداء کو پیدائش کا مرحلہ کہتے ہیں تو انتہا کو موت کا مرحلہ کہیں گے۔ لیکن جب موت کے مرحلے پر تفکر کرتے ہیں تو موت کا مرحلہ بھی حیات کا ایک قدم ہے ایسی حیات کا قدم جس قدم کے بعد دوسرا قدم بھی حیات ہے۔ کائنات جن حواس اور جن شعوروں میں حیات کے مراحل طے کر رہی ہے وہ مختلف کیفیات ہیں۔ یعنی مختلف کیفیات کے ردوبدل کا نام کائنات ہے۔

ہم شعوری اعتبار سے اتنے کمزور ہیں کہ کسی چیز کو سمجھنا چاہتے ہیں تو محدودیت ہمارے اوپر مسلط ہوجاتی ہے۔ اگر ہم نظر کے سامنے بہت باریک کاغذ رکھ دیں تو شعور کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح جب ہم اس محدود کیفیت سے نکل کر لامحدود کیفیت میں داخل ہوتے ہیں تو شعور میں توانائی داخل ہوجاتی ہے۔
ہم بیان کرچکے ہیں کہ فرد کا شعور، نوع کا شعور، کائنات کا شعور اور ماورائے کائنات کا شعور ہی زندگی کے مراحل کا تعین کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شعور ایک ہی ہے اور یہ ایک ہی شعور کائنات کی ہر شے میں الگ الگ دور کر رہا ہے جیسے جیسے شعور میں حرکت ہو رہی ہے اسی مناسبت سے شعور میں درجہ بندی ہو رہی ہے۔

اللہ کی تمام صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اللہ کی صفات

لامتناہی ہیں۔ البتہ اللہ کی ان صفات کا علم ہمیں حاصل ہے جن صفات کو اللہ نے علم الٰہیہ کہا ہے۔ یہ صفات وہ لمحہ ہیں جس لمحہ کے اندر اللہ کا ارادہ جاری ہے۔ اس بات کو مختصر الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کا ارادہ ہی زمان مسلسل ہے یعنی اللہ کا ارادہ زماں ہے اللہ کے ارادے کے تحت اللہ کے ارادے میں خدوخال بننا مکانیت ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات کی روشنی میں اس ذات کو سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہئے جس ذات کے امر سے کائنات وجود میں آئی ہے۔ جب تک ذات مطلق کو نہیں سمجھا جائے گا، ذات مطلق کے امر یا حکم کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس بات پر معترض ہیں کہ امر کو سمجھنا یا ذات مطلق کے ارادے کو سمجھنا کس طرح ممکن ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

کوئی آنکھ اللہ کا ادراک نہیں کرسکتی۔ اللہ آنکھ کا ادراک بن جاتا ہے۔
جب تک انسان اپنی کُنہ سے واقف نہیں ہوتا اس کا ذہن ذات مطلق کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جب انسان خود سے واقف ہوجاتا ہے تو اپنے اندر اللہ کے امر سے واقف ہوجاتا ہے۔ جب تک انسان امر کو نہیں جانتا اپنی ذات سے واقف نہیں ہوتا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر روشنی دیکھ کر سوال کیا۔

کون؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

میں ہوں تیرا رب۔ حضرت موسیٰؑ کی ذات گرامی اللہ کا امر ہے اور خود اللہ ذات مطلق۔ یعنی حضرت موسیٰؑ نے جو روشنی دیکھی وہ روشنی امر رب (ذات مطلق) تھی۔ اس واقعے سے ذات مطلق اور امر کی حدود کا تعین ہوجاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ اللہ کا امر ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے امر کو روشنی میں مشاہدہ کرنے کے باوجود یہ سوال کیا کہ کون! یعنی امر نے اس بات کی احتیاج محسوس کی کہ وہ ذات مطلق کو پہچانے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روشنی دیکھ کر یہ نہیں جان لیا کہ یہ میرا رب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو اس بات کی احتیاج ہوئی کہ روشنی امر سے اپنا تعارف کرائے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

بعض لوگوں نے اپنے پیرایہ بیان میں ذات مطلق کو حقیقت مطلقہ کہا ہے اور امر کو کائنات کہا ہے۔ یہ پیرایہ بیان حکمائے ربانی کا ہے۔ حکمائے ربانی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے اندر تفکر اور تلاش ہے اور جو لوگ اپنے شعور کی سطح سے نکل کر لاشعور میں داخل ہونے کے بعد کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ حکمائے ربانی کے زمرے میں شامل ہیں۔ حکمائے ربانی کے برعکس انبیاء کرام کی الگ طرز فکر ہے۔ حکماء اور انبیاء میں بہت بڑا فرق ہے۔

انبیاء علم حضوری سے حقیقت مطلقہ کو تلاش کرتے ہیں اور حکمائے ربانی مظاہر سے کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ یہ عمل قانون فطرت کے مطابق نہیں ہے۔

انبیاء باطن سے ظاہر کو تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ حکماء اور دانشور ظاہر سے باطن کو تلاش کرتے ہیں۔ دونوں طرزیں اپنی جگہ صحیح ہیں اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری علماء چونکہ باطن سے بے خبر ہیں اس لئے وہ ظاہر کو سامنے رکھ کر ظاہر کی کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ان کے اوپر مخفی چیزوں کا انکشاف نہیں ہوتا ہے تو وہ مخفی چیزوں کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ اس طرز فکر سے کائنات کی ساخت میں بہت سارے حقائق سامنے نہیں آتے جب کہ انبیاء کی تلاش اس نقص سے پاک ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے پہلے اس

ہستی کا ادراک کرلیتے ہیں جس ہستی نے کائنات کو تخلیق کیا ہے۔

جب ہم حواس میں تفکر کرتے ہیں تو ایک ہی نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ ایک ذات ہے اس ذات کے حکم سے حواس وجود میں آئے۔ خدوخال کے ساتھ موجودات کا مظاہرہ منقسم حواس ہیں یعنی امر مطلق منقسم حواس ہیں۔ منقسم حواس ہی خود کو ازل سے ابد تک کا روپ دے کر کائنات کی شکل و صورت میں پیش کرتے ہیں۔ اللہ نے جب حکم دیا تو کائنات وجود میں آگئی۔ یعنی اللہ کے امر نے کائناتی خدوخال اختیار کر کے خود کا مظاہرہ کردیا اور یہ مظاہرہ ہی منقسم حواس ہیں۔ منقسم حواس میں شکل و صورت کا ہونا ضروری ہے۔

شکل و صورت کی دو طرزیں ہیں۔ ایک طرز مادی ہے دوسری طرز نورانی ہے مادی شکل و صورت سے روح کا سراغ نہیں ملتا۔ اس لئے کہ مادہ کثیف ہے اور روح انتہائی درجے لطیف ہے۔ روح ہے تو مادہ ہے' روح نہیں ہے تو مادہ نہیں ہے۔ مشاہداتی دنیا پر ہر لمحہ فنا ہے اور روح کے اوپر فنا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مادی شکل و صورت سے روح کی تلاش ممکن نہیں لیکن روح سے مادی شکل و صورت کی کُنہ تک پہنچ جانا یقینی امر ہے۔ نفس سے مراد وہ روح ہے جس روح کے اوپر مادیت کا قیام ہے۔ جب تک روح مادیت کو سنبھالے رہتی ہے مادیت قائم رہتی ہے اور جب روح مادی وجود سے دستبردار ہوجاتی ہے تو مادیت فنا ہوجاتی ہے۔ اس تشریح سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوجاتی ہے جو مادیت کو اولیت دیتے ہیں۔

جب ہم مظاہر کو مادیت کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مظاہر کو ہی حیات کہتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مظاہراتی خدوخال ہر لمحے فنا ہو رہے ہیں جب ہم مظاہر کو اولیت دیتے ہیں اور مظاہر کو وسعت حیات قرار دیتے ہیں تو ماضی کا انکار کرتے ہیں۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ساری کائنات ماضی کے علاوہ کچھ

نہیں ہے۔ آج کا بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرتا کہ اس کی پیدائش ماضی میں چلی جاتی ہے۔ کائنات میں حال، مستقبل کا کوئی درجہ نہیں ہے اس لئے بچہ جس آن پیدا ہوتا ہے دوسرے لمحے اس کی زندگی ماضی بن جاتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

"جو کچھ ہونے والا ہے قلم لکھ کر خشک ہوگیا۔"

اس حدیث سے ماضی کے علاوہ زمانے کا کوئی اور اسلوب معلوم نہیں ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ حال اور مستقبل دونوں ماضی کے اجزاء ہیں۔

عالم فطرت

کائنات ماضی میں ہونے والے ظہورات کا عکس ہے۔ ماضی کی حرکات کو سمجھنے کے لئے ہمیں منقسم اور غیر منقسم حواس میں تفکر کرنا چاہئے۔ شکل و صورت منقسم حواس ہیں اور تمثل غیر منقسم حواس ہیں۔ منقسم حواس سے غیر منقسم کو پا جانا ممکن نہیں۔ لیکن غیر منقسم حواس سے منقسم حواس کا علم حاصل ہوجاتا ہے۔ دنیاوی علوم کو اگر ہم اولیت دیتے ہیں اور مظاہر کو وسعت حیات قرار دیتے ہیں تو اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہم ماضی اور مستقبل دونوں کا انکار کر رہے ہیں۔ جب کہ ماضی اور مستقبل کے ساتھ ساتھ حال کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

ماضی میں جو کچھ ہوچکا ہے وہی حال اور مستقبل میں ڈسپلے ہورہا ہے۔ خدا کا امر یہ ہے۔ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے، کہتا ہے "ہوجا" اور وہ ہوجاتی ہے۔ یعنی اللہ کے ذہن میں کائناتی پروگرام جس ترتیب کے ساتھ تھا اللہ نے "کُن" کہا اور پروگرام وجود میں آگیا۔ اللہ کا ارادہ لامتناہی نور ہے۔ لامتناہی نور سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ارادے میں کائنات موجود ہے کائنات کی

ماہیت اور کائنات کے اندر نوعیں اور نوعی افراد پر اللہ کی حکمرانی قائم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں جس چیز کو حکم دیتا ہوں ہونے کا وہ ہوجاتی ہے۔

اس بات کی تشریح یہ ہے کہ امرالٰہی کے تین حصے ہیں۔

۱۔ ارادہ۔

۲۔ جو کچھ ارادے میں ہے یعنی شے۔

۳۔ ارادے میں جو شے ہے اس کا ظہور۔

ارادے کے اندر شے کا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو اللہ چاہتے ہیں وہ پہلے سے ان کے علم میں موجود ہے۔ چونکہ امرالٰہی کے متحرک ہونے سے پہلے کائنات کی اشیاء اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود ہیں اور "کُن" کے بعد انہی اشیاء کا ظہور ہوا ہے۔ اس لئے جو کچھ موجود ہے سب ماضی ہے۔

ماضی کیا ہے؟ اور اس کی مقداریں کیا ہیں؟

ہمارے پاس ان مقداروں کو سمجھنے کی بہت سی طرزیں ہیں۔ ایک طرز یہ ہے کہ سائنس دان روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ بتاتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ایک سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل کے برابر ہے تو ہمیں مجبوراً ماننا پڑے گا کہ کائنات کے ایک لمحہ کی رفتار روشنی کی رفتار ہے۔

زمان متواتر کا ادراک دراصل حواس کی تقسیم ہے۔ کائنات کے اندر جو کچھ ہے ہم اس کو زمان متواتر کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ کائنات لمحات میں بند ہے۔ ایک لمحہ ہو یا دوسرا لمحہ ہو دونوں لمحات اس بات کے پابند ہیں کہ وہ لمحے کے اندر موجود رہیں۔

کائنات میں کسی بھی وقت ٹھہراؤ نہیں ہے۔ کائنات کا ہر لمحہ متحرک ہے۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

یعنی کائنات کا لمحہ ایک تغیر ہے۔ دوسرا لمحہ دوسرا تغیر ہے۔ تیسرا لمحہ تیسرا تغیر ہے اور چوتھا لمحہ چوتھا تغیر ہے۔ چونکہ کائنات ہر لمحہ تغیر پذیر ہے اس لئے ہر لمحہ الگ الگ ہے اور ہر لمحہ کے افعال و حوادث الگ الگ ہیں۔ جب ہر لمحہ کے حوادث و افعال الگ الگ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر لمحہ کے درمیان فاصلہ ہے۔ ہر لمحہ کے بعد فاصلہ زمانے کی جداگانہ وحدتیں ہیں۔

زمان متواتر معلوم واردات اور زمان غیر متواتر نامعلوم واردات ہے۔ زمان متواتر کی وحدتیں ایسی واردات کا مجموعہ ہیں جن سے شعور واقف ہے زمان غیر متواتر کی وحدتیں ایسی واردات کا مجموعہ ہے جن سے شعور واقف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونکی۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں نے آدم کو علم الاشیاء عطا کیا۔

اللہ نے آدم کو خلاء سے بنایا۔ اس خلاء میں اللہ نے روح پھونکی روح پھونکنے کے بعد آدم کو علم شے عطا کیا۔

آدم دو ایجنسیوں سے مرکب ہے۔ ایک روح دوسرا علم شے۔

علم اشیاء حاصل ہونے کے بعد اشیاء کا علم حاصل ہوا۔

علم اشیاء عالم فطرت ہے۔ عالم فطرت' عالم شہادت (زمان متواتر) ہے۔ روح کے بالمقابل زمان غیر متواتر عالم غیب ہے۔

:Equation

روح الٰہی ...... علم اشیاء ...... عالم فطرت (زمان متواتر) = عالم شہادت

روح الٰہی ...... روح کے اندر علم اشیاء (تکوین کائنات) = آدم

روح + علم اشیاء = آدم

آدم خلاء ہے' خلا میں روح ہے۔ روح میں علم اشیاء ہے۔ علم اشیاء عالم فطرت ہے۔ عالم فطرت زمان متواتر ہے۔ زمان متواتر غیر زمان متواتر پر قائم ہے۔ زمان غیر متواتر عالم غیب ہے۔

غیب الغیب

زمان حقیقی' زمان متواتر اور زمان غیر متواتر تین زمانے ہیں۔ زمان متواتر وہ زمانہ ہے جس میں ہم عالم ناسوت کی زندگی گزار رہے ہیں اس زمانے میں حواس ہر آن ہر لمحہ تقسیم ہو رہے ہیں۔ نظر آنے والی کائنات کے تمام افعال و حوادث کو ہم زمان متواتر کے پیمانے سے ناپتے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایک لمحہ ایسا نہیں ہے جو قائم ہو۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ متغیر ہے۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ہم قدم اٹھانے کے بعد دوسرا قدم اٹھاتے ہیں تو پہلا قدم متغیر ہو جاتا ہے تب دوسرا قدم اٹھتا ہے تو تیسرا قدم متغیر ہو جاتا ہے۔ یعنی زندگی کا کوئی لمحہ اس وقت تک لمحہ نہیں ہے۔ جب تک اس میں تغیر نہ ہو۔ ہر لمحہ کی واردات اور زندگی کے حوادث جدا جدا ہیں اور ہر حادثہ (کیفیت) کے درمیان ایک فاصلہ ہے۔ ہم جب ایک قدم کے بعد دوسرا قدم اٹھاتے ہیں تو ایک قدم کا دوسرے قدم میں جانا ایک تغیر ہے اور ایک قدم کے بعد دوسرا قدم فاصلہ ہے۔

عالم غیب کو جاننے کے لئے روح کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ عالم غیب کا انشراح روح میں ہوتا ہے۔ روح سے مراد لاشعور ہے۔ اگر ہم عالم غیب کو جاننا چاہیں تو ضروری ہے کہ شعور کی دنیا سے نکل کر لاشعور کی دنیا میں داخل ہوں کیونکہ شعوری دنیا کے حواس میں غیب سے آشنا ہونا ممکن نہیں ہے۔ زمان غیر متواتر Non Serial Time ہے۔ زمان حقیقی عالم الٰہی ہے جس کو غیب الغیب کہتے ہیں۔ زمان غیر متواتر فرشتوں کی دنیا ہے جس کو اصطلاح میں غیب کہا گیا ہے۔ شعوری دنیا (زمان متواتر) سے نکل کر بندہ جب لاشعوری دنیا میں داخل ہو جاتا ہے

تو اس پر غیب منکشف ہوجاتا ہے اور فرشتوں کی دنیا سامنے آجاتی ہے۔ جس طرح آدمی شعوری دنیا میں رہ کر شعوری دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے اسی طرح سالک لاشعور میں داخل ہو کر فرشتوں کو دیکھتا ہے۔

شعور کے بالمقابل دو ایجنسیاں ہیں۔ ایک غیب الغیب اور دوسری غیب۔

عالم غیب کے لمحات سے ہمارا شعور ناواقف ہے لیکن روح آگاہ رہتی ہے۔

غیب الغیب زمان حقیقی ہے۔ اس لاتناہیت کے مقابل تناہیت ہے۔ ہر تناہیت کی ماہیت کو علم کہا جاتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جو لاتناہیت کے اندر تجسس کرتا ہے۔

علم ایک ایسی ہستی ہے جو افہام و تفہیم میں لگی رہتی ہے علم کی ہستی لاتناہیت کی روشنی معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ علم کی ہستی تلاش کرتے کرتے جس روشنی کو پالیتی ہے اس کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہے اور یہ روشنی مستقل نقش بن کر پیوست ہوجاتی ہے۔

اس بات کو پھر سمجھئے نوع جب فرد کی حیثیت میں ہوتی ہے تو زمان متواتر ہے۔ افراد کی ہستی (کنہ) زمان غیر متواتر ہے۔ ہر نوع یہ جانتی ہے کہ میں انسان ہوں فرشتہ ہوں جنات ہوں پہاڑ ہوں گھاس ہوں درخت ہوں۔ نوع کی موجودگی کا یہ علم "زمان حقیقی" سے منتقل ہوتا ہے۔ نوع جب اس علم کو دہراتی ہے تو کائنات کے افراد الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ زمین پر بکری کی نوع اس لئے موجود ہے کہ بکری خود کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے نوعی علم کو دہراتی رہتی ہے۔ علم کا دہرانا ہی نوعی افراد کی موجودگی کا ضامن ہے۔ نوع کا علمی اعتبار سے خود کو دہرانا ایک طرف تناہیت ہے۔ اور دوسری طرف لاتناہیت ہے۔

۱۔ (Timelessness or Real Time) (زمان حقیقی)

۲۔ (Non Serial Time) (زمان غیر متواتر)

۳۔ (Serial Time) (زمان متواتر)

زمان حقیقی = (ورائے لاشعور، علم حضوری، غیب الغیب، لاتناہیت، نور مطلق)

زمان غیر متواتر = (روحانی دنیا عالم غیب عالم تمثال نور مرکب)

زمان متواتر = (شعوری دنیا نسمہ مرکب عالم تخلیط عالم ناسوت عنصری مخلوق عالم فطرت عالم شہادت (منقسم حواس)

خدوخال کی عدم موجودگی ۔ محض احساس = زمان حقیقی

نوع اور نوع کے افراد سے آگاہی ۔ زمان غیر متواتر

اربوں کھربوں دنیائیں ۔ جو ٹائم کی گرفت میں ہیں (زمان متواتر)

زمان غیر متواتر

علم الاسماء

ہم جب قرآن میں تفکر کرتے ہیں تو ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ **انسانی** زندگی اور پوری کائنات کی زندگی عالم فطرت کے ساتھ قائم ہے۔ عالم فطرت زمان متواتر ہے اور عالم غیب زمان غیر متواتر ہے۔ زمان حقیقی میں لمحات غیر متغیر ہیں اور یہی غیر متغیر لمحات ازل سے ابد کو محیط ہیں۔ غیر متغیر لمحات کو علم کی ہستی بھی قرار دیا گیا ہے۔ علم کی ہستی سے مراد یہ ہے کہ علم کوئی ایسی شے نہیں ہے جس کی **حیثیت** صرف لفظ کی ہے بلکہ علم بحیثیت علم ایک ہستی ہے۔ علم کی ہستی کا قیام زمان غیر متواتر میں ہے۔ علم کی ہستی دوسری ہستیوں کی طرح ادراک بھی رکھتی ہے۔ ہم جب زمان متواتر یا زمان غیر متواتر کا تذکرہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ علم کی ہستی نے ہمیں متغیر اور غیر متغیر لمحات کا علم عطا کیا ہے۔ لمحہ حقیقی میں بتایا گیا ہے کہ لمحہ غیر متغیر ہے اسی غیر متغیر لمحے کے اوصاف معلوم کرنے میں علم کی ہستی کوشاں رہتی ہے۔ علم کی ہستی کی یہ کوشش لاتناہیت سے تناہیت کی طرف سفر ہے۔ لاتناہیت کا جو لمحہ تناہیت کی طرف سفر کرتا ہے وہ نور مرکب کا لمحہ ہے۔ یہ لمحہ کس طرح سفر کرتا ہے اور دوران سفر کیا کیا واردات و کیفیات ہوتی ہیں۔ سفر کرنے میں ٹائم اسپیس کا کیا عمل دخل ہے' انسانی شعور کسی طرح بھی اسے معلوم نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ شعور کا آغاز ہی تناہیت سے ہوتا ہے۔ انسانی شعور کا آغاز تناہیت سے ہونے کا مطلب ہے کہ ہر لمحہ جب سفر کرتا ہے تو اس کے ساتھ

ہی دوسرا لمحہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک لمحے سے دوسرے لمحے کی طرف سفر کرنا ہماری دنیا کا وقت ہے۔ یہ وقت نسمہ مفرد سے شروع ہوتا ہے اور نسمہ مرکب پر ختم ہو جاتا ہے۔ جب انسانی شعور وہم خیال اور تصور کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کا رخ نسمہ مفرد کی طرف ہوتا ہے اور جب وہم خیال تصور سے نکل کر ہم محسوسات کی حدود میں داخل ہوتے ہیں تو شعور نسمہ مرکب سے متعارف ہوتا ہے۔ اب ہم یوں کہیں گے کہ شعور کے تغیر سے واقف ہونے کا عمل ہی شعور ہے یعنی شعور کی ہستی اس لمحہ کے اندر بند ہوتی ہے جس لمحے کے اندر ہر آن تغیر ہے۔ قرآن پاک میں اس تغیر کا نام آفاق ہے غیر متغیر لمحے کا نام زمان غیر متواتر ہے قرآن پاک زمان غیر متواتر کو انفس کہتا ہے۔

ہم جب نور کے لمحے کا تذکرہ کرتے ہیں تو دراصل انسان کی روح کا تذکرہ کرتے ہیں اور جب ہم نسمہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو انسانی ذہن کا تذکرہ کرتے ہیں۔

زید ایک فرد ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ زید کون ہے؟ تو یہ کہا جائے گا کہ زید فلاں کا بیٹا ہے۔ عقل مند ہے۔ بردبار ہے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی زید جن صفات کا مجموعہ ہے یہ صفات زید کے اوصاف ہیں۔ ہم جب زید کا تذکرہ کرتے ہیں تو گوشت پوست اور ہڈیوں کے پنجرہ پر عمارت کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ زید کو اس کے اعمال کی مناسبت سے جانتے ہیں۔ جب کہ زید کی صفات ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ لیکن زید کا جسمانی نظام ہمارے سامنے ہے۔ اب اگر ہم زید کی زندگی کا تجزیہ کریں تو یہ کہیں گے کہ زید ان صفات کی فلم ہے جن صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ زید کی صفات اس کی فلم ہے۔ اس فلم کا نام ورائے شعور یعنی لاشعور اور نور مرکب ہے۔

زید کی ہستی کو اس مثال سے سمجھئے۔

زید کو سورج کا خیال آیا۔ یعنی زید کے ذہن نے غیر شعوری طور پر سورج

www.islamiurdubook.blogspot.com

کے نظام کا احاطہ کرلیا۔ گویا زید کے لاشعور کے بالمقابل سورج کا مکمل نظام ایک تصویری شکل میں موجود ہوگیا۔ اس تصویری فلم میں سورج کے نظام کی تفصیلات زمان غیر متواتر کا ایک لمحہ ہے۔ اب قانون یہ بنا کہ اگر لمحہ کی تفصیلات یا زید سے متعلق اس کے اوصاف کی فلم اور فلم کے اندر آثار و احوال کو لپیٹ دیا جائے تو یہ سب زید کی زندگی کا ایک لمحہ بنا۔ یہ لمحہ زمان غیر متواتر کا لمحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق کائنات میں کوئی شے ایک رخ پر تخلیق نہیں ہوئی۔ کائنات میں موجود ہر شے دو رخوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح لمحہ کے بھی دو رخ یا دو سطحیں ہیں۔ لمحہ کی ایک سطح حواس کے بالمقابل واقع ہے جس کو عالم فطرت کہتے ہیں۔ ایسے بے شمار لمحات کا مجموعی نام زید ہے۔ یہ وہی زید ہے جس کو حواس دیکھتے چھوتے اور جانتے ہیں۔ زید بے شمار لمحات کی لپٹی ہوئی سربستہ فلم ہے۔ بالفاظ دیگر زید زمان متواتر کی حیات کا ایک عنوان ہے۔ اسی زمان متواتر کے عنوان کی تفصیل زمان غیر متواتر کا وہ یونٹ ہے جو زید کی ماہیت ہے۔ ماہیت سے مراد ایسا نور یا ایسی روشنی ہے جو یونٹ کے اجزاء کی تصویری فلم ہے۔ اس تصویری فلم میں کسی یونٹ کا ہر وہم ہر خیال ہر احساس ریکارڈ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

آپ کیا سمجھے علیین (اعلیٰ زندگی) کیا ہے اور آپ کیا سمجھے سجین (اسفل زندگی) کیا ہے؟ یہ **ایک** لکھی ہوئی **کتاب** ہے۔

انسان کی زندگی میں دو رخ بر سر عمل ہیں۔ ایک رخ زندگی کا اعلیٰ رخ ہے اور دوسرا رخ زندگی کا اسفل رخ ہے۔

زمان متواتر کا لمحہ جسم ہے اور زمان غیر متواتر کا لمحہ اس جسم کے احساسات کے شواہد کی تفصیلی فلم ہے۔ زمان غیر متواتر کا لمحہ ہر وقت ہماری روح کے بالمقابل رہتا ہے لیکن ہمارا ذہن اس طرف نہیں جاتا یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے لئے غیب

ہے۔

قانون یہ ہے کہ جب ہم کسی شے کو دیکھتے ہیں تو غیر متواتر لمحہ درمیانی فاصلے کو ہماری لاعلمی میں اس طرح ناپ لیتا ہے کہ شے کی روشنی ذہن سے ہوا بھر الگ رہتی ہے اور نہ ذہن کی سطح میں داخل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم شے کو دیکھ سکتے ہیں۔

ذہن شے سے ہوا بھر الگ رہے یا ہوا بھر شے میں داخل ہوجائے تو ہم شے کو نہیں دیکھ سکتے۔ شے کی روشنی نہ تو ذہن سے ہوا بھر الگ رہی اور نہ ذہن میں داخل ہوئی۔ اگر شے کی روشنی ذہن میں داخل ہوجائے تو غیر متواتر زمان غیر متواتر نہیں رہے گا اور اگر شے کی روشنی ہوا بھر شے کے اندر داخل ہوجائے تو زمان متواتر متواتر نہیں رہے گا۔ اور شے کا وجود زیر بحث نہیں آئے گا۔

اس کی مثال خواب دیکھنا ہے خواب دیکھنے والا دس سال بعد کے واقعات اچانک دیکھنے لگتا ہے۔ حالانکہ دس سال کے درمیانی وقفے اس کے سامنے سے نہیں گزرے جب کہ زمان متواتر میں دس سال بعد کے واقعات کو دیکھنے کے لئے ہمیں دس سال کے وقفوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ زمان غیر متواتر میں کائناتی حوادث کو ناپنے کے لئے تمام پیمانے موجود ہیں جس میں ماضی حال کو بغیر ترتیب کے ناپا جاتا ہے۔ رویا یا خیال میں ہم ایسے زمانے کو واپس لاسکتے ہیں جو ہزاروں سال پہلے گزر چکا ہے۔

جب ہم ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جس کو پچیس سال پہلے دیکھا تھا تو ہمیں گذشتہ پچیس سال کے واقعات یاد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ہم اس شخص کو دیکھنے کے بعد پچیس سال کی لپٹی ہوئی فلم کو محسوس کرلیتے ہیں۔ پچیس سال کا وقفہ زمانہ غیر متواتر میں ریکارڈ ہے۔ جب غیر متواتر کا ریکارڈ متحرک ہوا تو ہمارے ذہن نے اس کی پچیس سالہ شخصیت کو واپس لانے کے لئے تمام وقفوں کو

www.islamiurdubook.blogspot.com

حذف کردیا۔ باالفاظ دیگر ہمارا ذہن غیر متواتر کے اس دائرے میں دیکھنے کے قابل ہوگیا جس دائرے میں مذکورہ انسانی شخصیت محفوظ ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ تمثیلی انداز میں فرماتے ہیں:

ہم جب زینے سے اترتے ہیں تو زینے کی سیڑھیوں کا ناپ جو پہلے سے زمان غیر متواتر میں ریکارڈ ہے ہمارے قدموں کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے زینہ اترنے میں شعوری طور پر سوچنا نہیں پڑتا کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قدم ڈگمگا جاتا ہے تو ہم گر پڑتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے ہمارا ذہن غیر متواتر سے ہٹ جاتا ہے وہ رہنمائی جو غیر متواتر کررہا ہے' زمان متواتر کے ہاتھوں میں آجاتی ہے جس کے سبب قدم غلطی کرجاتے ہیں اور آدمی گر جاتا ہے۔ زینے کا ناپ زمان متواتر میں ریکارڈ نہیں ہوتا۔ غیر متواتر میں ریکارڈ ہے۔

کائناتی فکر

ابدال حق، ممثل کائنات حضور قلندر بابا اولیاءؒ اپنی کتاب لوح و قلم میں فرماتے ہیں:

فکر انسانی کی تین طرزیں ہیں۔ فکر انسانی کی پہلی طرز یہ ہے کہ وہ نوع انسانی کی حیثیت سے انفرادی طور پر انسان کے اندر پیدا ہونے والے تقاضوں کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے۔ جب نوع انسانی کا کوئی فرد صحیح طرزوں میں تقاضوں کو استعمال کرتا ہے تو اس کی ہر طرز نوع انسانی کے لئے اخلاص کا جذبہ ہوتی ہے جب کسی فرد کے اندر نوع انسانی کے لئے خلوص کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے تو وہ ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی فکر انفرادی تقاضوں سے ہٹ کر پوری نوعی تقاضوں کو سمجھنے اور محسوس کرنے لگتی ہے اور نوع انسانی کا فرد انفرادی حیثیت سے نکل کر اجتماعی حیثیت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس کی سوچ اور اس کے اندر پیدا ہونے والے تقاضے صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ پوری نوع کو محیط ہوجاتے

ہیں۔ انفرادی سوچ نوعی سوچ بن جاتی ہے۔ جب کسی فرد کے اندر نوع انسانی کے مجموعی تقاضوں کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت بیدار ہوجاتی ہے تو فکر ایسی وسعتوں میں داخل ہوجاتی ہے جہاں نوعی تقاضوں سے گزر کر کائنات کے مجموعی تقاضے اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں۔

پہلی فکر............ انفرادی سوچ یا انفرادی طرز فکر

دوسری فکر............ نوعی سوچ یا نوعی طرز فکر

تیسری فکر............ کائناتی سوچ یا کائناتی طرز فکر

جب فرد کی سوچ انفرادی سوچ نہیں رہتی تو فرد پر کائنات کے رموز آشکار ہوجاتے ہیں۔ تین طرز فکر سے گزرنے کے بعد چوتھی طرز فکر میں داخل ہونے والا بندہ معرفت الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔

لوح محفوظ کے قانون کی رو سے ہم بیک آن لمحہ کے کروڑویں حصے میں صرف ایک چیز کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ ادراک اس وقت کرتے ہیں جب تمام اشیاء کی نفی کردیں۔ ہمارے ذہن کی صرف ایک سمت متعین ہے۔ اسی سمت میں تقاضے پرواز کرتے رہتے ہیں۔ بظاہر ہم آگے پیچھے' اوپر نیچے دیکھتے ہیں لیکن آگے پیچھے دیکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ہمارا ذہن ایک سمت میں مرکوز نہ ہوجائے۔

ہم چھ سمتوں میں سفر کرتے ہیں یا چھ سمتوں سے واقف ہیں۔ اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے لیکن روحانی نقطہ نظر سے چھ سمتیں محض قیاس کی پیداوار ہیں۔ فی الحقیقت سمت وہی ہے جس سمت میں ذہنی تقاضے سفر کررہے ہیں۔ اس ہی سمت کا نام زمان متواتر ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ زمانہ گزرتا رہتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے زمانہ ریکارڈ ہوتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کو ہر آدمی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً آج جو فرد تیس سال کا ہے وہ بچپن سے تیس سال تک سفر کرتا رہا

www.islamiurdubook.blogspot.com

ہے اور کسی سمت میں سفر کر رہا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ زمانہ گزرتا رہتا ہے تو کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بچپن کے حالات اور جوانی کے اعمال ہمارے ذہن سے حذف ہوگئے ہیں۔ گزرنے والی چیز حذف نہیں ہوئی ریکارڈ ہو رہی ہے۔ قرآن نے اس کو کتاب المرقوم قرار دیا ہے۔ سائنسی زبان میں ویڈیو فلم کہہ سکتے ہیں۔ یہی کتاب المرقوم (ریکارڈ) علم الاسماء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو علم الاسماء سکھایا تو جو کچھ اللہ نے سکھایا وہ ریکارڈ ہوگیا۔ وہی ریکارڈ آدم سے آدم کی نسل کو منتقل ہو رہا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ایک بات مختلف پیراؤں میں بیان فرماتے ہیں تاکہ بات ذہن نشین ہوجائے۔ ہم نے بتایا تھا کہ انسانی زندگی یا ادراک سے بننے والے تمام حواس کا تعلق اطلاع پر قائم ہے۔ اطلاع میں معنویت کا اختیار دیا گیا ہے۔ اطلاع میں معانی پہنانے سے پہلے ادراک کرتے ہیں وہ ادراک مرئی یا غیر مرئی صورت میں محفوظ ہے۔

کائنات ایک نقطہ ہے۔ جسے اپنے ذہن میں فرض کرنا پڑتا ہے۔ یہی کائنات کی موجودگی کا راز ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

کائنات ایک نقطہ ہے جسے اپنے ذہن میں فرض کرنا پڑتا ہے۔ یہی کائنات کی موجودگی کا راز ہے۔ ریاضی دانوں کی اصطلاح میں نقطہ نہ لمبائی رکھتا ہے اور نہ چوڑائی رکھتا ہے اور نہ گہرائی رکھتا ہے۔ وہ صرف شعور کی تخلیق ہے۔ یہی نقطہ شعور سے مسافرت کرکے ادراک بالحواس بنتا ہے۔ اس کے ادراک بالحواس بننے کا طریقہ بہت سادہ ہے۔

نقطہ شعور کو قائم رکھتا ہے اور اپنی یاد دہانی میں مصروف رہتا ہے یعنی شعور جس ریکارڈ پر قائم ہے۔ اس ریکارڈ کو دہراتا رہتا ہے۔ آج کا بچہ جب بڑھاپے میں داخل ہوتا ہے تو یہ عمل ریکارڈ کو دہرانا ہے۔ اگر شعور اپنے ریکارڈ کو نہ دہرائے

اور یاد دہانی میں مصروف نہ رہے تو بچہ جوانی میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جوانی دراصل بچپن سے جوانی تک شعوری ریکارڈ کی یاددہانی ہے، شعور دعویٰ کرتا ہے کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں میں چاند کو دیکھ رہا ہوں۔ میں سورج کو دیکھ رہا ہوں میں ستاروں کو دیکھ رہا ہوں میرے ہاتھ میں کتاب ہے یہ سب ریکارڈ کا دوہرانا ہے۔

بچپن میں جب ہوش و حواس کا دور شروع ہوتا ہے تو بچہ چاند سورج سے واقف ہوتا ہے۔ شعوری طور پر اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ قلم ہے یہ کتاب ہے یہ سب ریکارڈ ہوجاتا ہے۔ یہی ریکارڈ ہر آدمی بڑھاپے سے موت تک استعمال کرتا رہتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بچہ کسی کتاب کو درخت کہے یا درخت کو کتاب۔ جو کچھ شعور میں ریکارڈ ہوگیا وہی حواس ہیں وہی شعور ہے۔ شعور اپنے ریکارڈ کو یا ریکارڈ میں موجود نقوش کو یا ریکارڈ میں موجود تصویروں کو مختلف طریقوں میں استعمال کرتا ہے۔ ان میں ایک طریقہ جو تمام نوعوں میں مشترک ہے نگاہ ہے۔ یعنی شعور اپنے اندر ریکارڈ کو نگاہ کے ذریعے دیکھتا اور دہراتا ہے۔ نگاہ ہمارے اندر کام کرتی ہے وہ دو مرکزوں یا سطحوں کو دیکھتی ہے۔ نگاہ کی ایک مرکزیت میں دیکھنا شعور اور دوسری مرکزیت میں دیکھنا غیب ہے۔ نگاہ کا دیکھنا شعور میں ہو یا غیب میں ہو نگاہ کا دیکھنا انفرادی ہو اجتماعی ہو درحقیقت دونوں سطحوں میں ایک ہی نگاہ کام کررہی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ اگر ہماری آنکھوں کے سامنے بادام کا ایک درخت ہو تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بادام کا درخت ہے پھر ہم نوع انسانی کے دوسرے فرد سے پوچھتے ہیں تو وہ بھی یہی کہتا ہے کہ یہ بادام کا درخت ہے۔ ایک آدمی کے علاوہ ہم ہزاروں افراد سے یہی سوال کرتے ہیں تو ہر آدمی یہی کہتا ہے کہ یہ بادام کا درخت ہے۔ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ دیکھنے والی نگاہ ایک ہے۔ اگر نگاہیں دو ہوتیں تو ہر نگاہ کا زاویہ مختلف ہوتا۔ جب ہم دو کہتے ہیں تو دراصل ایک سے دو ہونا مختلف ہے۔ ایک نگاہ کچھ دیکھتی ہے دوسری نگاہ کچھ اور دیکھتی ہے۔ اس لئے

یہ ماننا پڑے گا کہ شعور کی ایک سطح اجتماعی ہے یہی مشترک سطح ادراک بالحواس ہے۔

مولانا رومؒ نے کہا ہے :

"آدمی دید است باقی پوست است۔"

یعنی آدمی نگاہ ہے' باقی گوشت پوست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی دراصل نگاہ ہے۔ باقی ہر چیز فانی ہے۔

"دید آں باشد کہ دید دوست است۔"

نگاہ یہ ہے کہ وہ دوست کا مشاہدہ کرتی ہے۔ دوست کے مشاہدے سے مراد کائنات کی مشترک سطح ہے اور سنبھالنے والی ہستی اللہ ہے۔

لیکچر ۳۵

دائرہ اور مثلث

ایک فرد ہو یا کروڑوں افراد ہوں نگاہ انفرادی ہو یا اجتماعی ایک ہی طرح دیکھتی ہے۔ نگاہ کی دوسری سطح یہ ہے کہ جو کچھ نگاہ دیکھتی ہے وہ کائنات کے دوسرے افراد سے مخفی ہوتا ہے دیکھنے کی مشترک سطح کو تصوف میں "وحدت" کہتے ہیں۔ نگاہ کی دوسری سطح کو تصوف میں "کثرت" کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ کثرت بھی وحدت کی ایک نگاہ ہے۔ کائناتی رشتے کے اعتبار سے نگاہ وحدت ہے۔ البتہ جب نگاہ کثرت کے زاویے میں داخل ہوتی ہے تو نگاہ جو کچھ دیکھتی ہے اس کا مفہوم الگ الگ دیکھتی اور سمجھتی ہے۔ الگ الگ دیکھنا کثرت کی تخلیق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ خود کو چھپا ہوا خزانہ کہتے ہیں۔ اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے چار ایجنسیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک خود اللہ تعالیٰ دوسرا چھپا ہوا خزانہ تیسرا تخلیق اور چوتھا خالق کو پہچاننا۔ ان چار ایجنسیوں میں نگاہ کے چار زاویے ہیں۔ یہ چار زاویے وحدت و کثرت کے دو دو زاویے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ ہیں چھپا ہوا خزانہ تصوف کی زبان میں واجب الوجود ہے۔ واجب الوجود کو جب ہم شعور کے دائرے میں سمجھتے ہیں تو روحانی آنکھ سے نظر آتا ہے کہ واجب الوجود کا شعور تکرار کر رہا ہے اور خود کو دہراتا رہتا ہے۔ واجب الوجود ایک نقطہ (شعور) ہے

جب یہ نقطہ خود کو دہراتا ہے اس نقطے کے دو نقطے ہو جاتے ہیں۔ نقطہ پھر خود کو دہراتا ہے تو اس نقطے کے مزید دو نقطے بن جاتے ہیں۔

ازل سے اسی طرح ہو رہا ہے شعور کی تکرار سے بے شمار نقطے بن رہے ہیں اور بے شمار نقطے ایک دائرے کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ ہر نقطہ ایک دائرہ ہے۔ یہ تمام دائرے مل کر بڑا دائرہ بناتے ہیں یہی بڑا دائرہ کائنات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ذہن میں جو پروگرام ہے وہ خود کو دہراتا رہتا ہے۔ پروگرام کی تکرار سے دوسرا پروگرام۔ دوسرے سے تیسرا پروگرام تخلیق ہوتا رہتا ہے۔

دائرے کے پھیلنے اور سمٹنے کے عمل سے دائرے میں دو رخ بن جاتے ہیں۔ ایک ہی دائرہ کے دو حصے دو مثلث ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو رات اور دن میں سکونت پذیر ہے وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (سورۃ انعام آیت ۱۲)

یعنی رات اور دن میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے۔ انسان کے ادراک و حواس میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت کے تابع ہے اور اللہ کے شعور یا ذات واجب الوجود کی تکرار سے بنے ہوئے دائرے ہیں۔ یہی دائرے انسان کا ادراک بنتے ہیں۔ یہی دائرے انسان کو حواس سے آشنا کرتے ہیں۔ انسان کے ادراک میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ ایک حصہ کا تعلق رات کے حواس سے ہے دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق دن کے حواس سے ہے۔ یہ دونوں دائرے حرکت دوری کی دو سطحیں ہیں۔ یہ دونوں سطحیں حواس کا سرچشمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا نام الگ الگ رکھا ہے۔ ایک کا نام "لیل" ہے دوسرے کا نام "نہار" ہے۔ ایک دائرے کا نام خواب اور دوسرے کا نام بیداری ہے۔ نوع انسانی میں رات کے حواس کو تاریکی غنودگی یا نیند کہہ کر غیر

حقیقی تصور کیا جاتا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ غیر حقیقی تصور کو اللہ نے رد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق رات اور دن کے حواس ٹھوس ہیں۔ دن کے حواس کو اجتماعی شہادت حاصل ہے اور رات کے حواس کو انفرادی لیکن کسی بھی طرح یہ حقیقت نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ اجتماعی شہادت میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں۔

نگاہ کی اجتماعی اور انفرادی سطح سے زمان کی بنیاد قائم ہوتی ہے، جب ایک فرد دوسرے سے متعارف ہوتا ہے تو یہی تعارف کا مرحلہ زماں بنتا ہے۔ تعارف سے مراد یہ ہے کہ جب ایک بندہ دوسرے بندے کو دیکھتا ہے یا ایک فرد دوسرے فرد سے آشنا ہوتا ہے تو آشنا ہونے میں کوئی مخفی رشتہ ہونا ضروری ہے۔ اگر مخفی رشتہ نہ ہوتا تو ایک فرد دوسرے فرد کو نہ پہچان سکتا۔ یہی مخفی رشتہ زمان ہے۔

جب ایک فرد دوسرے سے متعارف ہوتا ہے چونکہ زمان میں دونوں افراد موجود ہیں اور رشتہ مشترک ہے اس لئے ذات ایک نقطے پر ٹھہر جاتی ہے۔

افراد کائنات ایک جگہ نقش ہیں اور جہاں یہ نقش ہیں اس کو زمان کہتے ہیں۔ گزرنا، ٹھہرنا شعور کی ایک طرز ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہر چیز قائم بالذات ہے یعنی کائنات کا ہر فرد ایک بساط پر قائم ہے اسی بساط پر موجود نقش کو نگاہ دیکھتی ہے اور شعور سمجھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں سمیع ہوں۔ میں بصیر ہوں یعنی سماعت اور بصارت میری واحد ملکیت ہیں۔ کوئی اس میں شریک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں نے انسان کو سماعت دی، بصارت دی۔

ان دونوں ارشادات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی سماعت سے

سنتا ہے' اللہ تعالیٰ کی بصارت سے دیکھتا ہے' کوئی انسان انفرادی طور پر دیکھتا ہو کوئی انسان اللہ کی ذات میں دیکھتا ہو' کوئی سالک زمان متواتر میں دیکھتا ہو یا زمان غیر متواتر میں دیکھتا ہو یہ سب دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہے یا اللہ کی سماعت سے سننا اور اللہ کی بصارت سے دیکھنا ہے۔ انفرادی طور پر زمان متواتر میں دیکھنے کا عمل ناقص ہے۔ انسانی شعور جب اللہ کی دی ہوئی سماعت یا دی ہوئی بصارت کو استعمال کرتا ہے تو اس بصارت یا سماعت کو خود سے منسوب کرنے لگتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں نے دیکھا میں نے سنا۔ جب کہ واقع یہ ہے کہ انسان نے اللہ کی سماعت سے سنا اور اللہ کی بصارت سے دیکھا۔ جب کوئی انسان اللہ کی سماعت و بصارت کو خود سے منسوب کرتا ہے تو غلطیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس کے معانی میں غلطیاں کرنے لگتا ہے۔

جب ہم نگاہ کو اجتماعی حیثیت میں بیان کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ نگاہ کی ایک سطح ہے' نگاہ جو دیکھتی ہے وہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہر جگہ اس کا دیکھنا یکساں ہے۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا قانون ہے۔ جب بندہ اس قانون سے انحراف کر کے اللہ کی سماعت و بصارت کو اپنی ملکیت سمجھ لیتا ہے یا خود سے سماعت اور بصارت کو منسوب کر لیتا ہے تو وہ مسلسل ایسی غلطیاں کرنے لگتا ہے جس کی بنا پر وہ زمان غیر متواتر سے دور ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اوپر اللہ کے عرفان کی محرومی کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی شخص کی نگاہ بادام کو انجیر دیکھے اس لئے کہ انجیر بادام اور انسان سب ایک سطح پر موجود ہیں اور سب نگاہ کے اعتبار سے ایک طرز میں دیکھتے ہیں۔ البتہ کوئی آدمی انجیر کو فضول درخت قرار دے کر معانی پہنانے میں غلطی کر سکتا ہے لیکن غلط معانی استعمال کرنے میں انجیر فضول درخت نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک نفس سے۔ (سورہ اعراف آیت ۱۸۹)

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ نوع انسانی مخفی اسکیم کے تحت بنائی گئی ہے۔ وہ مخفی اسکیم جو نظر نہیں آتی۔ یہ اسکیم زمان متواتر میں نظر نہیں آتی۔ کیونکہ مظاہر کے پیچھے کام کر رہی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے نفس واحدہ فرمایا ہے۔ یہی مخفی اسکیم نظر آنے والی تاریکی یعنی رات اور روشنی کی گہرائی میں ایسے نقوش کی تخلیق کرتی ہے جن کو ہمارے حواس مظاہر کی صورت میں دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ہم نقوش کے ادراک سے انکار کر دیں یا ان کی موجودگی کو تسلیم نہ کریں۔ البتہ اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ حق کو باطل کہہ دیں اور باطل کو حق سمجھیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی سماعت اور بصارت کو اپنی ذات سے وابستہ کر دیتا ہے۔ جب کوئی انسان اللہ کی ذاتی صفت کو اپنا ذاتی وصف قرار دے دیتا ہے وہ حق کو باطل سمجھتا ہے اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ یہی وہ غلط طرز فکر ہے جس کے زیر اثر انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

اللہ کے فرمان کے مطابق ہر فرد کو وحی یا القاء کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ اس صفت کو انسان ضمیر کے نام سے جانتا ہے۔ ضمیر نور باطن ہے۔ ضمیر کی آواز اللہ کی آواز ہوتی ہے۔ ضمیر ہر لمحہ انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور جب انسان ضمیر کی رہنمائی قبول نہیں کرتا ہے تو نفس کی تنقید شروع ہو جاتی ہے۔ یہ تنقید بھی ایک طرح سے رہنمائی کرتی ہے۔ یہی تنقید انسان کی نیت کو صحیح یا غلط رکھتی ہے۔ جب تک کوئی انسان ضمیر کی آواز پر توجہ نہیں دیتا رہنمائی حاصل نہیں کرتا۔ رہنمائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے شکوک و شبہات اور وسوسوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

www.islamiurdubook.blogspot.com

کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے اور بڑے سے بڑے کرے میں کُل ذات محیط ہے۔ ہم چھوٹے سے چھوٹے ذرے کو دیکھنا چاہیں تو تصورات کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔ ہم جب فرشتے کا تذکرہ کرتے ہیں (گوکہ ہم نے فرشتے کو نہیں دیکھا) لیکن فرشتے کے بارے میں تصور ضرور رکھتے ہیں۔ ہم آسمانوں کا تذکرہ کرتے ہیں باوجودیکہ آسمانوں کو نہیں دیکھا لیکن تصور موجود ہے۔ یہی تصورات کُل ذات سے یک ذات میں منتقل ہوتے ہیں۔ تصورات کا منتقل ہونا یک ذات کا اپنا وصف نہیں ہے۔ تصورات کا منتقل ہونا کُل ذات پر منحصر ہے۔ جس طرح کُل ذات تصورات یک ذات کے سپرد کردیتی ہے۔ یک ذات اسی طرح ان تصورات کو قبول کرنے پر مجبور ہے۔ گلاب ایک ذات ہے۔ کُل ذات نے گلاب کو شکل و صورت کا تصور منتقل کیا۔ کُل ذات نے انسان کو جس طرح کے تصورات منتقل کئے اسی طرح انسان کی شکل و صورت بن گئی۔ انسان ایسے تصورات کا مجموعہ ہے جو کُل ذات سے ذات کا شعور حاصل کرتا ہے وہ تصورات جو انسانی جسم کی تخلیق کرتے ہیں لاشعور (کُل ذات) ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مادی جسم لاشعور نے بنایا ہے اور خارج میں موجود روشنیاں اس کو غذا فراہم کررہی ہیں جس کی بناء پر انسان کے اندر خون دوڑ رہا ہے۔ یہ بات خلافِ قانون ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ کُل ذات سے منتقل ہونے والے تصورات مادہ کی شکل میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اور یہی مادہ ثقل کی صورت میں متعارف ہوتا ہے۔ جب یہی لاشعور تصورات کو مادے میں منتقل کرنے کا اہتمام نہیں کرتا تو موت وارد ہوجاتی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

انسان کو اپنی زندگی میں ایک سے زیادہ مرتبہ سخت ترین بیماریوں سے سابقہ

پڑتا ہے۔ بیماری کے زمانے میں غذا کم سے کم رہ جاتی ہے یا مفقود ہوجاتی ہے۔ غذا کم ہوجانے سے موت واقع نہیں ہوتی اس کے معنی یہ ہوئے کہ جسمانی مشین زندگی کو چلانے کی ذمہ دار نہیں۔ ان مشاہدات سے یہ بات تحقیق ہوجاتی ہے کہ خارج سے انسانی جسم کو جو کچھ ملتا ہے وہ زندگی کا موجب نہیں ہے۔ زندگی کا موجب صرف کُل ذات ہے۔ کُل ذات کو سمجھنے کی کئی طرزیں ہیں۔

انسان پیدا ہوتا ہے پھر وہ چند ماہ کا ہوتا ہے پھر ساٹھ ستر اسی اور نوے سال کا ہوجاتا ہے۔ اس کے جسم میں اس کے خیالات میں اس کے علم و عمل میں ہر لمحہ تغیر ہوتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ جسم کا ہر حصہ تبدیل ہوجاتا ہے لیکن چند ماہ کے بچے کی عمر نوے سال کی عمر میں بھی وہی انتہا ہے۔ اگر اس کا نام محمود ہے تو وہ محمود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ کُل ذات سے جو تصور انسانی شعور کو منتقل کردیا جاتا ہے وہی تصور قائم رہتا ہے۔ چاہے جسم کا ایک ایک ذرہ تبدیل ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ترجمہ: وہی ہے جو ہر شے کو محیط ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب زید کُل ذات ہے تو کائنات کا علم زید کو کیوں حاصل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زید کُل ذات سے لاتعلق رہتا ہے اور اپنی ذات سے باہر نہیں نکلنا چاہتا۔ اگر کوئی فرد اپنی حدود میں رہ کر اپنی ذات کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کی سوچ محدود ہے۔ محض ذات کی حدود میں سوچنے سے اس کے اندر محدودیت کی بنا پر اخلاص پیدا نہیں ہوتا اور جب کوئی فرد خود کی نفی کرکے اپنی سوچ کو اجتماعی بنالیتا ہے تو محدود انفرادی سوچ سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اگر ایک شخص کی تمام دلچسپیاں اپنے خاندان تک محدود ہیں تو اس کی فہم خاندان کی حدود سے باہر نہیں جاتی۔ فہم جس قدر محدود ہوگی مشاہدات اس ہی مناسبت سے محدود

www.islamiurdubook.blogspot.com

ہوں گے۔

انسان کی آنکھ کان اپنی فہم کی حدود میں دیکھتے اور سنتے ہیں۔ وہ فہم کی حدود سے باہر نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے اطراف دیکھ رہا ہے سن رہا ہے لیکن فہم کو خاندان سے باہر کسی چیز میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ انفرادی سوچ کے حامل انسان کا شعور چند سال کے بچے جیسا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص پچاس سال کی عمر میں صرف خاندان کی حدود میں سوچتا ہے تو روحانی نقطۂ نظر سے اس کی عمر چند سال کے بچہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ایسا انسان جو محض انفرادی مفاد کو مدنظر رکھتا ہے سو سال کی عمر میں بھی بلوغ کو نہیں پہنچتا۔ یہی وہ بنیاد ہے جس بنیاد پر کُل ذات سے بے خبر رہ جاتا ہے۔ کائنات کی اسٹیج پر اس کی حالت وہی ہے جو تین سال کے بچے کی کسی بین الاقوامی جلسے میں ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اللہ نور السموات والارض

اللہ سماوات اور ارض کی روشنی ہے۔

روشنی کا سلسلہ جب منقطع ہو جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت واقع ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ کُل ذات سے یک ذات کا تعلق ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ موت دراصل ایک ایسا پردہ ہے جو اطلاعاتی طور پر حیات کی ایک سطح سے فرد کو الگ کر کے دوسری سطح میں داخل کر دیتی ہے۔

لیکچر ۳۶

لازمانی زاویئے

روشنی ذات اور کُل ذات کے درمیان پردہ ہے۔ اسی پردے کے ذریعے کُل ذات کے تصورات یک ذات کو منتقل ہوتے ہیں۔ جو تصورات کُل ذات سے یک ذات کو ملتے ہیں روشنی ان کو رنگ و روپ دے کر ذات تک پہنچاتی ہے۔

جس روشنی کے ذریعے ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں اس روشنی کی بھی دو سطحیں ہیں۔ ایک سطح کے حواس میں ثقل اور ابعاد دونوں شامل ہیں لیکن دوسری سطح میں صرف ابعاد ہیں اور ابعاد میں روشنی کی گہرائی ہوتی ہے۔ روشنی یا کُل ذات کا درمیانی پردہ جو اطلاعات دیتا ہے حواس انہیں براہ راست دیکھتے اور سنتے ہیں لیکن جو اطلاعات ہمیں گہرائی سے پہنچتی ہیں ان کی وصولی کے راستے میں کوئی مزاحمت ضرور ہوتی ہے۔ اسی مزاحمت کی بنیاد پر حواس ان اطلاعات کو پوری طرح اپنی گرفت میں نہیں لا سکتے۔ اوپری سطح سے وصول ہونے والی اطلاع نچلی سطح سے وصول ہونے والی اطلاع کے راستے میں ایک دوسرے کے لئے مزاحم بن جاتی ہے۔ مزاحمت اتنی سخت ہوتی ہے کہ حواس کوشش کے باوجود اسے ختم نہیں کر سکتے۔

اوپری سطح کی اطلاعات دو قسم کی ہوتی ہیں۔

اطلاعات کی پہلی قسم اغراض پر مبنی ہے چونکہ اطلاعات اغراض پر مبنی ہیں اس لئے رویہ جانبدار ہوتا ہے۔

دوسری قسم وہ اطلاعات ہیں جو انفرادی مفاد سے وابستہ نہیں ہوتیں۔ ان

کے حق میں رویہ غیرجانبدار ہوتا ہے۔ اگر اطلاعات کی دونوں طرزوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انسان کے پاس ادراک کے دو زاویئے ہیں۔ ایک وہ زاویہ جو انفرادیت میں محدود ہے دوسرا زاویہ انفرادیت سے باہر ہے۔ جب ہم انفرادیت کے اندر دیکھتے ہیں تو کائنات شریک نہیں ہوتی اور جب انفرادیت سے باہر دیکھتے ہیں تو کائنات شریک ہوتی ہے۔ جس زاویئے میں کائنات ہمارے ساتھ شریک ہے ہم اس میں کائنات کی اشیاء کے ساتھ اپنا ادراک کرتے ہیں۔ ایک طرف کائنات کو ہم اپنی انفرادیت میں دیکھنے کے عادی ہیں دوسری طرف اپنی انفرادیت کائنات میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ ایک طرف انفرادیت کی ترجمانی کرتے ہیں اور دوسری طرف کائنات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ جب یہ دونوں ترجمانیاں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو ہم انفرادیت کی ترجمانی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے تاویل کا سہارا لیتے ہیں۔ بعض اوقات تاویل کے حامی اپنے حریفوں سے دست و گریبان ہوجاتے ہیں۔ یہیں سے نظریات کی جنگ شروع ہوجاتی ہے۔ انفرادی سوچ' انفردی عمل یا انفرادی طرز فکر ایک شخص ایک جماعت یا ایک قوم پر مشتمل ہوسکتی ہے۔ انفرادیت کے زاویئے کا ایک بڑا نقص یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی مرحلے میں کائنات کی اشیاء سے منحرف ہوجاتا ہے۔ اور نگاہ کا زاویہ غلط ہوجاتا ہے۔

کسی چیز کا سائز ہوا میں کچھ نظر آتا ہے اور پانی میں کچھ اور نظر آتا ہے لیکن دیکھنے والا زاویہ جب آزاد ہوجاتا ہے تو اختلاف نظر ختم ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ شے کی حقیقت کو جان لیتا ہے۔ روشنی سے ملنے والی اطلاعات کی جو سطح ہمارے سامنے ہے ہم اس کو مکان کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو سطح نظر سے اوجھل ہے اس کو زماں کا نام دیتے ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے جب ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں یا اشیاء سے اپنا رشتہ قائم کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہم خود اور

تمام اشیاء مکانیت کے ساتھ پابند ہیں اور جہاں یہ اشیاء قائم ہیں وہ مقام نظروں سے اوجھل ہے۔

جب ہم شعور کی اوپری سطح کا تزکرہ کرتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ شعور کی اوپری سطح میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ بیک وقت لاشمار چیزوں کو دیکھ سکے' سن سکے اور سمجھ سکے۔ کیونکہ نظر یکے بعد دیگرے ایک ایک چیز کو دیکھتی سنتی اور سمجھتی ہے۔ اگرچہ سمجھنے اور دیکھنے کا وقفہ اتنا کم ہو کہ ہم اسے لمحے کا کروڑواں حصہ شمار کریں۔

لوح محفوظ کے قانون کے مطابق دیکھنے کی طرز یہ ہے کہ نظر ہر چیز کو ایک ایک کرکے دیکھتی سنتی اور سمجھتی ہے۔ یکے بعد دیگرے چیزوں کو دیکھنے سمجھنے میں جو مرحلے پڑتے ہیں انہیں وقفہ آن یا لمحہ وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وقفہ لمحہ یا آن ہی دراصل حواس کی ترتیب ہے۔ کائنات کی بناوٹ بہت زیادہ پیچیدہ نہیں ہے مگر انسانی فہم نامانوس ہونے کی وجہ سے اس کو پیچیدہ سمجھتی ہے۔

ادراک۔ زمان و مکان کا مجموعہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ترجمہ : کبھی ہوا ہے انسان پر ایک وقفہ زمانے میں جو نہ تھا کچھ چیز قابل ذکر کیا ہوا۔ (سورہ دہر آیت ۹)

اللہ نے انسان کو ایک "وقفہ" سے بیان کیا ہے ایسا وقفہ جس میں انسان ناقابل تذکرہ تھا۔ یعنی جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ہمارے سامنے موجود ہے۔ پہلے انسان ان خدوخال میں موجود نہیں تھا۔ خدوخال میں آنے سے پہلے ادراک الٰہیہ میں تھا۔ وقت کائنات کا وقفہ ہے اور یہی وقفہ کائنات کو محیط ہے۔ ازل تا ابد سب وقفہ ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

وقت میں میرا اور اللہ کا ساتھ ہے۔

یہ وقت وہ وقفہ ہے جو مخلوق اور خالق کے درمیان تعین ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ترجمہ: بنایا آدمی کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔

(سورہ رحمٰن آیت ۱۴)

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ترجمہ: کیا نہیں پہنچا انسان پر ایک وقت جو تھا شے (تصور) بغیر تکرار کیا ہوا۔ (سورہ دہر آیت ۱)

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ترجمہ: بنایا تجھ کو مٹی سے پھر بوند سے (سورہ کہف آیت ۳۷)

بنایا آدمی کو بوند سے پھر پلٹتے رہے پھر کردیا اس کو سنتا دیکھتا۔ ان آیات کی روشنی میں جب ہم آدمی کا تذکرہ کرتے ہیں تو آدمی کی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ی خلاء ہے اور جس مٹی سے آدمی بنایا گیا ہے یا جس مٹی میں اس کو مل جانا ہے یا جس مٹی کے اوپر زندگی گزار رہا ہے اس کی نیچر خلا ہے۔ قرآن پاک میں اس خلاء کو جین کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ہم نے انسان کو پھر دیکھتا سنتا بنا دیا۔ یعنی خلاء میں حواس پیدا کردیئے۔ یہ حواس وہ بوند ہے جس کا تذکرہ نطفے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب بوند ڈالی گئی اور اس بوند کو الٹ پلٹ کیا گیا تو الٹ پلٹ ہونے کی وجہ سے بوند میں حواس پیدا ہوگئے۔ جب تک خلاء میں بوند نہیں پڑی اور بوند کو الٹ پلٹ نہیں کیا گیا حواس تخلیق نہیں ہوئے یہ بوند وہ بوند ہے جسے سائنس دان Gene کے نام سے پہچانتے ہیں۔ سائنس نے بوند میں جین کو تلاش کرلیا ہے۔ سائنسی تحقیقات کے نتیجے میں

یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ ہر جین کے اندر پورے خدوخال ہیں۔ نہ صرف خدوخال ہیں بلکہ نظر نہ آنے والے جرثومے میں (جو ظاہر آنکھ سے نظر نہیں آتا) بالوں کا رنگ پتلیوں کا رنگ اور قدوقامت بھی موجود ہے۔

اس طرح سمجھئے کہ اللہ نے خلاء میں جین پیدا کردیا اور جین دوسرے جین سے مل کر آپس میں ردوبدل ہوتے رہے۔ ان میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک سے دو دو سے چار چار سے سولہ سولہ سے بتیس بتیس سے چونسٹھ ضرب ہوتے رہے۔ حواس جین یا نطفہ کی ضرب ہیں۔ لیکن یہ جین جس سطح پر نشوونما پا رہی ہے وہ خلاء ہے یہی وہ خلاء ہے جسے روحانیت زمان غیر مسلسل کہتی ہے۔ جس خلاء میں بوند ڈالی گئی وہ زمان مسلسل ہے۔

خلاء نور ہے اور بوند نسمہ ہے۔ بوند کے معنی کوئی جسمیت نہیں ہے بلکہ وہ ایک نقطۂ ماسکہ ہے اس ہی نقطہ میں تصورات جمع ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں کتاب المبین کا تذکرہ ہے۔ کتاب المبین ازل تا ابد کی مکمل تصویر ہے۔ ازل سے ابد تک جتنا بھی ریکارڈ ہے وہ سب کتاب المبین میں محفوظ ہے۔ جب ہم کوئی لفظ زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ لفظ ازل تا ابد کے تمام تصورات کا مجموعہ ہے۔ لفظ ظہور ہے اور لفظ کے اندر مخفی تصورات غیب ہیں۔ لفظ ذہن کی ایک حرکت ہے۔ ہم آدمی کا نام لیتے ہیں تو آدمی ظہور ہے اور جب ہم آدمی کے اندر اس کی صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ سب مخفی تصورات ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ترجمہ: جب وہ کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو" اور وہ ہوجاتی ہے۔ (سورہ یٰسین آیت ۸۲)

ان آیات پر تفکر کرنے سے جو رموز سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جب اللہ

www.islamiurdubook.blogspot.com

تعالیٰ نے "ہوجا" کہا تو اللہ کی مخاطب کوئی شے ہے جو ابھی تک ظہور میں نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذہن کے اندر کائنات کے تصورات کو جب "کُن" فرمایا تو کائنات وجود میں آگئی۔ کائنات میں کوئی ترتیب نہ تھی۔ ترتیب نہ ہونا لاتناہیت میں پھیلنا ہے۔ جب ارادہ الٰہیہ نے شے کے تصور کو لاتناہیت سے الگ کرنا چاہا تو شے کی ایک صورت بن گئی۔ جیسے ہی شے کی صورت بنی شے کو اپنے ہونے کا علم حاصل ہوگیا۔ یعنی شے کی صورت ایک علم بن گئی۔ شے کے مجموعی تصورات جب علم کا سانچا بنے تو لفظ بن گئے۔ پھر شے کی ہستی لفظ کی گرفت میں آگئی اور لفظ اسے پردہ (کتاب المبین) سے باہر کھینچ لایا۔

لفظ کی تین قسمیں ہیں۔

دو قسمیں ایسی ہیں کہ ان کو برائے لفظ کہا جاسکتا ہے۔ یہ دو قسم کے لفظ ظہور کے بعد استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اچھا یا برا۔ اچھا ایسا لفظ ہے جو تائید کرتا ہے۔ برا ایسا لفظ ہے جو تردید کرتا ہے۔ دونوں الفاظ میں تصورات کا ایسا مجموعہ پوشیدہ ہے جو ظہور میں آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ اول، آخر، ظاہر باطن پر تفکر کیا جائے تو اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں نکلتے کہ اللہ محیط کُل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم ظاہر کو دیکھتے ہیں اور باطن کو نہیں دیکھتے۔ ہم جو دیکھ رہے ہیں دراصل وہ نہیں دیکھ رہے کیونکہ نہیں جانتے کہ کس سے دیکھ رہے ہیں اور ادراک کر رہے ہیں لیکن ادراک نہیں کر رہے اس لئے کہ نہیں معلوم کس سے ادراک کر رہے ہیں۔ لوح و قلم کے ابتدائی صفحات میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے انسانی جسم اور روح کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انسانی جسم دراصل روح کا لباس ہے

جب تک لباس کے ساتھ روح کی وابستگی قائم رہتی ہے لباس اپنی حرکات کے ساتھ موجود رہتا ہے اور جب روح کی دلچسپی جسم کے ساتھ نہیں رہتی تو لباس کی تمام حرکات و سکنات ساقط ہوجاتی ہیں۔ ہم اس طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس کی کنہ سے واقف نہیں ہیں۔ اگر ہمارا دیکھنا دیکھنا ہوتا تو ہم اس وقت بھی دیکھ سکتے جب روح لباس کو چھوڑ دیتی ہے۔ اگر سمجھنا فی الواقع سمجھنا ہوتا تو ہمارے اندر فہم اس وقت بھی کام کرتی جب روح لباس چھوڑ جاتی ہے۔ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ روح کا جسم سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد جسم میں حرکت پیدا ہوئی ہو۔ جب ہم اپنی ذات کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس تذکرے میں ذہنی رابطہ صرف جسمانی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری فہم امر تک رسائی نہیں کرتی۔

ہم الفاظ کو کسی چیز کے رد کرنے یا قبول کرنے میں استعمال کرتے ہیں جس لفظ کو رد میں استعمال کیا جاتا ہے اس لفظ میں رد ہونے کے تصورات کام کرتے ہیں اور جن الفاظ کو قبولیت کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اس میں قبولیت کے تصورات کام کرتے ہیں۔ لفظ رد میں استعمال کیا جائے یا قبول میں دونوں صورتوں میں الفاظ خلق ہیں کیونکہ یہ خلاء نہیں ہے تصورات سے لبریز ہونے کے بعد وجود میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

تمام امور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ پانی ایسے تصورات کا خول ہے جس شے میں داخل ہوجاتا ہے وہی شے بن جاتا ہے۔ پانی پھول میں جاکر پھول کانٹے میں کانٹا پتھر میں پتھر سونے میں سونا ہیرے میں ہیرا بن جاتا ہے۔ یہ پتھر سونا ہیرا پھول کانٹا سب تصورات کا مجموعہ ہے۔ ہمارے ذہن میں تصورات کا ایک مجموعہ ہے جس کو ہم

www.islamiurdubook.blogspot.com

سونا کہہ کر پکارتے ہیں اور تصورات کا ایک دوسرا مجموعہ ہے جس کو ہیرا کہتے ہیں۔ سونا اور ہیرا دو لفظ ہیں یا دو خول ہیں جن میں تصورات کے الگ الگ مجموعے مقید ہیں۔ ان میں ہر مجموعہ ادراک ہے۔ ادراک کو آواز میں قید کیا جائے تو لفظ بن جاتا ہے۔

ہم کوئی بات سوچتے ہیں وہ بات ہمارے ادراک میں ہے لیکن ابھی یہ لفظ ادراک کے اندر داخل ہو کر آواز کی شکل میں نہیں آیا تو جب تک ادراک آواز میں قید نہ ہو لفظ نہیں بنتا اور جب ادراک آواز کے روپ میں سامنے آتا ہے تو لفظ بن جاتا ہے۔

انسان کے اندر ادراک ذہن ہے۔ ذہن کی وسعت کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہے۔ انسان کے ادراک میں لامتناہی وسعت ہے۔ یہ لامتناہی وسعت پوری کائنات کو محیط ہے۔ مثلاً جب ہم تصور کرتے ہیں تو ہمارا تصور زمین سے نکل کر عرش پر عرش سے پرواز کر کے باری تعالیٰ کی ہستی تک پہنچ جاتا ہے۔ ہم تشریح اس طرح کریں گے کہ ادراک کا ایک رخ گہرائی ہے جو زمان ہے۔ دوسرا رخ پہنائی ہے جس کو مکان کہا جاتا ہے۔ ہر انسان ادراک کے اعتبار سے زمان و مکان کا مجموعہ ہے۔

لیکچر ۳۷

رات اور دن کے حواس

خالق اللہ ہے۔ کائنات مخلوق ہے۔ تخلیق کا مرحلہ پیش آنے کے بعد انسان کو یہ علم حاصل ہوا کہ کائنات میں انسان ایسا فرد ہے جو ایک طرف لامتناہیت اور دوسری طرف تناہیت ہے۔ انسانی شعور کا تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان کا شعور پہلے دن سے رنج و راحت کا خوگر ہے۔ پیدائش عمل خود ایک تکلیف ہے۔ لیکن یہ تکلیف برداشت ہے کیونکہ اس کا رد عمل راحت ہے۔ تکلیف اور راحت دونوں حواس پیدائش کے بعد بچے کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

کسی چیز کا حاصل ہونا راحت ہے اور کسی چیز سے محروم ہونا رنج ہے۔ انسان ابتدائے آفرینش سے سرگرداں ہے کہ اسے رنج و راحت کی وجہ معلوم ہو جائے۔ تاکہ وہ رنج سے محفوظ رہے اور راحت کو برقرار رکھ سکے۔ ہر انسان کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ راحت کی زندگی بسر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ راحت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا چونکہ وہ راحت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا اس لئے راحت کے ضائع ہونے کا خوف بھی اس کے دل سے نہیں نکلتا وہ کسی نہ کسی طرح رنج سے دور رہنے اور راحت سے قریب ہونے کی ضمانت چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی میں حادثات پیش آتے ہیں پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں لیکن انسان کمزوریوں کے سبب پریشانیوں پر قابو نہیں پا سکتا۔ جب انسان خود کو حوادث پر قابو پانے کے لائق نہیں سمجھتا تو وہ حوادث سے محفوظ رہنے کے لئے کسی ایسی طاقت کا سہارا ڈھونڈتا ہے جس سے اس کو راحت کی ضمانت مل سکے۔ یہی تلاش ہے جسے عقیدہ کا نام دیا

جاتا ہے۔

انسان کی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ کسی نہ کسی عقیدے پر زندگی گزارے۔ جب وہ پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اس کے ذہن پر یہ خیال غلبہ حاصل کرلیتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جس ہستی سے تعلق قائم کرلینے کے بعد انسان حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ حوادث سے محفوظ رہنے کا جذبہ ہی انسان کو کوئی نہ کوئی عقیدہ رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

انسان کے اندر خوشی کے جذبات ہوں یا تکلیف کے جذبات۔ محدود اور عارضی ہوتے ہیں۔ مستقل نہیں ہوتے۔ ایک آدمی جو آج پریشان ہے لازما" کل خوش ہوگا۔ ایک آدمی جو آج خوش ہے کل پریشان ہوسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے انسان کسی طرح چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتا۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ کوئی آدمی رنج و راحت سے بے نیاز نہیں ہوا۔ البتہ وہ خوداعتقادی کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ خود اعتقادی کا دعویٰ اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ کوئی انسان رنج و راحت سے بے نیاز ہوگیا ہے۔ البتہ غیب پر ایمان لانے کے بعد اسے بہتری کا یقین ہوجاتا ہے۔ وہ غیب پر یقین لانے کے بعد سمجھ لیتا ہے کہ جس طاقت کے ہاتھ میں میری زندگی ہے اس کے قبضہ قدرت میں پوری کائنات ہے۔ یہ بات اسے زمین پر موجود مخلوقات کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ وہ یقین کرلیتا ہے کہ غیب پر ایمان لانا بہتری کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ غیب پر ایمان لانے کے معانی یہ ہیں غیب بہتر ہی بہتر ہے۔ اس لئے کہ غیب اللہ رحیم و کریم کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے پیغام لانے والا (سورہ الشوریٰ آیت ۵۱)

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ انسانی حواس کی رسائی اتنی ہے کہ وہ اللہ سے ہمکلام ہوسکتا ہے۔ البتہ ہمکلام ہونے کے طریقے اور راستے ہیں لیکن حواس کی رسائی اتنی ہے کہ انسان اللہ سے مخاطب ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے گفتگو کرتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اشارے سے مخاطب کرتے ہیں یا پردے کے پیچھے سے باتیں کرتے ہیں یا فرشتے کے ذریعے سے باتیں کرتے ہیں۔

حواس کی رسائی اتنی ہے کہ جب اللہ مخاطب کرتے ہیں تو انسان کی حس جسے بصارت کہتے ہیں' اللہ کے پیغام لانے والے کو دیکھ لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی اور طرح اپنے بندے پر رونمائی کرتے ہیں اس طرز کا نام حجاب ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نور علیٰ نور صورت میں بندہ پر جلوہ فرماتے ہیں۔ یہ جمیل صورت اللہ نہیں حجاب ہے۔ اس لئے کہ جب بھی صورت کا تذکرہ آئے گا تناہیت زیر بحث آجائے گی اور اللہ تعالیٰ تناہیت سے ماوراء ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب اپنی صفات میں جلوہ فرماتے ہیں تو بندہ خدوخال میں اللہ کو دیکھتا ہے۔ یہ خدوخال اللہ کی ذات نہیں بلکہ اللہ کی صفات ہیں۔

انسانی حواس کسی نقطے پر ٹھہرجاتے ہیں۔ اس ٹھہراؤ کا نام شے ہے اور ہر شے شکل و صورت رکھتی ہے۔ جب حواس کسی طرف اشارہ کرتے ہیں تو اندرونی خدوخال کو بیرونی بنا دیتے ہیں۔ جب حواس خود کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں "میں" تو یہ "میں" صرف خلاء ہے۔ گویا حواس اپنے نقش و نگار کی طرف اشارہ نہیں کررہے بلکہ ایک بے رنگ شے کا تذکرہ کررہے ہیں جو صرف خاکہ ہے۔

حواس "میں" کی رنگینیوں اور نقش و نگار کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں میں نے یہ کہا۔ میں نے وہ کیا۔ دیکھو یہ چاند ہے یہ ستارے ہیں یہ چاند اور ستارے وہ ہیں جن کی طرف میں اشارہ کررہا ہوں۔ اس طرز میں حواس اپنی ذاتی

حرکت کو قریب یا بعید دیکھتے ہیں یہ حواس ہی فرد کے اندر "میں" بن جاتے ہیں۔ اور قریب و بعید اشارہ کے ذریعے اپنی تکرار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"کیا نہیں پہنچا انسان پر ایک زمانے میں جو تھا شے بغیر تکرار کیا ہوا۔"

کبھی انسان ایسا وقت (حواس) تھا جس میں تکرار نہیں تھی۔ پھر ایسا وقت ہوا جس میں تکرار ہے۔

یہاں دو ایجنسیاں بن گئیں۔

۱۔ حواس

۲۔ حواس کی تکرار

یہ دونوں ایجنسیاں ایک یونٹ ہیں۔ اس کی وضاحت قرآن پاک میں سورہ آل عمران آیت ۲۷ میں موجود ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دستور العمل بیان فرمایا ہے۔ اللہ رات کو داخل کرتا ہے دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں۔ زندگی کو موت سے نکالتا ہے اور موت کو زندگی سے نکالتا ہے۔

رات حواس کی ایک نوع ہے اور دن حواس کی دوسری نوع ہے۔ رات کے حواس کی نوع میں مکانی اور زمانی فاصلے مردہ ہوجاتے ہیں لیکن دن کے حواس کی نوع میں یہی فاصلے زندہ ہوجاتے ہیں۔ اگر ہم اس بات کی مزید تشریح کریں تو یوں کہیں گے کہ زندگی اور موت رات اور دن۔ شعور اور لاشعور میں الٹ پلٹ ہو رہے ہیں۔

رات کے حواس دن میں داخل ہوجاتے ہیں اور دن کے حواس رات میں داخل ہوجاتے ہیں۔

ایک حواس پر اسپیس اور ٹائم کی پابندی غالب ہے۔ دوسرے حواس پر ٹائم اسپیس کی پابندی نہیں۔

ہم جب زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو پیدائش سے موت تک ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر روز دن اور ہر روز رات ہوتی ہے۔ ہم روزانہ ایک ہی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ ایک ہی طرح کا کھانا کھاتے ہیں لیکن ہر کھانے کو نیا کھانا کہتے ہیں۔ روزانہ جس گاڑی میں دفتر جاتے ہیں اس ہی گاڑی پر برسوں سفر کرتے ہیں اس کے باوجود ہر دن کو نیا دن اور ہر دن کے عمل کو نیا عمل قرار دیتے ہیں۔ یہ محض حواس کی کمزوری ہے۔ حواس ایک ہی ہیں لیکن ان میں تکرار ہو رہی ہے۔

حواس میں تکرار دو طرح ہو رہی ہے۔ حواس جب دن میں کام کرتے ہیں تو ہم دن کہتے ہیں اور یہی حواس جب رات میں کام کرتے ہیں تو ہم رات کہتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ رات کے حواس کی نوع میں مکانی و زمانی فاصلے مردہ ہوجاتے ہیں اور دن کے حواس میں زمانی و مکانی فاصلے زندہ ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وہی ہے جو زندگی کو موت سے نکالتا ہے اور موت کو زندگی سے نکالتا ہے۔

★

زمانی مکانی فاصلے

آج پیدا ہونے والا بچہ جب ساٹھ سال کا بوڑھا ہوتا ہے تو دراصل ساٹھ سال تک ہر لمحے بچہ پر موت وارد ہوتی رہتی ہے اور ہر لمحے زندگی وارد ہوتی ہے۔ جب ایک سال پر موت وارد ہوجاتی ہے تو دو سال کا ہوجاتا ہے۔ اس طرز کا انکشاف ہمیں روزانہ خواب کی دنیا میں ہوتا ہے۔

زید خواب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے ایک دوست سے باتیں کر رہا ہے حالانکہ اس کا دوست دور دراز فاصلے پر رہتا ہے لیکن خواب میں زید کو احساس بالکل نہیں ہوتا کہ اس کے اور دوست کے درمیان کوئی فاصلہ ہے۔ اسی طرح زید گھڑی دیکھ کر رات کے ایک بجے سوتا ہے۔ خواب میں ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہفتوں کا سفر کرتا ہے۔ راستے میں قیام بھی کرتا ہے۔ ایک طویل مدت گزارنے کے بعد گھر واپس آتا ہے آنکھ کھلتے ہی گھڑی دیکھتا ہے گھڑی میں ایک ہی بجے کا وقت ہوتا ہے۔ اس قسم کے خواب میں زمانی فاصلہ صفر ہوتا ہے۔ کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کی زندگی میں ایک دو یا زیادہ خواب ایسے نظر نہ آتے ہوں جس میں زمانی و مکانی فاصلے صفر ہوجاتے ہیں لیکن اگر آدمی خواب کے علاوہ بیداری میں سفر کرنا چاہے اور دوست سے باتیں کرنا چاہے منزل پر قیام کرنا چاہے تو زمانی و مکانی فاصلے صفر نہیں ہوتے۔ خواب کے حواس کو اللہ تعالیٰ نے "لیل" کہا ہے اور دن کے حواس کو اللہ تعالیٰ نے "نہار" کہا ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ

رات کی نوع دن میں داخل ہوجاتی ہے اور دن کی نوع رات میں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ رات اور دن میں حواس مشترک ہے۔ محض فاصلے مرتے اور جیتے ہیں۔ مثلاً زید اور محمود دونوں بیٹھے ہوئے ہیں چراغ جل رہا ہے چراغ کی روشنی میں زید محمود کو اور محمود زید کو دیکھ رہا ہے۔ دونوں کے لئے روشنی دیکھنے کا ذریعہ ہے۔

روشنی کی رفتار بیک وقت دو سمتوں میں ہے۔

زید کی سمت سے روشنی محمود کی آنکھ تک پہنچتی ہے اور محمود کی سمت سے روشنی زید کی آنکھ تک پہنچتی ہے۔ یہ ایک ہی چراغ کی روشنی ہے جو محمود سے زید تک اور زید سے محمود تک سفر کر رہی ہے۔ یعنی چراغ کی ایک ہی روشنی زید سے محمود تک اور محمود سے زید تک سفر کر رہی ہے۔ سفر کی سمتیں مختلف ہیں لیکن مخزن ایک ہے۔ چراغ کی روشنی میں زید محمود کو دیکھ رہا ہے یعنی زید اور محمود کے دیکھنے کا ذریعہ روشنی ہے۔ یہی روشنی جب تصورات زید میں پیدا کرتی ہے تو زید کے تصورات کہلاتے ہیں۔ یہی روشنی جب تصورات محمود میں پیدا کرتی ہے تو محمود کے تصورات کہلاتے ہیں۔

اس عمل سے مظاہر کا یہ قانون منکشف ہوتا ہے کہ سمتوں کی تبدیلی روشنی میں نہیں بلکہ مشاہدہ کرنے والے کے زاویہ نگاہ میں ہے۔ اس لئے کہ محمود اور زید ایک ہی روشنی کو دیکھ رہے ہیں لیکن دونوں کے تصورات الگ الگ ہیں۔ روشنی کا تصور زید اور محمود کے ذہن میں الگ ہے۔ محمود اور زید کے الگ الگ تصور سے روشنی میں ردوبدل واقع نہیں ہوا۔ زاویۂ نگاہ میں فرق ہوا۔

جب ہم روشنی کو ایک روشنی مانتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دیکھنے کا ذریعہ ایک مرکزی نقطہ ہے۔ جس کو مشاہدہ کرنے والے کی ذات کہتے ہیں۔ مشاہدہ کرنے والے کی ذات باری تعالیٰ سے متصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔

یہاں یہ نقطہ غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لفظ "ہم" استعمال کیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کثرت میں ہر ایک فرد کی ذات کے ساتھ خود کو وابستہ کررہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فرد کی منفرد حیثیت قائم ہے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ روشنی ایک ہے اور سمتیں دو ہیں۔ ایک سمت میں روشنی محمود کی طرف جا رہی ہے اور دوسری سمت میں روشنی زید کی طرف جارہی ہے۔ جب روشنی محمود کی طرف جا رہی ہے محمود کے تصورات کہلاتی ہے اور جب روشنی زید کی طرف جا رہی ہے تو زید کے تصورات کہلاتی ہے۔ تغیر روشنی میں واقع نہیں ہوتا روشنی بدستور اپنی حالت پر قائم ہے۔ صرف زید اور محمود کے طرزبیان میں تغیر ہے کیونکہ وہی روشنی زید میں زید کی تصویر حیات ہے اور محمود میں محمود کی تصویر حیات ہے۔ تصوف میں اس عمل کو "مرتبہ" کہتے ہیں۔ اگر ہم مرتبہ کا عام زبان میں ترجمہ کریں تو انگریزی کا ایک لفظ میکانزم (Mechanism) استعمال کرسکتے ہیں۔ میکانزم کی اساس ایک ہے فقط نام الگ الگ ہیں۔ یہی میکانزم یا مرتبہ لاشمار انواع پر مشتمل ہے۔ یہی میکانزم آدمیوں میں زید اور محمود ہے اور یہی میکانزم درختوں میں آم اور بادام ہے۔ یہی میکانزم حیوانات میں پھر بکری یا شیر ہے۔

روشنی جب انفرادی طور پر سفر کرتی ہے تو فرد کے تصورات کے مطابق شکلیں بناتی ہے۔ یہ میکانزم ایسے سیاہ نقطوں سے بنا ہوا ہے جو کائنات کی اصل ہے۔ یہی وہ نقطے ہیں جن میں گردش دوہری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں تکرار کا مفہوم استعمال کیا ہے وہاں یہی دوہری حرکت مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"کیا نہیں پہنچا انسان پر ایک وقت زمانے میں جو تھا شے بغیر تکرار کیا ہوا۔"

قرآن پاک میں جہاں تکرار کا مفہوم بیان ہوا ہے وہاں دوہری حرکت مراد ہے۔ دوہری حرکت ہر سمت میں واقع ہوتی ہے۔ اس طرح وہ بیک وقت ہر پہنائی ہر گہرائی ہر سمت اور وقت کے کمترین یونٹ میں جاری و ساری ہے۔ یہ دوہری حرکت صدوری ہوتی ہے یعنی سیاہ نقطہ پہنائی گہرائی اور سمتوں میں پے درپے چھلانگ لگاتا رہتا ہے۔ جہاں تک اس نقطے کی چھلانگ ہے وہاں تک Space کی شکل و صورت بنتی رہتی ہے۔ اس سیاہ نقطے میں وہ ساری شکلیں مخفی ہیں جو مکانی شکل و صورت میں نظر آتی ہیں۔ جب یہ نقطہ چھلانگ لگاتا ہے تو مختلف مظاہر کا روپ اختیار کرلیتا ہے۔ اسی روپ کا نام کائنات ہے۔ اس نقطے میں لاشمار پردے ہیں۔ نقطے کی دوہری حرکت کے دو رخ رات اور دن کے حواس ہیں۔ دن کے حواس میں رات کے حواس مخفی ہیں لیکن رات کے حواس میں دن کے حواس مخفی نہیں ہیں۔ ایک آدمی جو دن کے حواس میں ہے وہ دن کے حواس سے رات کے حواس نہیں دیکھ سکتا ہے جو بندہ رات کے حواس میں داخل ہوگیا وہ رات کے حواس میں دن کے حواس کا مطالعہ کرسکتا ہے یعنی ایسا بندہ جو رات کے حواس سے واقف ہوجاتا ہے اس کے اندر اللہ تعالیٰ اتنی سکت پیدا کردیتے ہیں کہ وہ جب چاہے ٹائم اینڈ اسپیس سے آزاد ہوجاتا ہے اور جب چاہے ٹائم اینڈ اسپیس میں قید ہوجاتا ہے۔

لیلۃ القدر

سیاہ نقطہ

زمان میں فاصلہ نہیں ہوتا اور مکان میں حد بندی ہوتی ہے۔ کائنات ایک نقطہ ہے اور یہی نقطہ مختلف حرکات میں سفر کرتا ہے۔ ان نقطوں کی ٹوٹ پھوٹ یا

تکرار سے دوسرے بے شمار نقطے وجود میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک میکانزم پر تخلیق کیا ہے۔ یہ میکانزم بہت سے سیاہ نقطوں سے بنا ہے۔ نقطوں کی گردش دوہری ہوتی ہے یہ دوہری حرکت ہر سمت میں واقع ہوتی ہے۔ سیاہ نقطہ (زماں) پہنائی اور گہرائی کی سمتوں میں پے درپے متحرک رہتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تکرار کرتا رہتا ہے۔ نقطہ کی تکرار کی وسعت اسپیس ہے۔

زمان کے دو مراتب ہیں ایک مکان دوسرا خود زمان۔ مکان میں فاصلے ہوتے ہیں۔ زمان میں فاصلے نہیں ہوتے۔ ایک مرتبے میں مشاہدہ کرنے والا ترتیب وار دیکھتا ہے دیکھنے کا انداز اس طرح ہوتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے بعد دوسرے پھر تیسرے اسی طرح مزید لمحوں کے یکے بعد دیگرے گزرنے کا ادراک کرتا ہے۔ مثلاً ہم وقت کو سیکنڈ منٹ گھنٹوں میں ناپتے ہیں۔ ایک منٹ سے دوسرے منٹ تک پہنچنا پھر تیسرے منٹ میں داخل ہونا ادراک کی تکرار ہے۔ اسی تکرار سے شہود میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ ان گہرائیوں کو مکانی فاصلے کہا جاتا ہے۔ مثلاً دن ایک اسپیس ہے۔ رات ایک اسپیس ہے۔ پھول ایک اسپیس ہے۔ خیال ایک اسپیس ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے سب اسپیس ہے۔ وہ چھوٹا کہ ہو یا بڑا سب اسپیس ہے۔ ایک سیکنڈ کو سنکھ حصے میں تقسیم کردیا جائے تو ہر حصہ ایک اسپیس ہے۔ یعنی سیاہ نقطے میں ازل سے ابد تک کے تمام خدوخال تہہ در تہہ موجود ہیں اور سب خدوخال اسپیس ہیں۔ سیاہ نقطہ اپنی تکرار کرتا ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ چھلانگ لگاتا ہے۔ چھلانگ لگانا معانی رکھتا ہے۔ سیاہ نقطے کی گہرائیاں اس درجہ لاتناہیت اختیار کرلیتی ہیں کہ پہلے انداز نظر کا ادراک ممکن نہیں رہتا۔ یہ انداز نظر اپنا الگ ادراک رکھتا ہے۔ اس انداز نظر میں جب سیکنڈ کی سنکھ در سنکھ تقسیم کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ذہن کی رفتار اتنی تیز ہوجاتی ہے کہ ہم اس رفتار کو کسی اعداد و شمار میں بیان نہیں کرسکتے۔ ایک سیکنڈ کو سنکھ در سنکھ حصوں میں

تقسیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا شعور اسپیس کا تذکرہ کررہا ہے۔ لیکن انداز الگ ہے۔ جب ہم سیاہ نقطے کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ لامتناہی نظر آتا ہے کہ ہم کسی بھی طرح اس کی لامتناہیت کا تذکرہ نہیں کرسکتے۔ اسی ادراک کو اللہ تعالیٰ نے لیلتہ القدر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے یہ اتارا شب قدر میں اور تو کیا بوجھا! کیا ہے شب قدر؟

"شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے' اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر امان ہے۔ وہ رات صبح کے نکلنے تک۔

لیلتہ القدر ایک ایسا ادراک ہے جو ادراک ہمارے شعوری ادراک کے مقابلے میں ساٹھ ہزار گنا ہے یعنی لیلتہ القدر کے حواس ایک ہزار دن اور ایک ہزار رات کے حواس سے افضل ہیں۔ ایک ہزار دن اور ایک ہزار راتوں کے حواس کی رفتار سے لیلتہ القدر کے حواس کی رفتار زیادہ ہے۔

سیاہ نقطے کا انداز نظر دو طرح ہے۔ سیاہ نقطے کا انداز نظر یہ ہے کہ اس کو ہم چھوٹے سے چھوٹے ذرے میں تقسیم کرکے اس کا تذکرہ کرسکتے ہیں۔ سیاہ نقطے کا دوسرا انداز نظر یہ ہے کہ ہم جب گہرائیوں میں تفکر کرتے ہیں تو ہمیں ایسی لاتناہیت ملتی ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

کائنات میں بیک وقت چار ادراک کام کررہے ہیں۔

ادراک کو سمجھنے کے لئے کائنات کی گہرائی اور پہنائی کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ ایک طرف کائنات کو سطحی طور پر دیکھا جاتا ہے اور دوسری سطح میں کائنات کو پہنائی میں دیکھا جاتا ہے۔ کائنات کو پہنائی میں دیکھنا اور گہرائی میں محسوس کرنا یا دل کی آنکھ سے کائنات کا مشاہدہ کرنا ادراک کی طرزیں ہیں۔ انسان کے اندر گہرائی پیدا ہوجاتی ہے تو دل کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ دل کی آنکھ سے دیکھنا

www.islamiurdubook.blogspot.com

اتنی وسعت رکھتا ہے کہ پوری کائنات آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ظاہر میں دیکھنا پہنائی میں دیکھنا ہے اور باطن میں دیکھنا گہرائی میں دیکھنا ہے۔ پہنائی یا گہرائی میں دیکھنا فکر طلب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا اور پھر عرش پر متمکن ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ہم تمہاری رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں۔ اللہ کا عرش پر متمکن ہونا اور رگِ جان سے قریب ہونا دونوں باتوں میں مفہوم مشترک ہے کہ پہنائی میں ادراک کرنا لاتناہیت کے بعد میں لے جاتا ہے۔ اسی بعد کو اللہ تعالیٰ نے عرش فرمایا ہے۔ گہرائی میں ادراک کرنا انسانی شعور کے قرب میں پہنچتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے رگِ جان سے اقرب فرمایا ہے۔ اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ لاتناہیت کا بعد اور لاتناہیت کا قرب یہ دونوں مقامات ایک ہی ہیں۔ صرف ادراک کے اندازے الگ الگ ہیں۔ ادراک ایک طرف پہنائی میں سفر کر کے عرش تک پہنچاتا ہے۔ دوسری طرف گہرائی کی مسافتیں طے کر کے رگِ جان کے اقرب میں جذب ہوجاتا ہے۔

کائنات کے چار ادراک

پہلا ادراک تسوید اور دوسرا ادراک تجرید ہے۔ تجرید نہر تسوید کا دوسرا رخ ہے۔ اس لئے کہ ہر بلندی کی ایک پستی ہے۔ اور ہر پستی کی ایک بلندی ہے۔ تسوید کا پست رخ تجرید ہے۔ نہر تطہیر نہر تشہید یہ دونوں رخ کائنات کی ان حدود کا تذکرہ کرتے ہیں جو ماورائے کائنات سے جاملتی ہیں۔

چار نہریں حجاب عظمت حجاب کبریا حجاب محمود اور عرش سے جاری ہوتی ہیں۔ یہ چاروں مقامات کائنات کی پستی اور بلندی 'بلندی اور پستی کا اظہار ہیں۔ ان چاروں ادراک کو الگ الگ بیان کیا جائے تو اس طرح کہا جائے گا کہ تجرید

تسوید کا دوسرا رخ ہے اور تطہیر کا دوسرا رخ تشہید ہے یعنی تسوید کا پست رخ تجرید ہے اور تطہیر کا بلند رخ تشہید ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ بلندیوں اور پستیوں کا نور ہے جیسے طاق' اس میں قندیل اور قندیل کے اندر چراغ رکھا ہو۔ یہ مقدس تیل کا چراغ بغیر کسی ظاہری روشنی کے روشن ہے۔ جس کی روشنی نور اندر نور ہر سمت سے آزاد ہے۔

جب تک سیاہ نقطہ نورانی کیفیت سے معمور ہے وہ ہر سمت سے آزاد ہے۔

جب سیاہ نقطہ تکرار کے بعد نزول کر کے روشنی کی حدوں میں داخل ہوتا ہے تو ٹائم اسپیس کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو جب تلاش کرتے ہیں تو اللہ کی ہر صفت نور در نور پردے میں ہے۔ یہ نور در نور پردے میں اللہ کی صفات ہر وقت ہر آن متحرک ہیں۔ ان صفات کو متحرک کرنے کا ذریعہ ایک نقطہ ہے۔ جیسے جیسے نقطے میں تحریک ہوتی ہے وہ نزول کرتا ہے۔ اس نزول میں دو رخ ہوتے ہیں ایک پستی کا رخ دوسرا نزول کا رخ صعود اور نزول پستی اور بلندی۔ پستی اور بلندی اللہ کی تجلیات کے انوار ہیں۔ یہ چار نہریں چار ادراک ہیں اور انہی چار ادراک کے ذریعے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

جس سیاہ نقطے کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ ہی نقطہ چاروں ادراک کا سرچشمہ ہے۔

★

ادراک کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وہ ذات جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے پیدا کیا۔

کائنات ایک نقطہ میں ریکارڈ ہے اس نقطہ کو کائنات کی مائیکرو فلم کہا جائے تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ نقطے کا ایک جگہ سے دوسری جگہ ہونا ادراک کا سرچشمہ ہے۔ ادراک اطلاع ہے۔ اطلاع ہی میں گہرائی پہنائی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اس گہرائی کے نتیجے میں نقطہ الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے اور ادراک سیاہ نقطے کی صفات ہیں۔ سیاہ نقطے کی صفات اطلاعات ہیں۔

ہمارے شعور میں یہ بات محفوظ ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ پہاڑ اپنی جگہ موجود ہے لیکن دھوئیں کی طرح ہے۔ جب پہاڑ کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہاں پہاڑ نہیں محض دھند تھی۔ ان کھربوں سال پرانی پہاڑیوں پر جب بم گرایا تو پہاڑیاں ایک سیکنڈ میں اس طرح فنا ہوگئیں جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ پہاڑیوں کی جگہ دھوئیں کا نشان باقی رہ گیا جو آہستہ آہستہ اڑ گیا۔

براہِ راست طرزِ کلام یا روحانی تفکر سے اس بات کو اس طرح سمجھا جائے کہ ایک سیکنڈ کی فنا نے کھربوں سال کی بقا کو اپنے اندر جذب کرلیا۔ جو چیز کھربوں سال میں بنی تھی وہ ایک سیکنڈ میں فنا ہوگئی اور ایک سیکنڈ کی فنا نے کھربوں سال کی زندگی کو نابود کردیا تو مفہوم یہ ہے کہ ایک سیکنڈ نے کھربوں سالوں کا احاطہ کرلیا۔

جب ہم ہیروشیما اور ناگاساکی کی پہاڑیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہیروشیما کی پہاڑیوں کو کھربوں سالوں کا روپ دے کر بیان کرتے ہیں جس طرح ایک سیکنڈ کی فنا نے کھربوں سال کی زندگی کا احاطہ کرلیا اسی طرح سیاہ نقطہ کا ایک سیکنڈ کا کھرب واں حصہ ازل سے ابد تک محیط ہے۔ ہم ازل تا ابد سیاہ نقطے کی کارگزاری کو اس لئے نہیں سمجھ سکتے کہ ہم جس ادراک کو استعمال کرنے کے عادی ہیں وہ سیکنڈ کے کھربویں حصے کا مشاہدہ نہیں کرسکتا اور جو ادراک سیکنڈ کے کھربویں حصہ کا مشاہدہ کرسکتا ہے شعوری دائرے سے باہر ہے۔

سیکنڈ کے کھربویں حصہ کا مشاہدہ کرنے کا قانون۔ سورہ قدر میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے یہ اتارا شب قدر میں اور تو کیا بوجھا کیا ہے شب قدر؟

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ کیا سمجھے' شب قدر کیا ہے؟ شب قدر کی ایک رات بہتر ہے ہزار مہینے سے اور اس رات کی خصوصیت یہ ہے کہ فرشتے اور جبرائیل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے امان اور سلامتی کی رات ہے صبح نکلنے تک۔

شب قدر میں جو ادراک متحرک ہوجاتا ہے اس ادراک کی رفتار عام شعور سے ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اگر کوئی انسان عام شعور میں اس ادراک کو متحرک کرلیتا ہے جو ادراک ساٹھ ہزار گنا ہے تو وہ کائنات کا روح کا اور فرشتوں کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔ اور تکوینی نظام کے فارمولوں سے واقف ہوجاتا ہے۔

انسان کے اندر ایک عام شعور کام کرتا ہے اور عام شعور کے برعکس اس کے اندر ایک ایسا شعور کام کرتا ہے جو ادراک یا عام شعور سے ساٹھ ہزار گنا ہے۔ تصوف میں اس ادراک کو "فتح" کہتے ہیں۔ سالک کو فتح میں داخل ہونے کے

www.islamiurdubook.blogspot.com

لئے کئی منازل سے گزرنا ہوتا ہے۔ سالک سلوک کے راستے پر سفر کرتا ہے تو عام شعور سے سفر کرتا ہے۔ عام شعور میں رہتے ہوئے طرح طرح کی مشقیں کرتا ہے ان مشقوں سے شعور کی رفتار بتدریج زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ یہ رفتار بہتر ہوتے ہوتے فتح تک پہنچ جاتی ہے۔

پہلے مقام پر جب سلوک کی راہوں پر سفر کرتے ہوئے مزاحمت ٹوٹتی ہے تو سالک کے اوپر غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔ غنودگی سے مراد یہ ہے کہ سالک آنکھیں بند کر کے بیٹھتا ہے تو اس کے اوپر سونے جاگنے کے درمیانی عمل کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اطلاع جو آنکھوں کے سامنے نہیں ہے دماغ پر وارد ہوتی ہے۔ سالک اسی اطلاع کو کسی حد تک قبول کرتا ہے اور پھر غنودگی کی کیفیت سے نکلنے کے بعد شعور کی مزاحمت گھٹتی ہے تو "ورود" میں داخل ہو جاتا ہے۔ ورود کے اندر شعوری مزاحمت ٹوٹتی ہے تو سکت اور بڑھتی ہے سکت میں اضافہ کے بعد سالک تیسری منزل میں داخل ہو جاتا ہے اس مقام کو کشف کہتے ہیں۔ کشف کے بعد الہام اور الہام کے بعد معائنہ اور معائنہ کے بعد مشاہدہ ہوتا ہے۔ مشاہدے کے بعد سیر اور سیر کے بعد فتح کا مقام ہے۔ یہ سب مقامات سیاہ نقطے کے ادراک ہیں۔ جیسے جیسے شعور سیاہ نقطے کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے اسی مناسبت سے وسعت پیدا ہوتی ہے اور وسعت میں اضافے کے ساتھ شعور کی رفتار میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور یہی رفتار بڑھ کر ساٹھ ہزار گنا ہو جاتی ہے اور جب کسی بندے کے اندر شعوری رفتار ساٹھ ہزار گنا ہو جاتی ہے تو اس کے سامنے فرشتے آجاتے ہیں فتح کے حامل بندہ کی بصیرت اتنی وسعت اختیار کر لیتی ہے کہ وہ ازل سے ابد تک کے معاملات کو کھلی آنکھوں سے دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ فتح کے مقام پر مراقبے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ بندہ جو اللہ کے انعام کے تحت فتح سے واقف ہو جاتا ہے یا جس کے ذہن میں فتح کی رفتار پرواز متحرک ہو جاتی ہے وہ کائنات کے بعید ترین فاصلوں میں نظام شمسی کو

بنتا اور طبعی عمر تک پہنچ کر فنا ہوتے دیکھتا ہے۔

کائنات ازل ہے۔ ایسی ازل جس میں کائنات ہر آن ہر لمحہ تخلیق ہو رہی ہے۔ ایک طرف تخلیق ہو رہی ہے اور دوسری طرف فنا ہو رہی ہے۔ فنا اور بقا کا یہ نظام ہر لمحہ جاری و ساری ہے فنا اور بقا کے لمحات اتنی تیزی سے جاری اور متحرک ہیں کہ ہم انہیں کسی بھی طرح وقت کے پیمانے میں بند نہیں کر سکتے۔ اس ہی لئے اس کو سیاہ نقطہ کے اندر سیکنڈ کا کھربواں حصہ کہا گیا ہے یعنی ایک سیکنڈ کے کھربویں حصے میں لاشمار کہکشانی نظام تخلیق پاتے ہیں اور اسی لمحے سیکنڈ کے کھربویں حصہ میں فنا ہو جاتے ہیں۔ ہم انسان کی فنا اور بقا کو ٹائم اور اسپیس میں بیان نہیں کر سکتے۔ جس طرح پیدائش کے بعد بچہ ہر آن پیدا ہو رہا ہے اور مر رہا ہے اسی طرح ساری کائنات سیکنڈ کے کھربویں حصہ میں تخلیق ہو رہی ہے اور اسی لمحہ میں فنا ہو رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قلم لکھ کر خشک ہو گیا

فتح کا حامل بندہ یہ دیکھتا ہے کہ لاشمار کہکشانی نظام تخلیق ہو رہے ہیں اور لاشمار دور سے گزر کر فنا ہو رہے ہیں۔ فتح کا ایک سیکنڈ ازل سے ابد تک محیط ہوتا ہے اس سے یہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ "وقت" محض ایک مفروضہ ہے اور ایک ایسی اطلاع ہے جس اطلاع کو ہم شعوری طور پر محیط کر کے دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب کہ وہ محدود نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ زید اخبار پڑھتا ہے اور زید کہتا ہے کہ میں نے اخبار پڑھا۔ میں نے خط لکھا۔ کون کہتا ہے اخبار کس نے پڑھا خط کس نے لکھا؟ یہ سب زید نے کہا مگر بیان کرنے والا سمجھنے والا زید کا ذہن ہے۔ زید نے کیا کہا! اس کا جاننے والا زید کا ذہن ہے۔ جاننے کی نوعیت اطلاع سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ زید نے کیا

کام کیا۔ اس کا جاننے والا زید کا ادراک ہے۔ جب ہم زید کے جاننے کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے علاوہ کوئی بات نظر نہیں آتی کہ جاننے کی نوعیت اطلاع سے زیادہ نہیں ہے۔ زید کے ذہن میں ایک اطلاع وارد ہوئی کہ اخبار پڑھو۔ دوسری اطلاع پر زید نے خط لکھا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ جاننے پڑھنے کی نوعیت اطلاع سے زیادہ نہیں ہے۔ اخبار پڑھنا خط لکھنا سب اطلاعات ہیں۔ یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ زید کا خط لکھنا اخبار پڑھنا اطلاعات ہیں تو یہ تلاش کرنا ضروری ہو گیا کہ زید کون ہے؟ اگر ہم ان اطلاعات سے قطع نظر کرلیں تو یہ کہنا کہ زید کون ہے اور زید نے کیا کیا۔ سب بے معنی باتیں ہیں۔

حقیقت صرف یہ ہے کہ زید کے ذہن کو اطلاعات موصول ہوئیں اور اس نے ان اطلاعات کو قبول کیا۔ اطلاع دینے والا بھی ذہن ہے اور قبول کرنے والا بھی ذہن ہے۔ اطلاع دینے والا اور اطلاع قبول کرنے والا وہی سیاہ نقطہ ہے جسے ادراک کہا گیا ہے۔

نو کروڑ میل 3424 سال

"ادراک" کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی زمانیت یا مکانیت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

ادراک کیا ہے؟

ادراک دراصل لمحات کی تقسیم ہے۔ ایسی تقسیم جو بڑے سے بڑے وقفے کو چھوٹی سے چھوٹی کسر میں بیان کردے اور چھوٹے سے چھوٹے وقفے کو بڑے سے بڑے وقفے میں تقسیم کردے۔ لمحہ کوئی وقفہ نہیں ہے بلکہ ایسی اطلاع ہے جو اطلاع کھربویں حصے میں لمحے کو تقسیم کر دیتی ہے۔ یہی اطلاع لمحے کو طویل وقفے میں بیان کر کے کروڑوں سال میں محیط کر دیتی ہے۔ اسی سال کا بوڑھا جب اپنے بچپن کے واقعات سناتا ہے تو وہ ایک لمحہ میں اسی سال کے وقفوں کو بیان کر دیتا ہے۔

حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس طرح بچپن سے اسی سال گزار کر آدمی اسی سال کا ہوا اسی طرح اسی سال بچپن میں جانے کے لئے وقت گزرتا۔ سو سال کا بوڑھا جب بچپن کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے اندر بچپن سے لے کر سو سال کا عرصہ فلم کی طرح لپٹ کر سامنے آجاتا ہے۔

سائنس دان زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ میل بتاتے ہیں۔ ہم جب زمین پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھتے ہیں تو لمحے کے کروڑویں حصہ میں سورج کو دیکھ لیتے ہیں۔ جب کہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہم نو کروڑ میل کا فاصلہ (ایک گھنٹہ میں تین میل کے حساب سے) تین ہزار چار سو چوبیس سال سفر کر کے سورج تک پہنچے۔ اسی طرح دوسرے سیاروں کا تذکرہ آتا ہے کہ فلاں سیارہ سورج سے بھی دور ہے لیکن جب اس سیارے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو وہ سیارہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ زمین سے سیارے کا فاصلہ کھربوں میل پر پھیلا ہوا ہے۔ ہم ایک لمحے میں اس فاصلے سے گزر جاتے ہیں۔ جو چیز کروڑوں میل کے فاصلے کو لمحے سے روشناس کرتی ہے' ادراک ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ انسان اور اللہ کے رشتہ میں کسی قسم کا بعد نہیں ہوتا لیکن چونکہ ہم نے ادراک کے نقطہ نظر سے ادراک کی تقسیم کو بڑے سے بڑا وقفہ تسلیم کر لیا ہے اس لئے اللہ کے اور بندے کے درمیان بظاہر دوری نظر آتی ہے' جو نہیں ہے۔ ہم جب کہتے ہیں کہ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ میل ہے اور اگر اس نو کروڑ میل کو تسلیم کرلیں اور اللہ کی موجودگی جس مقام پر ہے اس مقام کا تعین کریں تو کھربوں میل کا فاصلہ بن جاتا ہے۔ سورج سے آسمان تک کا فاصلہ نو کروڑ میل فرض کرلیں اور الہامی کتابوں کے مقامات ذہن میں رکھیں تو صحائف کے نقطہ نظر سے زمین' سات آسمان' عرش اور کرسی ہے۔ زمین سے عرش اور کرسی تک دس مقامات کا تعین ہوتا ہے۔ ہر ہر قدم کا فاصلہ نو کروڑ میل فرض کر لیا جائے تو اللہ اور بندے کے درمیان نوے کروڑ میل

کا فاصلہ بنتا ہے۔

ادراک دراصل ایک نقطہ ہے۔ اس نقطے کے پھیلاؤ کا نام ادراک اور سمٹنے کا نام بھی ادراک ہے۔ نقطہ جب سمٹتا ہے تو وقفے نظرانداز ہوجاتے ہیں اور جب نقطہ پھیلتا ہے تو فاصلے طویل ہوجاتے ہیں۔

روحانیت درس دیتی ہے کہ اس نقطے کو سمجھ کر نقطہ کی اس واردات سے رشتہ مستحکم کریں جو نقطہ کا سمٹنا ہے۔ اگر ہم اس نقطے کے سمٹنے سے رشتہ استوار کرلیتے ہیں تو ہمارے اور کائنات کے درمیان فاصلے معدوم ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس نقطے کے پھیلاؤ سے رشتے قائم کرتے ہیں تو فاصلے طویل ہوجاتے ہیں۔ فاصلے کی طوالت کو ذہنی طور پر جتنا قبول کرلیتے ہیں اسی مناسبت سے ٹائم اسپیس کی گرفت زیادہ ہوجاتی ہے اور جس قدر ہم اپنے اوپر فاصلے اور وقفوں کا ہجوم توڑ دیتے ہیں اسی مناسبت سے فاصلے کی نفی کردیتے ہیں اور ادراک کے اس زاویے میں قدم رکھ دیتے ہیں جہاں ٹائم اسپیس ختم ہوجاتا ہے۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ ادراک زمان ہے اور ادراک کسی سیکنڈ کی کم سے کم کسر ہے۔ دوسری طرف ادراک طویل سے طویل وقفہ ہے۔ یہ دونوں ادراک کے دو رخ ہیں۔ ہر شخص ادراک کے اس طرز عمل سے ہروقت گزرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ہر انسان کو ادراک کے سمٹنے اور پھیلنے کی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔

جب ہم نقطے کے سمٹنے کے ادراک کا تذکرہ کرتے ہیں تو خواب اور رات کی زندگی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جب ہم نقطے کے پھیلنے کا تذکرہ کرتے ہیں تو دن اور بیداری کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ادراک کی دونوں طرزیں انسان میں موجود ہیں اور ہمہ وقت متحرک ہیں۔ ادراک ذہن کے علاوہ کچھ نہیں ہے یعنی ذہن جس طرح وقفوں کی پیمائش کرتا ہے وقفوں کی پیمائش چھوٹی کسر میں یا طویل وقفوں میں ہے دونوں ادراک کے دو رخ ہیں۔

جب اطلاع کا تذکرہ کرتے ہیں اس اطلاع میں ہمیں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ملتی کہ جہاں سے اطلاع چلی وہ بھی کسی کا ذہن ہے اور جس مقام پر اطلاع قبول کی گئی وہ بھی ذہن ہے۔ اطلاع دینے اور قبول کرنے والا ذہن ہے۔

ذہن کے دو رخ ہیں اور ذہن ہی ہمیں نقطے کے سمٹنے اور پھیلنے کی اطلاع دیتا ہے۔ ہیروشیما پہاڑیوں کے تذکرہ میں ایک ذہن کہتا ہے کہ فنا ہونے والی پہاڑیوں کی عمر دو کھرب سال ہے' یہ دو کھرب سال کہاں سے آئے' کس نے بتایا کہ یہ دو کھرب ان پہاڑیوں کی عمر ہے کوئی فرد واحد دو کھرب سال تک زندہ نہیں رہتا اور نہ یہ ممکن ہے کہ دو کھرب سال کی تاریخ ذخیرہ ہو۔ جب انسان اس معمہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ انسانی شعور ناقص ہے۔

انسان کے پاس پانچ ہزار سال کی تاریخ موجود نہیں ہے اور جب پانچ ہزار سال کی تاریخ موجود نہیں تو دو کھرب سال کا تذکرہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دو کھرب سال کا تذکرہ کرنا یا دو کھرب سال کی عمر کا تعین محض ایک اطلاع ہے۔ اطلاع کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ایک سال کو ایک یونٹ قرار دیا جائے تو دو کھرب سال کو دو کھرب یونٹ کہا جائے گا یعنی ادراک نے ایک احساس کو دو کھرب حصوں پر تقسیم کردیا۔ یہ ایک اطلاع ہے لیکن اس کی طوالت دو کھرب سال کا زمانہ ہے۔ دو کھرب سال کسی نے نہیں دیکھے دو کھرب سال کے زمانے کو کسی طرح ذہن کے اندر محسوس نہیں کرسکتے۔ لیکن جب سننے والے نے دو کھرب سال کی اطلاع کے بارے میں سنا تو اس نے عملاً دو کھرب سال کی طوالت کا احساس کیا اس نے دو کھرب سال کی اطلاع کو قبول کرلیا۔

ہیروشیما کی پہاڑیوں کی عمر دو کھرب سال ہے' اسے یوں کہیں گے کہ ادراک کے ایک سیکنڈ میں دو کھرب سال کا پیمانہ موجود ہے۔ دو کھرب سال کس طرح گزارے دو کھرب سال کب گزرے دو کھرب سال کس نے گزارے اس

بات کو بیان کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ محض اطلاع ہے۔ ایسی اطلاع جس کے ادراک کی طوالت ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہے لیکن ذہن نے اطلاع کو قبول کیا اور قبول کرنے کے بعد دو کھرب سال کی طوالت کا احساس کرلیا۔

روشنی غیر متواتر

ہر فرد اپنے بارے میں یہ جانتا ہے کہ میں ہوں جب کوئی فرد یہ جان لیتا ہے کہ میں ہوں تو اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ جب ذہن میں میں کیا ہوں کا سوال ابھرتا ہے تو یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔

میں ہوں کا تعلق علم سے ہے۔ میں ہوں کس طرح معلوم ہوا کہ میں ہوں۔ انسان کی اپنی ذات کا تشخص اور اپنی انفرادی حیثیت علم ہے۔ میں کی حیثیت علیم اور ہوں کی حیثیت علم ہے۔ بندہ اپنی انفرادیت کا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے میں ایک طرف علم ہوں اور دوسری طرف علیم ہوں۔ یہ علیم کون ہے یہ صفت کیسے وجود میں آئی علیم نے اپنی صفت کا مظاہر کس طرح کیا؟

علم اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ انسان بحیثیت علیم اور بحیثیت علم دو رخوں سے مرکب ہے۔ علم ہو یا علیم دونوں کا تعلق اطلاع سے ہے۔ یہ اطلاع کہ میں ہوں کہاں سے آئی یوں سمجھئے کہ انسان ایک اطلاعاتی ادراک ہے۔ ایسا ادراک جس کی بنیاد اطلاع پر قائم ہے۔ اطلاع کے اندر معانی پہنائے جاتے ہیں۔ ایک طرف اطلاع میں معانی نہیں ہوتے اور دوسری طرف اطلاع میں معانی پہنائے جاتے ہیں۔ اطلاع کے اندر جب طوالت ہوتی ہے تو وقفہ پیدا ہوجاتا ہے اور جب طوالت نہیں ہوتی تو وقفہ کم سے کم ہوجاتا ہے یا اتنا کم ہوجاتا ہے کہ وقفہ نہیں رہتا۔ اطلاع میں ادراک کی طوالت ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہے لیکن یہی طوالت جو ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہے کھربوں سال پر محیط ہوجاتی ہے جب ہم

کھربوں سال کا تذکرہ کرتے ہیں تو کھربوں سال کا وقفہ ایک سیکنڈ سے زیادہ ہوتا ہے۔

انسان ایک اطلاع ہے چونکہ انسان بذات خود اطلاع ہے۔ اس لئے ساری زندگی اطلاع ہے۔ جذبات و احساسات اور حواس کا تعلق اطلاع پر ہے۔ اطلاع ہے تو حواس ہیں۔ اطلاع نہیں ہے تو حواس نہیں ہیں۔

اطلاع کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

God said light and there was light

خدا نے کہا روشنی! اور روشنی ہوگئی۔ اسی بات کو قرآن پاک نے کُن فیکون بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہو جا اور وہ ہوگیا جب ہم اللہ کہتے ہیں تو اللہ کو روشنی کے علاوہ کوئی نام نہیں دے سکتے۔ جب روشنی نے اپنے کسی پروگرام کو نشر کرنا چاہا تو اس پروگرام کو (جو روشنی کے ذہن میں محفوظ ہے) حکم دیا حکم کے بعد ذہن کے اندر موجود پروگرام کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ روشنی نے کہا روشنی اور روشنی ہوگئی۔ اس لئے کہ روشنی کے ذہن میں جو کچھ ہے سب روشنی ہے۔

ایکویشن یہ بنی کہ ساری کائنات ایک روشنی کے ذہن کا عکس ہے۔ چونکہ سارا پروگرام روشنی کے ذہن سے منتقل ہوا اس لئے پروگرام کا ہر جز ہر کردار روشنی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

"اللہ نور السموات والارض"

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور (روشنی) ہے۔

کائنات میں موجود ہر شے روشنی ہے۔ ہماری بصارت بھی روشنی ہے، سماعت بھی روشنی ہے۔ فہم و فراست کی صلاحیت بھی روشنی ہے۔ جس ماحول میں ہم زندہ ہیں اس ماحول میں تمام چیزیں روشنی ہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ کائنات

www.islamiurdubook.blogspot.com

کا ہر چھوٹا جز اور بڑا جز روشنی ہے تو کتاب اور کتاب کے الفاظ بھی روشنی ہیں۔ چونکہ کتاب بھی روشنی ہے الفاظ بھی روشنی ہیں اس لئے ہماری نظر بھی روشنی ہے۔ روشنی کو روشنی پڑھتی ہے اور روشنی کو روشنی دیکھتی ہے۔ ہم جب کتاب پڑھتے ہیں تو روشنی پڑھتے ہیں روشنی سمجھتے ہیں۔

روشنی کیا ہے؟

روشنی ایک اطلاع ہے یعنی روشنی اور اطلاع ایک ہی چیز ہے۔ انسان اپنی حفاظت کے لئے لباس بناتا ہے وہ لباس سوتی کپڑے کا اونی کپڑے کا یا کھال کا ہوتا ہے۔ جب تک لباس گوشت کے جسم پر ہے لباس میں حرکت ہے جب جسم پر سے لباس اتار دیا جاتا ہے تو لباس میں حرکت نہیں رہتی۔ لباس بھی روشنی ہے یہ لباس "نسمہ" ہے۔

سائنس اس مرحلہ تک پہنچ گئی ہے کہ انسان اور انسان کے علاوہ جتنے بھی افراد ہیں سب روشنیوں کے خول میں بند ہیں۔ روشنی خود روشنی ہے۔ دوسری طرف روشنی اپنی خودی کو ظاہر کرنے کے لئے روشنی دکھاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کائنات میں جتنی چیزیں موجود ہیں روشنی ہیں۔ روشنی مظاہرہ کرنے کے لئے لباس بناتی ہے جب تک روشنی لباس سے رشتہ قائم رکھتی ہے لباس قائم رہتا ہے اور جب روشنی لباس سے رشتہ توڑ لیتی ہے لباس بکھر جاتا ہے۔ روشنی کی حرکت مسلسل اور متواتر ہے۔ روشنی کسی لمحے چین سے نہیں بیٹھتی اس لئے ہر لمحہ ہر آن نیا روپ نیا لباس بنا کر مظاہرہ کرتی ہے۔ روشنی بتاتی ہے کہ میں ہوں اور "میں ہوں" اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں اور اطلاع خود روشنی ہے۔

لیکچر ۴۰

انسان روحانیت کہاں سے سیکھے؟

حضور قلندر بابا اولیاء کی تصنیف کتاب لوح و قلم نوع انسان کے لئے ماورائی علوم کا ورثہ ہے۔ اس روحانی ورثہ سے استفادہ کر کے نوع انسان اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں۔

جب سے کائنات بنی ہے اور کائنات میں بے شمار دنیائیں تخلیق ہوئی ہیں ان تخلیقات میں جب ہم پیغمبروں کا وصف تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ پیغمبروں نے نوع انسانی کو اچھائی اور برائی کے تصورات سے آگاہ کیا ہے۔ جتنے بھی اعمال و حرکات ہیں اس میں نوع انسانی اور تمام نوعیں مشترک ہیں۔ لیکن ان اعمال میں اچھائی اور برائی کا تصور صرف نوع انسانی کو منتقل ہوا۔ جب ہم زمین پر موجود دوسری نوعوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہر نوع دوسری نوع کے ساتھ باہم مشترک نظر آتی ہے۔ زندگی کے جتنے تقاضے ہیں اور جتنے جذبات و احساسات زندگی بنتے ہیں وہ سب دوسری نوعوں میں بھی ہیں۔ انسان اور دوسری نوعوں میں یہ فرق ہے کہ انسان کے پاس علم (Knowledge) دوسری نوعوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ انسان اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ زندگی اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اطلاع بذات خود نہ بری ہے نہ اچھی ہے۔ اطلاع میں معانی پہنانا اچھائی یا برائی ہے۔

ایک آدمی محنت مزدوری کر کے غذائی ضروریات پورا کرتا ہے۔ دوسرا

ادمی چار سو بیس کر کے غذائی ضروریات پوری کرتا ہے۔ محنت مزدوری میں وقت لگانا پڑتا ہے اور دماغی صلاحیتیں استعمال کرنا پڑتی ہیں۔ چوری کے لئے بھی وقت لگتا ہے اور محنت کرنا پڑتی ہے۔ دونوں اعمال کا صلہ یہ ہے کہ روٹی کھانے کے بعد جسم میں انرجی پیدا ہوتی ہے خون بنتا ہے اور خون کی ترسیل سے زندگی کا چراغ جلتا ہے۔ اگر تصورات میں برائی کے معانی پہنائے گئے ہیں تو ضمیر ملامت کرتا ہے اور اگر اطلاع میں اچھائی کے معانی پہنائے گئے ہیں تو ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔

نوع انسانی کے علاوہ دوسری کوئی مخلوق ضمیر سے واقف نہیں ہے۔ دوسری مخلوق نہیں جانتی کہ ضمیر کا مطمئن ہونا یا ضمیر کا ملامت کرنا کیا معانی رکھتا ہے۔ جب انسان اطلاعات میں معانی پہنا کر اپنی زندگی کا محاسبہ کرتا ہے تو زندگی کا محاسبہ اسے مطمئن کردیتا ہے یا بے چین کردیتا ہے۔ اطمینان آدم زاد کو روح سے قریب کرتا ہے۔ بے چینی اور ضمیر کی ملامت آدم زاد کو روح سے دور کردیتی ہے۔ جب انسان اطمینان قلب کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو کسی نہ کسی مرحلے میں روح کا سراغ مل جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ زندگی کا دارومدار اطلاع پر ہے اور اطلاع کا تعلق روح سے ہے۔ جب تک روح اطلاعات فراہم کرتی رہتی ہے۔ زندگی زندگی رہتی ہے اور جب روح اطلاعات کا سلسلہ منقطع کردیتی ہے تو زندگی موت میں بدل جاتی ہے۔ روح کی قربت کے بعد آدم زاد کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ روح کیا ہے؟ انسان سمجھنا چاہتا ہے کہ میں کیا ہوں کائنات اور خالق کائنات سے میرا کیا رشتہ ہے۔ اس کے علم میں یہ بات آجاتی ہے کہ خالق اور مخلوق کے رشتہ کی تلاش میں جدوجہد کرنا روحانیت ہے۔

خواتین و حضرات آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تصنیف لوح و قلم کی تشریح سے متعلق لیکچر مجھ عاجز مسکین خواجہ شمس الدین عظیمی سے سنے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اور مجھے اللہ نے الہامی کتاب

لوح و قلم کی فراست عطا کی ہے۔ کتاب لوح و قلم کا خلاصہ یہ ہے کہ

کائنات میں انسان واحد مخلوق ہے جو علمی اور ذہنی طور پر خالق کائنات اللہ کا تعارف حاصل کرسکتی ہے۔ نوع انسانی کائنات میں وہ مخلوق ہے جو کائناتی امور میں کارکن کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایڈمنسٹریشن کے ذریعے کائناتی نظام کو متحرک کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں صرف نوع انسان کو یہ نعمت عطا کی ہے کہ کائنات اور کائنات کی تخلیق سے متعلق فارمولوں کا علم انسان کو منتقل کردیا ہے اور جب کوئی انسان نظامت سے متعلق علوم کو سیکھ لیتا ہے وہ کائنات کا رکن بن جاتا ہے اور رکن بننے کے بعد اللہ کی نیابت و خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے۔ جب کوئی بندہ اللہ کی نیابت اور انتظامی امور کے میکانزم کو سمجھ لیتا ہے تو کائنات پر بفضل ربی اس کی حکمرانی قائم ہوجاتی ہے۔ کائنات سے مراد جمادات نباتات حیوانات فرشتے اور دوسری مخلوقات ہیں۔ الہامی کتاب "لوح و قلم" ہمیں راستہ دکھاتی ہے کہ ہم بحیثیت انسان اللہ کی ایسی مخلوق ہیں کہ اگر ہم اللہ کے دیئے ہوئے وصف کو جو روح کے رشتہ سے ہمارا ورثہ ہے تلاش کرلیں تو کائنات میں ایک ممتاز رکن بن جائیں گے۔ لوح و قلم کا طالب علم اور لوح و قلم کا سمجھنے والا بندہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوجاتا ہے کہ یہ کائنات ادراک کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ادراک اطلاع ہے۔ اس اطلاع یا روشنی کا تعلق براہ راست اللہ سے ہے۔ سننا دیکھنا محسوس کرنا چھونا سب اس وقت تک ہے جب تک انسان کے اندر روح ہے۔ روح آپ کو اطلاعات منتقل کرتی رہتی ہے اور جب روح دیکھنے سننے چھونے محسوس کرنے کی اطلاعات فراہم نہیں کرتی تو ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ محسوس کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

میں نے تمہیں سماعت اور بصارت دی۔ مخلوق میری سماعت سے سنتی ہے

www.islamiurdubook.blogspot.com

اور بصارت سے دیکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

دیکھنے اور سننے کی اطلاع میں نے دی۔ اطلاعات کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے۔ جب ہم عام حالات میں اطلاع کا تذکرہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت کم اطلاعات وصول ہوتی ہیں۔ اگر ہم کائنات میں پھیلی ہوئی تمام اطلاعات کے مقابلے میں اپنی مادی زندگی کی اطلاعات کا مقابلہ کریں تو صفر کے علاوہ کچھ نہیں بچتا۔

مادی زندگی میں جو اطلاعات جذبات بنتی ہیں وہ محدود ہیں لیکن روحانی زندگی میں اطلاعات کا پھیلاؤ اور وسعت بہت زیادہ ہے۔

روحانیت کیا ہے۔ روحانیت کہاں سے سیکھیں؟ کیا ہمارے پاس اس سلسلے میں کوئی ممکنہ مکتبہ فکر ہے۔ جہاں سے ہم سند حاصل کریں۔ روحانی علوم کی سند قرآن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر رحمت اللعالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر اپنی تمام نعمتیں پوری کردیں۔ تمام نعمتیں تخلیق کائنات سے متعلق اسرار و رموز اور کائناتی تسخیری فارمولے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نعمت کو جو اللہ نے ان پر پوری فرما دی ہے۔ تمام کی تمام قرآن پاک میں بیان فرما دی ہے۔ اگر انسان اپنی ذات سے واقف ہونا چاہتا ہے اگر انسان دوسری مخلوقات سے ممتاز ہوکر اشرف المخلوقات بننا چاہتا ہے اگر انسان اللہ کی بادشاہی میں شریک ہوکر اللہ تعالیٰ کے نظام تکوین میں کارکن بننا چاہتا ہے اور کائنات پر حاکمیت چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ قرآن میں روحانی علوم تلاش کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ پیغمبروں میں بے شمار پیغمبر ایسے گزرے ہیں جن پر صحیفے نازل ہوئے۔ کئی پیغمبروں پر کتابیں نازل ہوئیں۔ لیکن تکمیل علم اور تکمیل نعمت کا تذکرہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا ہے۔

کتاب لوح قلم جس کے لیکچر آپ نے سنے اور اپنی ڈائریوں میں لکھے۔ صدر الصدور ممثل کُلیات ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعمیل ارشاد میں لکھوائی۔

الحمدللہ! مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ میں نے اس کتاب کا ایک ایک لفظ لکھا۔ لفظوں کی معنویت پر غور کیا۔ مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے تصرف اور فیض سے جو کچھ میں نے اس کتاب میں لکھا اور پڑھا۔ الحمدللہ آپ سب نے آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سنا اور ذہن میں محفوظ رکھا۔ جس قدر مجھے مرشد کریم نے لوح و قلم کے ذریعے علوم سکھائے (یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے لوح و قلم کو سمجھ لیا ہے) جس حد تک میری کوتاہ فہم میں آیا میں نے آپ تک پہنچا دیا۔ اب میرا اور آپ سب کا فرض ہے کہ اس علم کو جس طرح ممکن ہو اللہ کی مخلوق تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ ہم سب کو حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے مشن کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

ایک بات اور عرض کرنا ہے کہ ہمارے پاس کتابی شکل میں قرآن پاک موجود ہے۔ نوع انسانی کے لئے اللہ نے قرآن پاک خاتم النبیین سرور عالمین باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ لکھوائی۔ اس کتاب کا مسلمانوں نے جو حشر کیا وہ ہمارے سامنے ہے اس کتاب سے اس لئے فائدہ نہیں اٹھاسکے کہ ہم نے اس کتاب کو پڑھا مقدس جانا لیکن اس میں تفکر نہیں کیا۔ قانون یہ ہے کہ جب تک کسی شعبے یا علم میں تفکر نہیں کیا جاتا علم کی تکمیل نہیں ہوتی۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے کتاب لوح و قلم لکھوائی۔ اس کو بھی اگر ایک عجوبہ تحریر سمجھ کر پڑھا گیا تو فائدہ نہیں ہوگا۔ کتاب لوح و قلم سے اس وقت فائدہ ہوگا جب آپ کے اندر تفکر کا پیٹرن بن جائے۔ ساری جدوجہد اس کتاب

کے سلسلے میں یہی ہے کہ انسان کے اندر سوچ اور تفکر متحرک ہو جائے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ عاجز سے پوچھا۔

آپ اگر کسی سے دوستی کرنا چاہیں تو کیا کریں گے۔ میں نے کہا اس کی خاطر مدارت کریں گے۔ ارشاد فرمایا اور جب خاطر مدارت نہیں کرو گے تو دوستی ختم ہو جائے گی پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ دوستی اس وقت پکی ہوتی ہے جب دوست کے رنگ کو اپنے اوپر غالب کرلیا جائے۔ دوست کی طرز فکر اپنی طرز فکر اور دوست کے مزاج کو اپنا مزاج بنالیا جائے۔ اگر کسی نمازی سے دوستی مطلوب ہے تو پکا نمازی بننا پڑے گا۔ علیٰ ھذالقیاس جب تک آدمی دوست کی دل چسپیوں کو اپنی دل چسپی نہیں بنائے گا دوستی پکی نہیں ہوگی۔

ہم حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے دوستی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اخلاق حسنہ پر عمل کرنا ہوگا۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کے ضمن میں تفکر کیا ہے ابھی نبوت سے سرفراز نہیں کئے گئے تھے حضرت جبرائیل امین سامنے نہیں آئے تھے، لیکن تفکر کا یہ عالم تھا کہ میلوں دور غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور اللہ کی نشانیوں میں غور فرماتے تھے۔ مراقبہ کرتے تھے۔ نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قاصد جبرئیلؑ کو سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس بھیج دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے جلیل القدر درجہ پر فائز ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرز فکر کے تحت وہ تمام علوم نوع انسانی کو منتقل کردیئے جن علوم کو سیکھ کر کوئی بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ سے دوستی کر سکتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

میں یہ کتاب سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم سے لکھ رہا ہوں۔ ایک جگہ یہ فرمایا ہے کہ اس کتاب کو اگر غور وفکر کے ساتھ پڑھا جائے اور معانی تلاش کئے جائیں تو یقیناً وہ تمام علوم منکشف ہو جائیں گے جو کتاب لوح وقلم میں بیان ہوئے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ایک ایسی قرآنی تفہیم ہے جس کو تھوڑا پڑھا جائے اور زیادہ غور کیا جائے جیسے جیسے تفکر کیا جائے گا اسی مناسبت سے شعوری سکت بڑھے گی۔ انشاء اللہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ شعور لاشعوری تحریکات کو قبول کرلے گا۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ہمارے اوپر شعور غالب ہے اور لاشعور مغلوب ہے۔ اس کتاب کو سمجھنے کے بعد لاشعور غالب ہو جاتا ہے اور شعور مغلوب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فیض کو تمام عالم میں عام کردے۔ آمین ثمہ آمین۔

شرح لوح و قلم تصنیف حسن اخری سید محمد عظیم برخیا المعروف

قلندر بابا اولیاء

شارح

اپنے مرشد کا داس

خواجہ شمس الدین عظیمی

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

کلر تھراپی

خواجہ شمس الدین عظیمی

زندگی روشنی سے شروع ہوتی ہے......... روشنی زندگی کو برقرار رکھتی ہے اور روشنی پر ہی زندگی ختم ہوجاتی ہے......... ہر جاندار کی جان روشنی کے غلاف میں بند ہے۔ سورج کی روشنی شعور سے ٹکرا کر سات رنگوں میں بکھر جاتی ہے۔

کتاب **کلر تھراپی** میں

بتایا گیا ہے کہ رنگ اجسام کے اندر جنریٹر (Generator) کا کام کرتے ہیں۔ سورج کائناتی قوتوں کا نہ ختم ہونے والا ایسا خزانہ ہے جو زمینوں پر بسنے والی مخلوق کو ازجی فراہم کرتا ہے۔ اگر سسٹم میں خرابی واقع ہوجائے اور کرہ ارضی سورج کی روشنی سے محروم ہوجائے تو درخت، پھول، پھلواری، سبزہ اور دوسرے تمام جاندار ختم ہوجائیں گے۔

کتاب **کلر تھراپی** میں

اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ رنگوں میں ایسی شفا بخش خاصیت موجود ہے جو مریضوں کو صحت فراہم کرتی ہے۔ رنگ ہمارے اذہان، ہمارے احساسات، ہمارے اندر کے اندھیرے اور ہمارے جسم کی کثافتیں ختم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ رنگوں کی کمی یا زیادتی سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ رنگوں کے اعتدال سے بیماریوں سے شفا ہوجاتی ہے۔

کلر تھراپی کا مطالعہ کرنے سے اس حقیقت کا علم حاصل ہوتا ہے کہ ہماری جسمانی اور ذہنی صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ روشنی اور رنگوں کا توازن برقرار رہے۔ اپنے جسم میں روشنی اور رنگوں کا توازن برقرار رکھنے کے لئے رنگوں سے علاج کیجئے جو کہ اتنا آسان ہے کہ ہر شخص گھر بیٹھے اپنا اور اپنے متعلقین کا علاج خود کرسکتا ہے۔

قیمت: =/195 روپے

الکتاب پبلی کیشنز

1-K-5 ناظم آباد۔ کراچی، فون: 626433 - 6622784

نظریۂ رنگ و نور

خواجہ شمس الدین عظیمی

یہ دُنیا: کائنات کے کروڑوں سیاروں میں سے ایک طفیلی سیارہ ہے۔ اس سیارۂ زمین پر موجود مخلوق ہوا، پانی اور آکسیجن سے زندہ ہے۔ ان ہی گیسوں، پانی، ہوا، دھوپ اور چاندنی سے انسانی غذائیں تیار ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ:

کروڑوں سیاروں میں جہاں انسانی آبادیاں ہیں وہاں انسان کس طرح زندہ ہے؟ کیا وہ بھی بے شمار سیاروں کے چاند، سورج، آسمان اور زمین الگ ہیں؟

سوال یہ ہے کہ:

کیا ماورائی دنیاؤں میں شادیاں ہوتی ہیں، شادی کے بعد بچے پیدا ہوتے ہیں، وہاں سائنسی ترقی ہے، وہاں کنکرڈ (Concord) ہوائی جہاز اُڑتے ہیں، کیا وہاں کی زندگی ڈیپریشن (Tention) اور بے سکون ہونے سے محفوظ ہے؟

معروف روحانی اسکالر الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی نے سائنسی توجیہات اور علمی استدلال سے

کتاب **نظریۂ رنگ و نور** میں

الگ الگ عنوانات سے ۳۵ سوالات کے تفصیلی جوابات لکھے ہیں

- برقی کرنٹ، ماورائی لہروں، مومنک ریز، قرآن کے نورانی علوم اور آسمانی کتابوں کے تفہیمات پر مشتمل کتاب نظریۂ رنگ و نور کا مطالعہ کرکے ہر شخص آدمی کہکشانوں کے اندر روشنی علامات اور نور کی دنیا سے باخبر ہوجاتا ہے۔ غیب کی دنیا کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔

دنیا کی ہر چیز نور کے غلاف میں بند ہے۔ اس نور سے واقف ہونے۔ نورانی دنیا میں داخل ہونے اور پرسکون زندگی گزارنے کے لئے

نظریۂ رنگ و نور پڑھیئے

الکتاب پبلیکیشنز ۵-کے/۱ ناظم آباد نمبر ۵ کراچی، فون ۶۲۲۴۸۵۱/۶۲۶۴۳۳

قیمت - ۹۹ روپے

www.islamiurdubook.blogspot.com

روحانی ڈائجسٹ کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

زیرِ نگرانی: خواجہ شمس الدین عظیمی

- روحانی ڈائجسٹ حضور اکرمؐ اور اولیاء اللہ کے مشن کو ایک گھر سے دوسرے گھر تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مرد اور عورت دونوں کو روحانی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ یہ واحد رسالہ ہے جو مرد و خواتین کو اُن کی روحانی صلاحیتوں سے آشنا کر کے اُن کے اوپر غیبی علوم منکشف کرتا ہے۔
- بچوں کی صحیح تربیت کے لئے ایسے مضامین شائع کئے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر بچے والدین کے اطاعت گذار اور معاشرے کے لئے نمونہ بن سکیں۔
- مسائل کا حل اور لاعلاج بیماریوں کا روحانی علاج پیش کیا جاتا ہے۔
- قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق ہم جو خواب دیکھتے ہیں اس میں ہمارے مستقبل سے متعلق اطلاعات ہوتی ہیں۔ خواب کی تعبیر کے ذریعہ آپ کے مستقبل کی نشاندہی کی جاتی ہے۔
- قلب و نظر کو تسکین دینے والی روحانی کہانیاں اور وہ مخفی علوم جو ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئے ہیں، روحانی ڈائجسٹ میں پڑھ کر آپ کے اوپر ایک عالم منکشف ہو جائے گا۔
- روحانی ڈائجسٹ میں ہمارے تمام تجربات، ہمارے تمام انکشافات اور وہ تمام مخفی علوم جو ہمیں ہمارے بزرگانِ دین سے بطور علم سینہ **منتقل** ہوئے ہیں، وہ سب کے سب ہم آپ کے سامنے رکھ دینا چاہتے ہیں۔

دین و دنیا سنوارنے کے لئے یہ رسالہ دنیا میں ہر جگہ دستیاب ہے۔

قریبی بک اسٹال یا اپنے اخبار والے سے طلب کریں